شیعہ امامیہ

مصنف: محمد صادق صدر
مترجم: محمد حسن جعفری

امامیہ پبلیکیشنز پاکستان امامیہ پبلیکیشنز پاکستان امامیہ پبلیکیشنز پاکستان امامیہ پبلیکیشنز پاکستان

حی علی خیر العمل

امامیہ آرگنائزیشن پاکستان

ACC No.....Date.....
Section.....Status.....
D.D. Class.....
NAJAFI BOOK LIBRARY

الشّیعہ الاِمامِیّہ

ACC No.....Date.....
Section.....Status.....
D.D. Class.....
NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No 11, M.L. Heights,
Mirza Kalich Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

تالیف
سید مرتضیٰ رضوی
ترجمہ
محمد حسین جعفری

ناشر:
اِمَامِیّہ پبلی کیشنز
۳۵ حیدر روڈ، اسلام پورہ، لاہور
فون: ۷۱۱۹۰۲۷

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں:

نام کتاب	اشیعہ الامامیہ
مؤلف	سید مرتضیٰ رضوی
مترجم	محمد حسین جعفری
بار اول	جولائی ۱۹۹۴ء
کمپوزر	المسلمین کمپیوٹر کالج اینڈ کمپوزنگ سنٹر
ناشر	امامیہ پبلیکیشنز
مطبع	معراج پرنٹرز لاہور
تعداد	۵۵۰
قیمت	

ملنے کا پتہ

العصر اسلامک بک سنٹر

۳۵۔ حیدر روڈ اسلام پورہ' لاہور۔ فون: ۷۴۸۶۴۲

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welf re Trust (R)
Shop No. 11, M.L. H ights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ ازہر کے وائس چانسلر علامہ عبدالحلیم محمود کا مکتوب جو انہوں نے تہران کے عظیم القدر علامہ الکبیر الحاج آقائی حسن سعید کو تحریر فرمایا۔

الازہر
مکتب الامام الاکبر
شیخ الازہر

بحضور جناب الشیخ حسن سعید
از علمائے تہران

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' کے بعد واضح ہو کہ ازہر امامیہ اور زیدی برادران کے لئے اپنے پورے خلوص و محبت کے جذبات رکھتا ہے۔ ہمیں اس دور میں وحدت و اخوت کی بے حد ضرورت ہے۔ اگر ادھر ادھر سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے تو ہمیں اور آپ کو مل کر اس کی اصلاح کرنی چاہئے اور ہم سب کو سلامتی اور محبت و مودت کی راہ پر چلنا چاہئے۔ یہ خط اتحاد و اصلاح کا ذریعہ ثابت ہو گا۔ میں آپ سے بھی اسی طرح کے جذبات کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ' اتحاد کے لئے سعی و کاوش کرنے والوں کی مساعی قبول فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بتاریخ ۲۵-۱۰-۱۹۷۷۔

دستخط: عبدالحلیم محمود
شیخ الازہر

فہرست مضامین

مقدمہ	۷
عرض مؤلف	۲۰
باب اول	۲۷
امت اسلامیہ کانفرنس	״
وفات نبی کے بعد کی حالت	۲۸
قریش کی کامیابی کے اسباب	۳۴
باب دوئم	۳۵
امت اسلامیہ کے بنیادی فرقے	״
باب سوئم	۴۵
مذاہب اسلامیہ کا ایک محققانہ تجزیہ	״
انبیاء مرسلین کے متعلق اہلسنت کا نظریہ	۵۴
مسائل فقہ میں تسنن کی حالت زار	۶۵
دعوت انصاف	۷۰
باب چہارم	۷۲
شیعیت اور اس کا آغاز	״
باب پنجم	۷۷
شیعہ اثناء عشریہ	
گیارہ آئمہ علیہم السلام کی امامت	۱۲۳
باب ششم	۱۲۹
اجمالی عقائد شیعہ	״
باب ہفتم	۱۳۹

روایات شیعہ کے ماخذ و مصادر	۳۹۱
باب ہشتم	۱۵۱
اہل سنت کے ماخذ	"
باب نہم	۱۸۶
تائید مذہب حقہ	"
باب دہم	۲۰۵
حوالہ جات	"

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ماہ شعبان المعظم ۱۳۹۸ ہجری کے آخر میں جب میں الجزائر سے واپس آیا تو قاہرہ میں میری ملاقات برادر محترم السید مرتضٰی الرضوی سے ہوئی موصوف نے علمائے امامیہ کی کتابوں کا ایک مجموعہ مجھے پیش کیا ان کتابوں میں کتاب (معتقدات الشیعتہ الامامیہ) بھی شامل تھی جیسے ہی میری نگاہ اس کتاب پر پڑی تو میں نے پوری لگن سے اسے پڑھنا شروع کیا۔

اس کتاب میں مذہب امامیہ کی تعلیمات و عقائد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کے مؤلف علامہ السید محمد صادق الصدر کی قلمی جرأت اور اظہارِ حق کے لئے ان کا بے دھڑک اسلوب تحریر قابلِ ستائش ہے۔ امت محمدیؐ کے دونوں فرقوں کو قریب تر لانے کی خواہش کے تحت میں نے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولاتفرقوا** تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں مت پڑھو۔ قرآن مجید کی اس آیت وافی ہدایت کے تحت ہم جملہ مذاہب اسلامیہ کو اتحاد کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔

اور ہم کامل فراخ دلی سے یہ اظہار کرتے ہیں کہ جملہ فقہی مذاہب اپنے تمام فروعی مسائل میں اپنے اصول اجتہاد کے پابند رہتے ہوئے بھی وحدت کی ایک لڑی میں پروئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان تمام مذاہب اسلامیہ کا ہدف وہ عظیم تر اتحاد ہو جس کی دعوت ہم نے

روایات شیعہ کے ماخذ و مصادر ۳۹۱

باب ہشتم ۱۵۱

اہل سنت کے ماخذ ،،

باب نہم ۱۸۶

تائید مذہب حقہ ،،

باب دہم ۲۰۵

حوالہ جات ،،

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ماہ شعبان المعظم ۱۳۹۸ ہجری کے آخر میں جب میں الجزائر سے واپس آیا تو قاہرہ میں میری ملاقات برادر محترم السید مرتضٰی الرضوی سے ہوئی موصوف نے علمائے امامیہ کی کتابوں کا ایک مجموعہ مجھے پیش کیا ان کتابوں میں کتاب (معتقدات الشیعتہ الامامیہ) بھی شامل تھی جیسے ہی میری نگاہ اس کتاب پر پڑی تو میں نے پوری لگن سے اسے پڑھنا شروع کیا۔

اس کتاب میں مذہب امامیہ کی تعلیمات و عقائد کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کے مئولف علامہ السید محمد صادق الصدر کی قلمی جرأت اور اظہارِ حق کے لئے ان کا بے دھڑک اسلوب تحریر قابلِ ستائش ہے۔ امت محمدیؐ کے دونوں فرقوں کو قریب تر لانے کی خواہش کے تحت میں نے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولاتفرقوا** تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں مت پڑھو۔ قرآن مجید کی اس آیت وافی ہدایت کے تحت ہم جملہ مذاہب اسلامیہ کو اتحاد کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔

اور ہم کامل فراخ دلی سے یہ اظہار کرتے ہیں کہ جملہ فقہی مذاہب اپنے تمام فروعی مسائل میں اپنے اصول اجتہاد کے پابند رہتے ہوئے بھی وحدت کی ایک لڑی میں پروئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان تمام مذاہب اسلامیہ کا ہدف وہ عظیم تر اتحاد ہو جس کی دعوت ہم نے

اپنی تمام کتابوں میں دی ہے۔ تو اس وقت تک تمام فقہی مذاہب درست قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ان مذاہب کا چند فروعی مسائل' اور کچھ اصول و اسلامی اقدار کے مفہوم کی گہرائی کا اختلاف چنداں ضرر رساں نہیں ہے۔ کیونکہ عظیم تر اتحاد کی بنیاد درج ذیل اشیاء پر ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان۔ ۲۔ رسولوں پر ایمان

۳۔ کتب سماوی پر ایمان۔ ۴۔ ملائکہ پر ایمان

۵۔ قضائے الٰہی یعنی خیر و شر کو اللہ کی طرف سے سمجھنا ا۔

علاوہ ازیں تمام مذاہب نماز پنج گانہ اور وجوب زکوٰۃ' ماہ مبارک کے روزے اور ہر صاحب استطاعت پر حج کی فرضیت پر متفق ہیں۔ جب تک اختلاف فروع سے تجاوز نہ کرے اور نقطہ نظر فہم نصوص سے جدا نہ ہو' اس وقت تک کسی بھی متعصب شخص کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے۔ مذاہب اسلامیہ کے ائمہ میں سے ہر صاحب اجتہاد امام کا یہ شرعی حق ہے کہ وہ اپنے علم و اخلاق اور ملکہ اجتہاد کے تحت نصوص شرعیہ کا انتخاب کرے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

اگر ان مفاہیم کے سمجھنے میں اختلاف ہوتا ہے تو یہ اختلاف قابل مذمت نہیں ہے۔

دراصل فہم و فراست کا یہ اختلاف عظمت الٰہی' صداقت اسلام اور باب اجتہاد کی وسعت کی دلیل ہے۔

ہم اس مقام پر ان لوگوں کی تائید نہیں کر سکتے جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ نصوص شرعی کے مفہوم کا اختلاف ضعف و اضطراب کا موجب ہے۔ ہماری رائے یہ ہے اگر مجتہد علوم شرعی و لغوی و علم بلاغت و اصول اور اجتہادی وسائل کا حامل ہو تو فہم و فراست کے اس اختلاف کو کسی کمزوری کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مجتہدانہ رائے کا اختلاف اس لئے بھی خوشگوار ہے کہ رسولؐ خدا کا فرمان ہے۔

"**اختلاف امتی رحمة**" "میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔" ۲۔

رسولؐ خدا نے اجتہاد کو جائز قرار دیا اور امت کے فقہا کو یہ حق تفویض کیا ہے۔ اور آپؐ نے ہی فہم نصوص کے لئے اجتہاد کے دروازے کو کھولا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک مشہور حدیث پیش خدمت ہے۔ جو ازروئے سند تو درجہ صحت پر پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ مگر اس حدیث کے متعلق امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی لکھتے ہیں: یہ حدیث اپنی شہرت

اور علمائے راسخین کی زبان پر ہمیشہ جاری رہنے کی وجہ سے حد تواتر کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔ اور یہ حدیث اسلام کے علمی مسائل کے لئے انتہائی موثر ہے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جب مصلح اکبر صلوات اللہ علیہ اپنے صحابی معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیج رہے تھے تاکہ اہل یمن کو امور دین اور قواعد اسلام کی تعلیم دی جائے اور ان کے تنازعات کو اسلامی اصولوں کے مطابق حل کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں اس وقت معاذؓ بن جبل نوجوان تھے۔ اور رسولؐ خدا ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اور کئی بار اس کی پیشانی چوم کر فرمایا تھا خدایا میں معاذ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ تو آپ کو معلوم ہے کہ اسے یمن روانہ کرتے وقت آپؐ نے اسے کیا فرمایا تھا؟ معاذ ان تین افراد میں سے ایک فرد تھے جنہیں رسولؐ خدا نے مختلف اوقات میں یمن روانہ فرمایا تھا۔

ان افراد میں سے عزت و عظمت کے لحاظ سے علی علیہ السلام کا مقام سب سے فائق ہے۔

ان کے بعد دوسرا مقام معاذ بن جبل کا ہے۔ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھیجنا چاہا تو اسے اپنے قریب بٹھا کر پوچھا۔

معاذؓ فیصلہ کیسے کرو گے؟

معاذؓ نے جواب دیا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔

آنحضرتؐ جو رب کی طرف سے ہر چیز کے اصول کے عارف تھے' نے فرمایا اگر تمہیں وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟

معاذؓ نے عرض کیا میں رسولؐ خدا کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آنحضرت نے فرمایا اگر وہ مسئلہ تمہیں سنت رسولؐ میں بھی نہ ملے تو اس صورت میں کیا کرو گے؟ تو معاذؓ نے کہا میں اس صورت میں اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اجتہاد کروں گا اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں برتوں گا۔ آنحضورؐ نے معاذؓ کے شانوں کو تھپکی دیتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ چیز سمجھا دی جس سے اللہ اور رسولؐ راضی ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے فہمیدہ قارئین خواہ سنی ہوں یا شیعہ' کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ مذاہب اسلامیہ یعنی مذاہب فقیہہ کا یہ فروعی

اختلاف دین اسلام سے خروج و ارتداد ہرگز نہیں ہے۔

یہ اختلاف دراصل ان دو احادیث کا نتیجہ ہے جن میں سے ایک قولی ہے اور دوسری مربی اکبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریری حدیث ہے۔ اس کے بعد کسی شخص کے پاس مذاہب فقہیہ کے خلاف کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب کہ قواعد اجتہاد ایک ہیں اور خداوند عالم کے متعلق عقیدہ ایک ہے۔ اور آنحضورؐ نے خود ہی اجتہاد کی اجازت دی ہے اور اس کی دعوت دی ہے۔ ہم اپنے محترم قارئین کے سامنے یہ عرض کر چکے ہیں کہ احکام فقہیہ کا دار و مدار احکام اصولیہ کی استعداد اور دلائل توحید اور وسائل اعتقاد پر ہے۔ ۳۔

مذاہب فقہیہ کے تعدد کی وجہ سے اصول میں بھی اختلاف موجود ہے۔ علم اصول دین سے واقفیت رکھنے والے حضرات کو علم ہے کہ عالم اسلام میں درج ذیل عقائد بڑے مشہور رہے ہیں۔

۱۔ اشعری عقیدہ: یہ عقیدہ ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے۔

۲۔ ماتریدیہ عقیدہ: اس عقیدہ کی نسبت ابو منصور ماتریدی کی طرف ہے۔

۳۔ معتزلی و کلابیہ عقیدہ: یہ عقائد واصل بن عطاء اور ان کے شاگردوں کی طرف منسوب ہیں۔

۴۔ واسطیہ عقیدہ: اس عقیدہ کی نسبت ابنؔ تیمیہ حرانی اور محمد بن عبدالوہاب کی طرف ہے۔

۵۔ امامیہ عقیدہ: اس عقیدہ کی نسبت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف ہے۔

۶۔ زیدیہ عقیدہ: اس عقیدہ کی نسبت حضرت زید بن امام زین العابدین کی طرف ہے۔

ملت اسلامیہ میں یہ تمام عقائد موجود ہیں۔ اور ہماری رائے کے مطابق یہ سب نجات پانے والے ہیں۔ ناجی مذاہب کی فہرست میں ہم خوارج کو شمار نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام پر نعوذ باللہ کفر کا فتویٰ لگایا اسی طرح سے ہم نصیریوں کو بھی ناجی تصور نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خدا سمجھ رکھا ہے۔ اصول عقیدہ کا یہ اختلافٌ حقیقی اور بنیادی عقیدہ کے جوہر کے منافی نہیں ہے۔ ان تمام مذاہب کے عقیدہ کا جوہرَ توحید خالص اور خداوند عالم کو صفات حوادث سے پاک سمجھنا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اس مقام پر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ آپ تمام مذاہب کو ناجی کیونکر سمجھ سکتے ہیں جب کہ آنحضورؐ کا فرمان ہے:

"افترقت الیہود الی احدی وسبعین فرقة وافترقت النصاری الی اثنین و سبعین فرقة کلها فی النار الافرقة واحدة و مستفترق امتی علی ثلات وسبعین فرقته کلهم فی النار الا واحدة۔

"یہودیوں کے اکہتر گروہ ہوئے اور نصاریٰ کے بہتر گروہ ہوئے ان میں سے ایک گروہ ناجی ہے اور باقی جہنمی ہیں۔

اور میری امت کے تہتر گروہ بنیں گے ان میں سے ایک ناجی ہو گا اور باقی جہنمی ہوں گے۔

اس حدیث شریف کے تحت ہم ضدی علماء کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ نجات صرف تشیع یا تسنن میں ہی مضمر ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو مذاہب اسلامیہ اعتدال پرست ہیں وہی فرقہ ناجیہ ہیں اور جو افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں وہ دوزخی ہیں۔ جیسا کہ نصیری' غالی اور حلولیہ اور کیسانیہ میں سے چند افراط پسند فرقے اور جناب امیر علیہ السلام کی تکفیر کرنے والے فرقے' یہ اور ان جیسے فرقے یقیناً دوزخی ہیں۔ دور جدید کے دو نئے مذاہب کو بھی ہم ان میں شامل کرتے ہیں۔

۱۔ بہائی جو علی محمد باب شیرازی کی نبوت کے قائل ہیں۔

۲۔ قادیانی جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

ہم مذاہب اسلامیہ کے متعلق خدا کے حضور یہی رائے رکھتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ رائے صائب ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس بہت سی ایسی احادیث مبارکہ موجود ہیں جن میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام الوالعزم پیغمبروں کے سردار ہیں۔ اور آپؐ کی آلؑ بہترین آل ہے اور آپؐ کی امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔ بروز قیامت آپؐ کی امت کی تعداد باقی تمام امتوں سے زیادہ ہو گی۔

کتاب ہذا کے مئولف علامہ صدر نے امت اسلامی کے دو گروہ یعنی شیعہ و سنی

اختلافات پر بحث کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر مسائل نسبتی ہیں۔

کتاب ہذا کے موضوعات کو دو بنیادی حصول میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ میں مذہب شیعہ کے خلاف لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات کا دفاع کیا گیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ ان اجتہادی مسائل کے حوالے سے ہے جن کا تعلق اصول اور فلسفہ وحدت سے ہے۔ بہرنوع اپنے مذہب کے خلاف عائد کردہ الزامات کے جواب میں جناب مئولف پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔ اور اظہار حق کے لئے کسی قسم کی کمزوری کا شکار نہیں ہوئے۔ اور اگر دوران تحریر مئولف کا لہجہ کسی مقام پر سخت ہوا ہے تو یہ ان کی حمیت دینی کا ثبوت ہے۔ اور اپنے ایمان و عقائد کا دفاع جان و مال اور عزت و ناموس کے دفاع کی طرح لازمی ہے۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہت سی احادیث میں فرمایا ہے کہ مومن کو کافر کہنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

اور ایک دوسرے کی تکفیر کرنے والوں پر آنحضورؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

لہٰذا فاضل مئولف کی تحریر میں اگر کہیں سختی ہے تو انہیں اس پر معذور سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ مذہب شیعہ کے مخالفین "حاطب لیل" کی طرح ہیں انہوں نے ہر قسم کی رطب ویابس روایات اکٹھی کر کے مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

اور اس میں بددیانتی کا پہلو یہ ہے کہ مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کے لئے نصیریہ، حلولیہ اور کیسانیہ فرقوں کے عقائد کو بھی شیعوں کے سر تھوپا گیا ہے۔ ایسے غیر ذمہ دار عناصر بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ان کی نادانیاں ملت اسلامیہ میں تفرقے کو جنم دے رہی ہیں۔

اندریں حالات مئولف کو یقیناً اپنی آواز بلند کرنے اور اپنے مذہب کے خلاف لگائے جانے والے بہتانات کے جواب کا حق حاصل ہے۔ لیکن فاضل مئولف کا فلسفہ توحید کے مسائل کا اسلوب اس اسلوب سے جداگانہ ہے جو انہوں نے اپنے مذہب پر عائد شدہ الزامات کے جواب میں اختیار کیا ہے۔

فاضل مئولف نے فلسفہ توحید کے اس مشکل ترین مسئلہ پر بھی خامہ فرسائی کی ہے جو اکثر علمائے متقدمین اور علمائے متاخرین کے درمیان مابہ النزاع رہا ہے اور اس مسئلہ میں اکثر علماء لغزش کا شکار ہوئے ہیں۔ اور وہ مسئلہ ان آیات صفات کا ہے جو قرآن مجید میں مذکور

ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں مؤلف کا موقف یہ ہے کہ اہل سنت کا تعلق "فرقہ مجسمیہ" سے ہے جو کہ خداوند عالم کی جسمانیت کے قائل ہیں۔ کیونکہ اہل سنت **الرحمن علی العرش استوی** اور **بل یداہ مبسوطتان** جیسی آیات کی تاویل نہیں کرتے اور اسے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں اسی طرح سے ایک حدیث میں یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ خداوند عالم رات کے پچھلے پہر آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے کہ آیا کوئی سوال کرنے والا ہے میں اسے عطا کروں اور آیا کوئی اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والا ہے تو میں اسے معاف کروں۔

اس قسم کی تمام آیات و احادیث کے تحت مؤلف نے اہل سنت کو (تجسیم خداوندی" کا مجرم ٹھہرایا ہے۔ اور مؤلف یہ رائے رکھتے ہیں کہ فقط شیعہ ہی تنزیہ باری کے لئے ان آیات و احادیث کی تاویل کرتے ہیں وہ "**استویٰ**" کی تاویل "**استولی**" اور "**ید**" کی تاویل قدرت سے کرتے ہیں۔

اس مقام پر حق بات یہ ہے کہ آیات صفات میں فریقین کا تنزیہ باری کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور تمام اہل سنت (تجسیم الٰہی" کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ ابن تیمیہ حرانی کے پیروکار تجسیم الٰہی کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبل کی طرف بھی اس عقیدہ کی نسبت دیتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ سلف کے اس قول کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکے۔ سلف صالحین نے فرمایا ہے: اللہ کا ہاتھ ہے لیکن ہمارے ہاتھوں جیسا نہیں ہے۔ اللہ کے لئے بیٹھنا ثابت ہے لیکن ہمارے بیٹھنے کی مانند نہیں ہے۔ امام مالک سے "**استواء**" کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا! "**استواء**" معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے۔ اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر انہوں نے سائل کو اپنی مجلس سے نکلنے کا حکم دیا۔ اور کچھ اس جیسی رائے فرقہ "معطلہ" کی بھی ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ اعتدال پسند شیعوں میں اس فرقہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اسی طرح سے تمام آیات صفات کے مفاہیم میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ فریقین میں سے ہر فریق کے اعتدال پسند علماء قولی اور عملی لحاظ سے تنزیہ باری کے قائل ہیں۔ اور ہر فریق ایک مخصوص زاویہ سے تنزیہ باری کا قائل ہے۔ اہل سنت کے متقدمین علماء نص کے ظاہری الفاظ کو حجت قرار دیتے ہیں اور ان کے نظریہ کی تائید نص سے ہوتی

ہے۔ جب کہ شیعہ علماء ان آیات کی تاویل کرتے ہیں اور ان کے نظریہ کی تائید تنزیہ باری کے عقیدہ سے ہوتی ہے۔ میں نے اس مسئلہ کی مکمل وضاحت پنی کتاب "تاریخ الادب العربی فی العصر العباسی الاول" میں کی ہے اور مذکورہ کتاب میں یہ وضاحت کی ہے کہ آیات صفات کی تفسیر کے لئے مثالی عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا جائے۔ اور یہی نظریہ قرن دوم کے فقہا کا تھا۔ انہوں نے کہا تھا اللہ کے لئے "**استواء**" ثابت ہے لیکن وہ ہمارے "**استواء**" کی مانند نہیں ہے۔ ذات باری کے لئے "**سمع**" ہے۔ لیکن ہمارے "**سمع**" کی مانند نہیں ہے۔ اسی طرح سے اللہ کا "**ید**" ہے۔ لیکن ہمارے ہاتھوں جیسا نہیں ہے۔

اس قول کی تائید اس آیت مجیدہ سے ہوتی ہے "**لیس کمثلہ شی**" کوئی چیز اس کی مثال نہیں ہے۔

اس درمیانی نظریہ کے ذریعے سے متقدمین کی وہ آراء جو ظاہر نص پر مبنی ہیں اور معتزلہ کی وہ تاویلات جو تنزیہ باری پر مبنی ہیں' ان دونوں آراء کا تناقض دور ہو سکتا ہے۔

اس قول کی ظاہری روایت امام مالک سے ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ امام مالک نے یہ نظریہ امام جعفر صادقؑ سے ہی لیا ہو گا۔

ہم مؤلف کی اس حد تک تو تائید کرتے ہیں کہ فلسفہ تنزیہ کے ناشر معتزلہ تھے لیکن ہم یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں ہیں کہ یہ فلسفہ ان کے اپنے ذہن کی پیداوار تھا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں فلسفہ تنزیہ ائمہ اہل بیتؑ کے فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ معتزلہ واصل بن عطاء کے شاگرد ہیں۔ اور واصل بن عطاء' ابو ہاشم کے شاگرد ہیں اور ابوہاشم اپنے والد محمد بن حنفیہ کے شاگرد ہیں۔ اور محمد بن حنفیہ اپنے والد محترم امام علی علیہ سلام کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت علی علیہ سلام عالم اسلام کی اولین شخصیت ہیں جنہوں نے تنزیہ باری کے متعلق کہا تھا: **من وصف الباری فتدحدہ ومن حدہ فقد عدہ** ۴؎ جس نے ذات باری کے علاوہ صفات مانے تو اس نے باری تعالیٰ کی حد بندی کی۔ اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا۔ آیات سابقہ کے ظاہری الفاظ تنزیہ باری کے منافی نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اس طرح سے یہ تمام اختلافات انتسابی قرار پاتے ہیں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہم اپنی کتاب **"قضا یا نسبة فی الاسلام"** میں کریں گے۔

اور جہاں تک صحابہ کرام کی جرح و تعدیل کا تعلق ہے تو میں نے اس سے قبل علامہ استاد اسد حیدر کی کتاب "الامام الصادق و المذاہب الاربعہ" کے مقدمہ میں (صحابہ کے متعلق شیعہ امامیہ کا عقیدہ) کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی ہے۔

میں نے مذکورہ عنوان میں لکھا ہے کہ شیعہ حضرات علمی نظریہ کو اخلاقی نظریہ پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا طریق کار وہی ہے جو ان کے شاگردوں معتزلہ کا ہے۔ اور اس روش کے برعکس اہل سنت اخلاقی نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں اور تمام صحابہ کی عدالت کے قائل ہیں اور ان پر کسی قسم کی جرح و تنقید کے روادار نہیں ہیں۔ اہل سنت اس مسئلہ پر بساط بحث لپیٹ چکے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ ہم امامیہ برادران کے کلام سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ چند صحابہ کے افعال اور ان کی سیاست پر تنقید کرتے ہیں اور جہاں تک افعال قلوب اور درجہ ایمان کا تعلق ہے تو دلوں کے بھیدوں کو صرف خداوند علیم ہی بہتر جانتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے: جب تک تمہیں کسی کے خاتمہ کا علم نہ ہو جائے تو اس وقت تک اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرو کیونکہ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔ تو گویا حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحاب کے دلوں کے بارے میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے نفاق یا حلقہ اسلام سے خارج ہونے کے متعلق آپؐ نے نص فرمائی ہو۔

فاضل مؤلف نے حضرت علی علیہ السلام کی تمام صحابہ پر افضلیت کی جو بحث کی ہے تو یہ حقیقت اکثر علماء راسخین اور محدثین کی بیان کردہ ہے اور ان سے منقول ہے۔

خود میں نے بھی مناقب علیؑ وارد ہونے والی احادیث کی تعداد ایک سو تیس سے زیادہ گنی ہیں۔ اور جہاں تک "جبر و اختیار" کا تعلق ہے (کیا انسان مجبور محض ہے یا آزاد مطلق" تو اس مسئلہ سے اعتدال پسند شیعہ اور اعتدال پسند اہل سنت کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

البتہ اس بحث سے اگر کسی کو خسارہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف معتزلہ ہی ہیں کیونکہ ان کا

نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور تخلیق عمل میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔
انہی لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کے مجوسی قرار دیا تھا۔
معتدل اہل سنت اس عقیدہ کے مخالف ہیں اور معتدل شیعہ بھی اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

اہل سنت کچھ افعال کو اختیاری قرار دیتے ہیں۔ اور شیعہ ہمارے جد امجد امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس فرمان کے قائل ہیں: **لاجبر ولا تفویض ولکن منزلة بین المنزلتین** "نہ جبر درست ہے اور نہ ہی تفویض کا عقیدہ صحیح ہے بلکہ ان دو منزلوں کے درمیان منزل ہے۔ یعنی انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی مکمل آزاد ہے۔ بعض معاملات میں انسان آزاد ہے اور بعض میں مجبور ہے۔ اور یہی نظریہ درست ہے۔"

لیکن اس صراط مستقیم سے کچھ اہل سنت دور ہوئے تو جبریہ کہلائے۔ اور کچھ شیعہ اس سے دور ہو کر معتزلہ کے ہم نوا بن گئے جو انسان کو خالق افعال سمجھتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کے فرمان کو قول فیصل تسلیم کرنے سے فریقین کے معتدل افراد کے درمیان نظریات کا اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ ایک اور مشکل ترین مسئلہ جس میں فریقین کا اختلاف ہے' وہ ان احادیث کے متعلق ہے جنہیں ظاہرا عقل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے مثلا وہ احادیث جن میں باری تعالیٰ کی جسمانیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یا ایسی احادیث جن کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جہت و احد میں اللہ کا دیدار کرے گا' یا ایسی احادیث جن کے ظاہری الفاظ دوسری احادیث کے ظاہری الفاظ کے منافی ہیں' یا ایسی احادیث جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بھولنے کا ذکر ہے مثلا ذی الیدین یا اس جیسی دوسری احادیث۔ آخر ان احادیث کا کیا حل ہونا چاہئے۔ اور ان احادیث کی موجودگی میں اختلاف سے کیسے بچا جائے؟

اس سلسلہ میں حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ احادیث حقیقی اختلاف کی موجب نہیں ہیں۔
اور احادیث نبویؐ کا رتبہ اس سے کہیں بہت بلند و بالا ہے کہ ان کے متعلق جلد بازی میں کوئی فیصلہ صادر کیا جا سکے۔ اور ایسی احادیث جن سے خداوند عالم کی جسمانیت کا مفہوم مترشح ہوتا ہے۔ اگر ان کو صحیح السند تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ان کے ذریعے سے تصور اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ایسی احادیث کو توضیح مزید پر محمول کرنا چاہئے۔

علاوہ بر آں وہ احادیث جن میں رویئت خداوندی کا ذکر ملتا ہے' تو اس کی تاویل دیدار بصیرت سے ممکن ہے۔ ان سے دیدار باصرہ مراد نہیں لینا چاہئے۔

گویا ان احادیث سے مراد "رویت تجلی" ہے "رویت بالاحاطہ" مراد نہیں ہے۔ ان تمام مسائل پر ہم اپنی کتاب "الاسراء و المعراج" میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ اور ایسی احادیث جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مذکور ہے کہ آپؐ نماز میں بھول گئے تھے۔ تو ان احادیث کا مقصود بھی شریعت سکھلانا اور اپنے اصحاب کو تعلیم دینا ہی ہے۔

فلسفہ تربیت بھی اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ ہم نے دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کی ہے۔ "سہوالنبیؐ" کے مسئلہ کے متعلق بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کبھی بھولتے تھے یا بھلائے جاتے تھے تو اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ اس ذریعہ سے شریعت طاہرہ کا مسئلہ معلوم ہو سکے۔ ورنہ آپؐ کی ذات میں نسیان کا کوئی دخل نہیں تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ معصوم ہیں اور معصوم پر نسیان طاری نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ایسی احادیث جو بظاہر ایک دوسری کی معارض نظر آتی ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ "**فرمادة الشیطان**" شیطانی گیت والی حدیث اور آنحضورؐ کا اس شخص کو بد دعا دینا جو اپنی گم شدہ چیز کا اعلان مسجد میں کر رہا تھا' تو ان احادیث کی تاویل اس طرح سے ممکن ہے۔ جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے تو اس کا مقصود یہ ہے کہ آپ اپنے افراد خانہ کو خوش کرنا چاہتے تھے۔

اور دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ جس مقام کو عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ عبادت تک ہی محدود رہے۔ وہاں دوسرے دنیاوی امور سرانجام نہ پانے پائیں۔ میں اپنے الفاظ کے آخر میں یہ پسند کروں گا کہ فاضل مئولف نے فقہ اسلامی میں فلسفہ قیاس کی جو مخالفت کی ہے' اس پر انہیں ہدیہ تبریک پیش کروں۔ اس مسئلہ میں ان کی حمایت کرتا ہوں اور ان کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتا ہوں۔

میں اگرچہ حنفی المذہب ہوں اور مئولف نے قیاس کے مسئلہ پر امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت پر تنقید کی ہے اور امام اعظم ہمارے جد امجد امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے' اس کے باوجود میں قیاس کی ممانعت میں فاضل مئولف کا ہم نوا ہوں۔

اور میری ذاتی رائے یہ ہے کہ فاضل مئولف نے اس موضوع کو جس عمدگی سے نبھایا

ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور انہوں نے یقیناً بجا فرمایا کہ: دین میں قیاس کا دخل نہیں ہے۔ اور آسمانی شرائع کے پیروکاروں میں سے جس کسی نے قیاس سے کام لیا اس نے ٹھوکر کھائی اور نتیجہ غلطی کی صورت میں نمودار ہوا۔ حضرت حواء نے حضرت آدم علیہ السلام سے ایام ماہواری کے روزوں کی قضا کے متعلق دریافت کیا تو حضرت آدمؑ نے روزے کا نماز پر قیاس کرتے ہوئے جواب دیا کہ عورت پر ان ایام کی قضا ضروری نہیں ہے۔

حضرت آدمؑ کا یہ قیاسی جواب درست نہ تھا ۵۔ حضرت حق سبحانہ کی طرف سے ابلیس لعین کو آدمؑ کے سجدہ کرنے کا حکم ملا تھا اور اس نے قیاس سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے افضل جانا۔ بہر نوع ابلیس کا قیاس اس کی گمراہی کا موجب بنا۔ امام صادق علیہ السلام نے فقہ میں قیاس کے باطل ہونے کی یہ دلیل دی کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے لئے دو گواہوں کی شہادت کو قبول کیا ہے۔ جبکہ اثبات زنا کے لئے یہ تعداد ناکافی ہے اور اس کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قتل بڑا جرم ہے اور زنا اس کی نسبت سے چھوٹا جرم ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بڑے جرم کے لئے دو گواہ اور سستا چھوٹے جرم کے لئے چار گواہ مقرر فرما کر روز قیامت تک کے لئے قیاس کو باطل قرار دیا۔ قیاس کے بطلان کے لئے امام صادقؑ سے مسلمہ روایات مروی ہیں۔ اور ویسے بھی دین صحیح کے اپنانے کا طریقہ تسلیم و اتباع میں مضمر ہے' قیاس و بدعت میں نہیں ہے۔

حق یہ ہے کہ قیاس اس وقت ہی جائز قرار دیا جا سکتا ہے جب نص نہ ہو اور نص کا نہ ہونا انتہائی نادر ہے اور نادر کے لئے کوئی حکم نہیں ہوتا۔ جہاں تک مؤلف کی طرف سے ابو ہریرہ اور مذاہب اربعہ پر تنقید کا تعلق ہے اور مؤلف ان کے غلط کار ہونے کے دعویدار ہیں۔ تو اس مسئلہ میں ہم مؤلف سے اختلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا وطیرہ یہ ہے کہ افتراق کو اجتماع میں تبدیل کیا جائے اور ہماری خواہش یہ ہے کہ مسائل کو نرم اور آسان انداز میں پیش کیا جائے تاکہ امت اسلامیہ میں واقع اختلافات کی خلیج کو پاٹا جا سکے اور وحدت المسلمین میں جو رکاوٹیں حائل ہیں' انہیں دور کیا جا سکے اور خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں "اہل وصل" بنایا اور "اہل فصل" نہیں بنایا۔

ہم مستقبل کے لئے پرامید ہیں کہ جب یہ دوریاں' قربتوں میں بدل جائیں گی اور اس دوری کو فقط علمی دعوت سے ہی ختم کرنا ممکن ہے۔ تفرقہ اندازوں نے امت اسلامیہ کے

ان دو فرقوں میں تلخیوں کا جو زہر گھولا ہے اسے فقط علمی دعوت اور محبت کے امرت دھارے سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ صفوں کی یہ کجی دور ہو گی اور امت اسلامیہ میں وحدت کا دور دورہ ہو گا اور فریقین میں سے کوئی بھی جماعت سے الگ ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی زد میں نہ آئے گا **من شذ شذ فی النار** جو جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ کا ایندھن بنا اللہ تعالیٰ نیتوں کا جاننے والا ہے۔

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد
مؤسس المنہج العلمی الحدیث قاہرہ
ڈین فیکلٹی ادب عربی عین الشمس یونیورسٹی قاہرہ

بتاریخ ۵-۸-۱۹۷۸

عرض مئولف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ الطیبین الطاھرین۔

علم تاریخ انسانی ارتقاء کا آئینہ ہے اور مئورخ ہی وہ محترم شخصیت ہے جو ہمیں دور ماضی کا شفاف آئینہ دکھاتا ہے۔ جس میں ہم سابقہ اقوام و ملل کی درست تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ تاریخ ہی اقوام عالم کے حالات سے ہمیں آگاہ کرتی ہے۔ اور اسی تاریخ کے دریچوں سے ہی ہم گذشتہ اقوام کی تہذیب و تمدن' بود و باش' عقائد و نظریات' سیاست و مذہب' ترقی و تنزلی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق و صفحات ہی گذشتہ لوگوں کے حوادث و واقعات کے امین ہیں۔

بلاشبہ تاریخ ماضی کا بہترین آئینہ ہے بشرطیکہ وہ آئینہ صاف و شفاف ہو اس پر ذاتی پسند و ناپسند کا زنگ چڑھا ہوا نہ ہو تو اس صورت میں تاریخ انسانیت کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تاریخ تمام چیزوں سے اس وقت زیادہ مفید ہے' جب مئورخ امین ہو راست گوئی سے کام لینے والا ہو' جب وہ حالات و واقعات کی صحیح تصویر کشی کرے اور ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر قلم اٹھائے اور اپنی طرف سے کسی طرح کی کمی بیشی نہ کرے۔ ہمیں انتہائی افسوس سے یہ لکھنا پڑتا ہے کہ سابقہ ادوار میں مئورخین پر ایک ایسا وقت آیا جب انہوں

نے حالات و واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا شروع کیا۔ اور اس کی تین بنیادی وجوہات تھیں۔

ا۔ مذہبی رجحانات

اپنے مذہب سے بے جا پیار اور دوسرے مذاہب سے اللہ واسطے کا بیر' ہر دور میں مؤرخ کے قلم کو داغ دار بنانے کا سبب رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے اکثر مؤرخین عصمت قلم کی حفاظت نہ کر سکے اور نتیجتاً حق کے چہرے کو مسخ کرتے رہے۔ اور انہی مؤرخین کے ہاتھوں حقائق ذاتی رجحانات کی بھینٹ چڑھتے رہے۔

ان مؤرخین کی پہچان یہ ہے کہ وہ صرف وہی واقعات درج کریں گے جو ان کی رائے سے میل کھاتے ہوں گے اور صرف انہی واقعات کو اپنا موضوع بحث قرار دیں گے۔ جو ان کے مذہب و مسلک کے مؤید ہوں گے۔ اس طرح کے ستم ظریف مؤرخین کا صحت سند سے کوئی سروکار نہیں رہا انہیں ہمیشہ سے اپنے ذاتی خیالات کی تصدیق مطلوب رہی ہے۔ ایسے مؤرخین کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ انہوں نے اپنے نظریات و افکار کے مخالف واقعات و حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اور انہوں نے خود ساختہ روایات لکھنے میں کبھی عار محسوس نہیں کی۔

۲۔ حصول دنیا کی خواہش

بنی امیہ اور بنی عباس کے سلاطین نے جب یہ محسوس کیا کہ ان میں بنی ہاشم جیسے مناقب و فضائل موجود نہیں ہیں جو ان کی عزت و عظمت کا سبب بن سکیں۔ تو انہوں نے اپنی آمریت کو طول دینے اور امت اسلامیہ کے استحصال کو جاری رکھنے کی غرض سے قادر الکلام شعراء کو اپنے مصاحبین میں شامل کیا۔ اور ان پر انعام و اکرام کی بارش کی تاکہ درباری شعراء ان کے لئے نغمہ سرائی کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ اور صنف شعراء کے ساتھ ساتھ دنیا طلب علمائے سوء کو بھی اپنی داد و دہش سے نوازا گیا تاکہ ایسے لوگ ان کے حق میں من گھڑت احادیث تیار کرتے رہیں۔ اور ان وضعی احادیث سے سلاطین اپنے اقتدار کو اسلامی اقتدار ثابت کرتے رہے تھے۔ چنانچہ اس دور ملوکیت کے اکثر مؤرخین دولت کی چمک سے مرعوب ہوئے اور واقعات و حالات کی غلط تصویر کشی کی۔

۳۔ نشرو اشاعت کے ناکافی وسائل

ہم دیکھتے ہیں کہ سابقہ دور میں حوادث و واقعات کے محفوظ کرنے کے لئے وسائل بھی ناکافی تھے۔ اس دور میں آج کی طرح پریس موجود نہیں تھا۔ اور تدوین و تالیف کا سلسلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود نہ تھا اور ایک بڑے عرصے کے بعد مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ حالات و واقعات کو لکھ کر محفوظ کیا جائے۔

اس وقت تک کے تمام حالات و واقعات صرف سینوں میں ہی تھے اور جیسے ہی دور تالیف شروع ہوا تو ہر شخص نے ان واقعات کو اپنے اپنے انداز میں بیان کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے ایک واقعہ کئی طرح سے بیان ہونے لگا۔

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر کہیں ایک واقعہ رونما ہوتا ہے تو ایک شخص اس واقعہ کو ایک طرح سے بیان کرتا ہے تو دوسرا شخص اسی واقعہ کو دوسرے انداز سے بیان کرتا ہے اور اگر واقعہ کے تمام راویوں کی گفتگو سنی جائے تو انسان کے لئے یہ باور کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا یہ ایک ہی واقعہ بیان ہو رہا ہے یا مختلف واقعات بیان کئے جا رہے ہیں۔

چنانچہ ان عوامل کی وجہ سے تاریخ کی رونق ختم ہو گئی۔ علم تاریخ کے افق پر غبار چھا گیا اور تاریخ کا حسین چہرہ داغ دار ہو گیا۔ حق و صداقت کے طالب کے لئے دروازے بند ہو گئے اور صحیح و سقیم کی پہچان مشکل بن گئی۔ اگر میں یہ کہوں تو اس میں قطعاً" مبالغہ نہیں ہو گا کہ قدیم اسلامی تاریخ کو اگر تحقیق کی چھلنی میں چھانا جائے اور اسے نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو اس میں سے ہمارے پاس بہت ہی کم مواد باقی بچے گا۔ بعض محققین علماء نے جب تاریخ و احادیث پر نقد و تبصرہ کرنا چاہا تو انہوں نے کچھ قواعد و ضوابط مقرر کئے جن سے صحیح کو سقیم اور قوی کو ضعیف سے الگ کرنا کچھ آسان ہوا۔

دور ملوکیت میں تاریخ بڑی مظلوم رہی ہے اور بے چاری تمام مصائب سے دوچار رہی ہے۔ اور عصر حاضر جو کہ پریس اور میڈیا کا دور ہے' حقائق کی وضاحت کا دور ہے آج دور ملوکیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹ چکا ہے اور انسان ضیائے علم سے مستفید ہو چکا ہے آج حریت افکار کی خوشبو عام ہو چکی ہے۔ آج کا دور فکر و فہم کی آزادی کا دور ہے آج کا انسان اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق اپنے خیالات قلم بند کر سکتا ہے۔ آج انسانی قلم پر کسی سلطان

کج کلاہ کے پہرے نہیں ہیں۔ لیکن ہائے افسوس! اس بات کا کیا علاج کیا جائے کہ آج بھی بعض شپرہ چشم لوگوں کو ظلم و بربریت کی شب دیجور سے محبت ہے۔

علم و فکر کے اس دور میں بھی آپ ایسے لوگوں کو باآسانی دیکھ سکتے ہیں جو آج بھی ظلم و بربریت کی صفائی پیش کر رہے ہیں اور انہی دقیانوسی خیالات کی ترجمانی ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ یہ لوگ معاشرہ میں دور آمریت کی مسموم اور غلامانہ فکر کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کے وجود میں ان کے اسلاف کی غلام روحیں حلول کر چکی ہیں اور وہ بڈھی روحیں ان کے افکار میں سرایت کر چکی ہیں' جس کی وجہ سے یہ لوگ فکری جمود کا شکار ہوئے ہیں۔

بظاہر یہ لوگ بزعم خویش آزاد تحقیق کے حامی ہیں اور اپنے آپ کو دور ملوکیت کی زنجروں سے آزاد قرار دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دور حاضر کے یہ نام نہاد "روشن خیال" ماضی کے "کٹھ ملاؤں" سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ جس طرح سے یہ لوگ افکار کی دنیا میں زہر گھول رہے ہیں اس طرح سے تو ان کے اسلاف نے بھی زہر نہیں گھولا تھا۔ اور ہر دور کے منافق کی طرح فرقہ واریت کے اس زہر کو علم و فلسفہ کا نام دے رہے ہیں اور یہ لوگ اپنے منحوس خیالات کو تاریخی حقائق کے عنوان سے پھیلانے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔

آپ رافعی کو دیکھیں وہ اپنی کتاب "**تحت رایت القران**" میں شیعوں کو کافر قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ رافعی اور طٰہٰ حسین مذہب شیعہ کو ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور مصر یونیورسٹی کا پروفیسر احمد امین بھی ان دونوں کا پیروکار نظر آتا ہے۔ لیکن وہ ایک نئے انداز سے شیعوں کی مخالفت کرتا ہے۔ چنانچہ احمد امین اپنی کتاب فجرالاسلام کے ص ۳۳۰ میں "شیعہ اور فلسفہ جدید" کے عنوان سے لکھتا ہے: "حق یہ ہے کہ تشیع ہی تمام دشمنان اسلام کی پناہ گاہ رہی ہے وہ تمام لوگ جو کسی عداوت و کینہ کی وجہ سے اسلام کی عمارت گرانا چاہتے تھے' یا اپنے یہودی' زرتشتی' نصرانی اور ہندو باپ دادا کی تعلیمات کو اسلام میں داخل کرنا چاہتے تھے' یا وہ طالع آزما جو اپنی مملکت کے خلاف بغاوت کر کے چند علاقوں کو آزاد کرانا چاہتے تھے' ایسے تمام لوگوں کو شیعیت نے پناہ فراہم کی ہے۔

یہودی عقائد کی وجہ سے تشیع میں عقیدہ رجعت نے جگہ پائی ہے۔ اور یہودیوں کے

ایک اور عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا ہے **وقالو الن تمسنا النار الا ایا مامعدودۃ** یعنی وہ کہتے ہیں گنتی کے چند دنوں کے سوا ہمیں آگ نہیں چھوئے گی۔ اور یہودیوں کی طرح شیعوں کا بھی بعینہ یہی عقیدہ ہے کہ شیعوں کے لئے ابدی جنہم حرام ہے۔ نصاریٰ کی طرح شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام کی اللہ سے وہی نسبت ہے جو مسیح علیہ السلام کو حاصل ہے۔

علاوہ ازیں شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام کی ذات میں لاہوت کا ناسوت سے اتحاد ہے۔ اور شیعہ عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت کا عہدہ کبھی ختم نہیں ہو گا یعنی نبوت جاری ہے لہذا جس انسان کا لاہوت سے اتحاد ہو گا وہی نبی بن جائے گا۔

ہندو عقیدہ "آواگون" کی جھلک شیعہ عقائد میں "تناسخ ارواح" کے عنوان سے موجود ہے۔

علاوہ ازیں برہمنوں اور فلاسفہ اور مجوسی نظریات کے زیراثر مذہب شیعہ میں "تجسیم باری" اور حلول کے عقائد داخل ہوئے ہیں۔"

جب ہم شیعیت کے متعلق احمد امین اور اس جیسے لوگوں کے نظریات دیکھتے ہیں تو ہمیں قطعاً کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اسلاف کے جانشین ہیں۔ اور بہتان و افتراء ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اور ان کے اجسام میں ناجائز الزام تراشی، شیر مادر کی طرح گردش کر رہی ہے۔ اور یہ لوگ "**الولد سر لابیہ**" کے تحت بہتان بازی نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے؟ **یریدون ان یطفوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولوکرہ الکافرون**۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

جی ہاں! تہمتیں تراشنے والوں سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔ آپ امام الکاذبین شیخ نوح حنفی کو دیکھیں۔ وہ اپنی کتاب "الفتاوی الحامدیۃ" میں "ارتداد اور اس کی سزا" کے زیر عنوان لکھتا ہے۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شیعہ کافر، باغی اور فاجر ہیں۔ ان میں کفر و بغاوت اور اسلام دشمنی کی جملہ اصناف" اور فسق و زندیقی اور الحاد کی تمام اقسام موجود ہیں۔ لہذا جو

محض ان کے کفر و الحاد یا ان سے جنگ نہ کرنے یا انہیں واجب القتل سمجھنے میں توقف کرے تو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے۔" ۶۔

چنانچہ اس ظالم مفتی کے فتویٰ کی وجہ سے حلب میں اسی ہزار بے گناہ انسان قتل ہوئے۔ اہل پردہ کو قیدی بنا لیا گیا ان کے اموال کو لوٹا گیا۔ مقتولین کا جرم صرف یہی تھا کہ وہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے محبت رکھتے تھے۔ جی ہاں! وہ انہی ذوات قدسیہ سے محبت رکھتے تھے جن کی مودت کو قرآن مجید میں واجب قرار دیا گیا۔

شیعہ افراد روز ازل سے ہی نواصب کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے۔ لیکن آج تک شیعوں نے جان دینی منظور کی ہے' ایمان سے پھرنا قبول نہیں کیا سابقہ دور میں ہمارے خلاف کذب و افتراء کے اتنے زیادہ طومار باندھے گئے ہیں جن کے سامنے شیخ نوح حنفی' احمد امین اور ان جیسے لوگوں کی تحریروں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

شیعہ تاریخ کے کسی دور میں ان تحریروں سے غافل نہیں رہے لیکن وہ یہ سمجھتے رہے کہ مذکورہ تحریریں دور ملوکیت کے جبر و اکراہ کا نتیجہ ہیں اور ان نام نہاد "مفتیوں" نے اپنی جان بچانے کی غرض سے مذکورہ فتاویٰ جاری کئے تھے۔

لیکن ہمارا وہ حسن ظن چودھویں صدی میں آ کر ختم ہو چکا ہے کیونکہ علم و نور کے اس دور میں بھی ان گڑے مردوں کے نظریات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ جنہیں مرے ہوئے صدیاں بیت چکی ہیں۔ اس لئے میں کافی دنوں سے اس فکر میں تھا کہ عقائد شیعہ پر ایک کتاب لکھی جائے۔ جس میں شیعی عقائد کو وضاحت سے بیان کیا جائے تاکہ پڑھنے والوں پر اتمام حجت ہو سکے اور مذہب شیعہ کی حقانیت لوگوں پر واضح ہو سکے۔

میں مذہب شیعہ کے خلاف جتنے زیادہ بہتان سنتا گیا اتنا ہی میرے عزم میں پختگی آتی گئی اور اس کارخیر کے ادا کرنے کے لئے مصمم ارادہ کر لیا۔ میں نے اپنے لئے ضروری سمجھا کہ مجھے اس فرض سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ بحمداللہ میں شیعہ عقائد و افکار پر مبنی یہ کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اگرچہ اس کے لئے مجھے کچھ زحمات سے بھی دوچار ہونا پڑا ہے۔ میں نے اس کتاب میں پوری دیانت داری اور مکمل غیر جانب داری سے بحث کی ہے۔ اور اپنے لئے اس بات کا التزام کیا ہے کہ کسی بھی صورت میں راہ حق سے ہٹنے نہ پاؤں۔ اور شیعہ عقائد کے اثبات کے لئے میں نے کسی بھی شیعہ کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ کیونکہ

مذہب شیعہ اتنا مستند ہے کہ اس کے جملہ عقائد کی تائید اغیار کی ہزاروں معتبر کتابوں سے ہو سکتی ہے۔ اور یہ چیز ہر دور میں شیعیت کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے دینی و مذہبی جذبات سے بالاتر ہو کر کتاب ہذا کو تالیف کیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر میں اپنے قارئین کو عرب شیعہ نظر آؤں اور روح شیعیت اس کتاب میں پوری طرح سے جلوہ فگن نظر آئے' تو اسے قومی و مذہبی جذبات پر محمول نہ کریں۔ بلکہ اسے حق و صداقت کی اس سربلندی پر محمول کریں' جس کا اظہار میں اپنے محترم قارئین کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔

اور یقیناً حق لائق اتباع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے قارئین سے اس بات کو بھی مخفی نہیں رکھنا چاہتا کہ میری اس کتاب میں بہت سے ایسے حقائق موجود ہیں جو چند لوگوں کے لئے قابل برداشت نہیں ہیں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا سبب احمد امین اور اس قبیل کے لوگ ہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ محترم قارئین ان کے خیالات جاننے کے بعد مجھے بھی اس تلخ نوائی پر معذور سمجھیں گے۔

میں آخر میں احمد امین اور اس کے چیلوں پر یہ واضح کرنا پسند کروں گا کہ اگر انہوں نے اپنی سرکشی کی راہ ترک نہ کی تو مجبوراً ہمیں بھی دفاعی پہلو کی بجائے جارحانہ پہلو اختیار کرنا پڑے گا۔ اور پھر تمام تاریک گوشوں کو بے نقاب کیا جائے گا۔

یہ گذارش اس لئے کی ہے کیونکہ پہلے سے جتلا دینے والا بے گناہ ہوتا ہے اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور ہلاکت کے انجام بد سے ڈر جائے۔

المؤلف

النجف الاشرف' العراق

باب ۱

امت اسلامیہ کانفرنس

اختلاف کرنا عرب قوم کی عادت رہی ہے۔ اور یہ عادت بطور میراث نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔

ایک مسلسل زنجیر کی طرح آباء و اجداد تک اس کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اسلام سے پہلے پورا جزیرۂ عرب اسی اختلاف کی لپیٹ میں تھا اور اس کی طنابیں تمام گھاٹیوں اور پہاڑوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ تمام میدانوں اور پہاڑوں پر اس نے اپنے پروں کو پھیلایا ہوا تھا اور عرب کے ہر گھر پر اس کا راج تھا۔ روزمرہ کی زندگی میں اس کا مکمل عمل دخل تھا۔ اور اسی اختلاف نے امت عربیہ کے دلوں میں گھر کیا ہوا تھا۔ تمام وادیوں اور چوٹیوں پر اس کی حکمرانی تھی آخرکار رحمت الٰہی کو جوش آیا اور ان کی حالت بدلنے کے لئے اللہ کا نور "حرا" پر چمکا اور تمام اطراف میں پھیل گیا اور کائنات کو منور کرنا شروع کیا اور نور حق سے تاریکیوں کی گھٹا چھٹنے لگی اور ظلمت جہل کے پردے چاک ہونے لگے۔ بالآخر حق کی روشنی پھیلی اور باطل کا اندھیرا کافور ہوا۔ قبائل عرب میں عدل کی حکمرانی قائم ہوئی۔ قربانی و مساوات کی روح بیدار ہوئی اور ہر شخص نے امن و سلامتی کے پرچم تلے سکون کا سانس لیا۔ کائنات کے مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے امت اسلامیہ زندگی کے ایک جدید دور میں داخل ہوئی۔ جو اس سے قبل اسے نصیب نہ تھا۔

امت اسلامیہ ایسے بلند مقام پر فائز ہوئی جس پر باقی امتیں رشک کرتی تھیں آپؐ کی بدولت امت اسلامیہ اتفاق و ایثار کے اس عظیم مقام پر جا پہنچی۔ جہاں تک دیکھنے والوں کی نگاہ کی رسائی ممکن نہ تھی اور ان کی داستان اتحاد بیان کرنے سے زبانیں گنگ تھیں اور ان کا اتفاق اتنا حیران کن تھا کہ کاتب اسے پیرایہ کتابت میں ڈھالنے سے عاجز تھے اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات کا اتنا اثر تھا کہ کائنات کے خطیب اس کی اثر پذیری بیان کرنے سے درماندہ تھے۔

وفات نبویؐ کے بعد کی حالت

جیسے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بند ہوئیں اور آپؐ رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچے تو وہ روح اتحاد مضمحل ہو گئی اور فضا تاریک ہو گئی' فتنوں کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی۔ آراء کا اختلاف منظرعام پر آیا۔ خواہشات جدا جدا ہوئیں اور مدتوں کے دبے ہوئے کینے ایک بار پھر کھل کر سامنے آ گئے۔ **وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل افامن مات او قتل انقلبتم وعلی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین۔** (آل عمران : ۱۴۴)

ترجمہ : محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صرف رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی بہتیرے پیغمبر گذر چکے ہیں پھر کیا اگر محمدؐ اپنی موت سے مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو تم الٹے پاؤں اپنے کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا (بھی) تو (سمجھ لو کہ) وہ خدا کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا اور عنقریب خدا شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمانوں کو ایسی شخصیت کی ضرورت محسوس ہوئی جو آپؐ کی نیابت کر سکے اور مسلمانوں کے معاملات کو چلا سکے۔ احکام الٰہی بیان کرے اور مسلمانوں کو ایسی راہ پر چلا سکے جس سے ان کی دنیا و آخرت کی فلاح ممکن ہو۔ لیکن اس مسئلہ میں مسلمان مختلف آراء میں تقسیم ہو گئے اور کسی ایسی ہستی کے انتخاب میں جو رسولؐ خدا کا حقیقی وارث بننے کے قابل ہو اور جس سے مسند خلافت مزین ہو سکے' مسلمانوں کا اتفاق نہ ہو سکا اور امت اسلامیہ مجموعی طور پر تین مکاتب فکر میں بٹ کر رہ گئی۔

ا۔ بنی ہاشم کا نظریہ خلافت

بنی ہاشم اور اجلہ صحابہ جن میں حضرت سلمان فارسی' حضرت ابوذر' حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان سب کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے اور بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کا حق ہے کیونکہ حضرت علیؑ مسلم اول ہیں

اور آنحضورؐ کے سب سے زیادہ قریبی ہیں اور وہ زہد و علم و شجاعت میں ضرب المثل ہیں۔ علاوہ ازیں آپؑ ایسے خصائص و مناقب کے مالک ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسرے میں موجود نہیں ہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی یہ تخصیص ان کی اپنی خواہش کے تحت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور پیغمبر اسلام کی رضا کی وجہ سے ہے۔

اسی لئے یہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو امام مفترض الطاعت اور خلیفہ بلافصل سمجھتے تھے۔ آپؑ کی اتباع کو واجب اور آپؑ کی مخالفت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

۲۔ قریش کا نظریہ خلافت

خلافت قریش کا حق ہے اور خلیفہ کو قرشی النسل ہونا چاہئے خواہ وہ قریش کے کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس نظریہ کے پہلے بانی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ہیں انہوں نے اپنے نظریہ کی تائید کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بھی پیش کی "**الائمة من قریش**" امام قریش سے ہوں گے۔ اور بنیادی طور پر یہ نظریہ انصار کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکر کے پاس اپنے استحقاق خلافت کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں تھی۔ لے دے کے ان کے پاس صرف یہی دلیل تھی کہ ان کا تعلق قریش سے ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے انصار کے مجمع میں اعلان کیا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ہیں اور ازروئے نسب ہم تمام عرب میں ممتاز ہیں۔ کیونکہ قریش کی تمام قبائل عرب سے رشتہ داری ہے۔

انہوں نے اپنے خطبہ کو جاری رکھتے ہو کہا قریش ہی دنیا کا وہ واحد قبیلہ ہے جنہوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی۔ اور قریش ہی وہ پہلا قبیلہ ہے جس کے افراد آنحضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے قریش ہی آپؐ کے وارث اور آپؐ کی عترت ہیں۔ اور تمام لوگوں کی بہ نسبت قریش ہی منصب خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس منصب کے لئے کوئی ظالم ہی ان سے نزاع کر سکتا ہے۔

اس کارروائی کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں سے دریافت کیا کہ قریش نے کس دلیل سے انصار کو مغلوب کیا؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ انہوں نے شجرۂ رسولؐ سے

ہونے کی وجہ سے اپنے استحقاق پر استدلال کیا۔ تو حضرتؐ نے فرمایا "**احتجوا بالشجرة واضا عوالثمرة**" انہوں نے شجرہ ایک ہونے سے تو استدلال کیا لیکن اس کے پھلوں کو ضائع و برباد کر دیا۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر۶۵)

۳۔ انصار کا نظریہ خلافت

خلافت کسی گھر اور کسی خاندان سے مخصوص نہیں ہے۔ یہ انصار کی رائے تھی اور وہ خلافت کو اپنا حق جانتے تھے کیونکہ انہیں دین کی تائید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور سبقت اسلام کا شرف حاصل تھا۔

انصار کے بعد خوارج نے اسی نظریہ کو اپنایا اور انہوں نے کہا کہ خلافت ہر اس شخص کو مل سکتی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کا عالم ہو اور اس پر کاربند ہو اور اس کے لئے کسی خاندان کی شرط غیر ضروری ہے۔ انہوں نے اس عمومیت کے لئے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا "**ان اکر مکم عنداللّٰہ اتقاکم**" (الحجرات) اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خوارج کے بعد بحدیہ فرقہ نے اس میں مزید توسیع کرتے ہوئے کہا ہے کہ امت کو کسی امام کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہمیں چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انصار و نجدیہ کے نظریہ خلافت کو امت اسلامیہ میں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ خلافت قریش سے مخصوص ہے البتہ اس میں اختلاف تخصیص و تعمیم کا ہے۔

خلافت کے متعلق امت اسلامیہ میں یہ تین نظریات قائم ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد یہی عنوان لوگوں کی گفتگو کا موضوع بنا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد انصار نے حصول خلافت کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنا اجلاس شروع کر دیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو ان کے اس اجلاس کا علم ہوا تو وہ بھی آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر وہاں چلے گئے۔

حضرت عمر نے تقریر کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر نے انہیں روک دیا۔ اس کے بعد انہوں نے خود تقریر کی اور اپنی اس تقریر میں قریش کی فضیلت اور ان کا استحقاق خلافت بیان کیا۔

آ سکتی تھی۔ اندریں حالات حضرت امیر علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کو خلافت پر ترجیح دیں۔

؎ امامیکہ روز وفات پیمبر
خلافت گذار و بماتم نشیند

بوعلی قلندرؒ

یہ علی علیہ السلام کا عظیم کردار تھا۔ اور دوسری طرف سے لوگوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلیم کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کو چھوڑ کر حصول خلافت میں لگے رہے۔

چوں صحابہ حب دنیا د اشتند
مصطفیٰ را بے کفن بگذ اشتند

رومی

اوس و خزرج کی باہمی رقابت

انصار مدینہ کی باہمی رقابتیں بھی حضرت ابوبکر کی کامیابی کا موجب ثابت ہوئیں انصار کے یہ دونوں قبیلے مدت دراز سے ایک دوسرے سے حسد و بغض رکھتے تھے اور کئی مرتبہ ان میں خون ریز لڑائیاں بھی ہو چکی تھیں۔ اور ان دونوں میں سے کوئی بھی قبیلہ دوسرے کی برتری برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسی وجہ سے قبیلہ اوس نے جلدی سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تاکہ ان کے حریف قبیلہ خزرج کا سردار سعدؓ خلیفہ نہ بن سکے۔ اور اس دن بنی اوس کے افراد ایک دوسرے کو یہ کہتے نظر آئے کہ اگر آج حکومت خزرج کے ہاتھ میں چلی گئی تو تمہیں اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور یہ خلافت ان کی فضیلت کا سبب بن جائے گی۔

انہی دو اسباب کی بناء پر حضرت ابوبکر خلیفہ بننے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ ان کا تعلق ایک چھوٹے سے قبیلے بنی تیم سے تھا۔ منصب خلافت پر فائز ہو کر پورے عرب کو اپنے عصا سے ہانکنے کے قابل ہو گئے۔ کسی زمانہ میں مصری شاعر شوقی بک نے حضرت ابوبکر کی منقبت میں ایک نظم لکھی تھی اور اس نظم کا ایک مصرع یہ بھی تھا۔

سبحان من یلنعم کیف شا
ساس الوری من کان یرعی الشا

اللہ بڑی عظمت والا ہے جسے نوازنا چاہے نواز سکتا ہے۔ اس نے بکریاں چرانے والے کو دنیا کا حاکم بنا دیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی یہ کارروائی امت اسلامیہ کے اختلاف کا موجب بنی اور امت اسلامیہ کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ آج ہر فرقہ دوسرے کو فاسق ٹھہرا رہا ہے اور ایک دوسرے کی سرعام تکفیر کی جا رہی ہے۔

؎ اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔

بعد ازاں قریش اور انصار میں طویل گفتگو شروع ہوئی جس میں ہر فریق نے دل کھول کر اپنے اپنے فضائل بیان کئے۔ اس اجتماع میں قبیلہ اوس کا سردار بشیر بن سعید موجود تھا اور اس نے محسوس کیا اگر خلافت سعدؓ کے ہاتھوں میں چلی گئی تو یہ ان کی قوم خزرج کے لئے فخر و مباہات کا موجب ہو گی۔ کیونکہ حضرت سعدؓ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا اسی لئے اوسی سردار نے خزرجی خلافت پر قریش کو ترجیح دیتے ہوئے کہا۔ اے گروہ انصار! اگرچہ دین میں ہماری خدمات ہیں۔ لیکن ہمارے اسلام اور جہاد کا مقصد رضائے ربانی کا حصول تھا اور اپنے نبی کی فرمان برداری ہمارا نصب العین تھی۔ لہٰذا ہمیں اپنے جہاد اور اسلام کو لوگوں پر حکمرانی کا وسیلہ نہیں بنانا چاہئے اور ہمیں اس کا کوئی دنیاوی بدلہ طلب نہیں کرنا چاہئے۔

دوستو! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق قریش سے تھا اور ان کی قوم ہی ان کی میراث کی ہم سے زیادہ حقدار ہے۔

خدا کی قسم! میں امر خلافت میں قریش سے جھگڑا نہیں کروں گا لہٰذا تم بھی اللہ سے ڈرو اور ان سے جھگڑا نہ کرو اور ان کی مخالفت سے پرہیز کرو۔ بشیر بن سعید اوسی کی اس تقریر کے بعد حضرت ابوبکر نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا یہ لو یہ عمر اور ابوعبیدہ موجود ہیں ان میں سے تم جسے پسند کرو اس کی بیعت کر لو۔ اور اس موقع پر حضرت ابوبکر بخوبی جانتے تھے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس وقت خلافت پر آمادہ نہیں ہو گا۔

چنانچہ حسب توقع ان دونوں نے اس موقع پر بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عمر نے بڑی جلدی سے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ حضرت عمر کو پوری امید تھی کہ حضرت ابوبکر بھی اس جذبہ کی قدر کریں گے اور انہیں اپنا جانشین نامزد کریں گے۔۷۔

اس ملی بھگت کی تائید حضرت علی علیہ السلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے "**احلب یا عمر حلبا لک شطرہ' اشد دلہ الیوم امرہ لیردہ علیک غدا** عمر اس ناقہ خلافت کا دودھ اچھی طرح سے دوہ لو کیونکہ اس میں تمہارا بھی حصہ ہے آج تم اس کے ہاتھ مضبوط کرو تاکہ کل وہ یہی منصب تمہارے حوالے کر دے۔

قریش کی کامیابی کے اسباب

سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کو دو اسباب کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہنا' اور ان کا سقیفہ میں نہ جانا۔

اس حقیقت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بہت سے انصار حضرت ابوبکر کی بیعت کر کے پچھتاتے تھے اور ایک دوسرے کو ملامت کیا کرتے تھے۔ جناب علی علیہ السلام کو امیرالمومنینؑ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ عمومی طور پر مہاجرین و انصار کی ایک بڑی جماعت حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی قائل تھی۔ جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں تحریر کرتے ہیں: کہ زید بن ارقم اور عبدالرحمان بن عوف کا کسی بات پر جھگڑا ہوا تو زید نے کہا اگر سقیفہ میں حضرت علیؑ کا نام لیا جاتا تو ان پر کسی کا بھی اختلاف نہ ہوتا۔ اور تمام فریق ان کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیتے۔

اس گفتگو سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں جناب امیرؑ کی عظمت موجود تھی اور ان کی سقیفہ میں عدم موجودگی ہی حضرت ابوبکر کی کامیابی کی بنیادی وجہ تھی۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے انصار مدینہ کو امیرالمومنینؑ کی خلافت تسلیم کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے عرض کیا کہ: "اگر آپ کے شوہر ہمارے پاس پہلے آ جاتے تو ہم کبھی بھی ان سے روگردانی نہ کرتے۔"

اس کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں آنحضورؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر خلافت کے جھگڑوں میں پڑ جاتا؟ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت حضرت علیؑ کے سامنے دو چیزیں تھیں۔ ۱۔ رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین۔ ۲۔ خلافت کا حصول۔ حضرت علیؑ ان دونوں امور کو بیک وقت سرانجام نہیں دے سکتے تھے۔ واضح سی بات ہے اگر تجہیز و تکفین میں مصروف رہتے ہیں تو خلافت سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے اور اگر خلافت کی جستجو کرتے ہیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین عمل میں نہ

باب ۲

امت اسلامیہ کے بنیادی فرقے

امت اسلامیہ بنیادی طور پر چار فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔

۱۔ شیعہ ۲۔ خوارج ۳۔ مرجیۂ ۴۔ معتزلہ

باقی تمام فرقے ان کی شاخیں ہیں اور کسی نہ کسی طرح سے ان کا الحاق انہی فرقوں میں سے کسی کے ساتھ ہوتا ہے۔

ان اسلامی فرقوں کے متعلق ہم ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کو ان کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو سکے اور جب انسان ان بنیادی فرقوں کو سمجھ لے تو ان کی شاخوں کو سمجھنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔

۱۔ شیعہ :

اس فرقہ کے متعلق آپ آئندہ صفحات میں بہت کچھ پڑھیں گے۔ لہٰذا یہاں ان کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ خوارج :

حضرت امیرالمومنینؑ کے خلاف خروج کی وجہ سے انہیں خوارج کہا جاتا ہے اور واقعہ حرور کی نسبت سے انہیں "حروریہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کا شمار دین اسلام سے خارج ہونے والے فرقوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے امام زمانہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق تفصیل سے پیش گوئیاں فرمائی تھیں اور ارشاد فرمایا تھا کہ یہ لوگ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ **والتسلیم** نے امت اسلامیہ کو خبردار کیا تاکہ لوگ

ان کی کثریت عبادت و تسبیح اور قرات قرآن مجید کے دھوکے میں نہ آئیں اور آپؐ نے تفصیلی طور پر ان کا حال اپنی امت سے بیان فرمایا تاکہ ان کا معاملہ کسی پر مشتبہ نہ رہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے یمن سے کچھ سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اور آپؐ نے وہ سونا چار افراد میں تقسیم کر دیا۔

اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا جس کی داڑھی گھنی تھی، رخسار ابھرے ہوئے تھے، آنکھیں دھنسی ہوئیں اور پیشانی باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ اور آپؐ سے کہا: محمدؐ! اللہ سے ڈرو یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں بھی اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا۔ افسوس ہے اللہ تو مجھے زمین والوں پر امین سمجھتا ہے۔ جب کہ تم امین نہیں سمجھتے۔

پھر وہ شخص چلا گیا اس وقت ایک شخص نے حضورؐ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت مانگی اور بعض راویوں کے مطابق یہ اجازت خالد بن ولید نے طلب کی تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی نسل سے ایک قوم ہو گی جو بکثرت قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اہل اسلام کو تو قتل کریں گے لیکن بت پرسوں کو کچھ نہیں کہیں گے اور دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے اور اگر یہ فرقہ میری زندگی میں نمودار ہوا تو میں انہیں ایسے قتل کروں گا جیسے خدا نے قوم عاد کو قتل کیا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ چہرے والا شخص ہو گا۔ اس کا ایک بازو عورت کے پستان کی مانند ہو گا اور اس سے دودھ برآمد ہوتا ہو گا۔ امت میں اختلاف کے وقت وہ گروہ خروج کرے گا۔ ابو سعید نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنی ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں جب حضرت علی علیہ السلام نے خوارج سے جنگ کی تو میں ان کے ساتھ تھا، حضرت علیؑ نے مذکورہ صفات والے شخص کی تلاش کا حکم دیا۔ اس شخص کی لاش برآمد ہوئی تو جو نشانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کی تھی۔ اس میں وہ نشانی موجود تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی قوم کا ذکر کیا جو مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت خروج کریں گے اور ان کی علامت سر منڈانا ہو گی اور وہ بدترین مخلوق ہوں گے یا بدترین لوگوں میں سے ہوں گے اور ان کو وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہو گا۔

ابوسعید نے دین سے ان کے خروج کا ذکر کرنے کے بعد کہا اے اہل عراق! تم نے انہیں قتل کیا ہے۔ صحیح مسلم میں اس مضمون کی بہت سی روایات موجود ہیں۔ جسے تفصیل کی ضرورت ہو وہاں سے رجوع کرے۔

خوارج کی پیدائش

ابتداء میں یہ لوگ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مددگار تھے اور آپؑ کو امام مفترض الطاعت سمجھتے تھے۔ لیکن صفین کے واقعہ تحکیم کے بعد یہ راہ حق سے منحرف ہو گئے۔ جنگ صفین میں جب لڑائی کا فیصلہ امیر علیہ السلام کے حق میں ہونے ہی والا تھا اور لشکر شام میں شکست کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ تو اس وقت عمرو بن عاص نے یقینی شکست سے بچنے کے لئے ایک تدبیر کی۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کیا جائے اور اہل عراق سے کہا جائے کہ لڑائی بند کریں اور اس جھگڑے کو قرآن مجید کے مطابق نمٹائیں۔

عمرو بن عاص اپنے مکار ذہن سے یہ جانتا تھا کہ اگر اس تدبیر سے فتح نہ بھی ملی تو کم از کم حضرت علیؑ کے لشکر میں تفرقہ ضرور پڑ جائے گا۔

چنانچہ اہل شام نے قرآن مجید کو نیزوں پہ بلند کر کے دہائی دینی شروع کی۔ لوگو! اگر آج اہل شام مارے گئے تو شام کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور آج اہل عراق ختم ہو گئے تو عراقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟

جب اہل عراق نے قرآن مجید کو بلند ہوتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے ہم حکم قرآن کو تسلیم کریں گے۔ امیر المومنین علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ شامیوں کی مکاری ہے۔ اسی لئے آپؑ نے اپنے لشکر سے فرمایا بندگان خدا! تم حق و صداقت پر ہو اور اس حق و صداقت کی حفاظت اور سربلندی کے لئے جنگ جاری رکھو۔ کیونکہ معاویہ، عمرو بن عاص، ابن معیط، حبیب بن سلمہ، ابن سرح اور ضحاک بن قیس نہ تو دین دار ہیں اور نہ ہی ان کا قرآن مجید

سے کسی قسم کا کوئی واسطہ ہے۔ میں تمہاری بہ نسبت ان لوگوں کو بخوبی جانتا ہوں۔ میں بچپنے میں ان کے ساتھ رہا اور میں نے انہیں جوانی میں دیکھا یہ لوگ بچپنے میں بدترین بچے اور جوانی میں بدترین مرد تھے۔ انہوں نے قرآن کو اٹھایا تو ہے لیکن یہ قرآن کے شناسا نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف عیاری اور چالاکی کے لئے قرآن مجید بلند کیا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید کے مقدس نام سے تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی چالبازی ہے۔ لہٰذا ان کے فریب میں مت آؤ۔ لیکن اہل کوفہ نے امیر علیہ السلام کے فرمان پر کان نہ دھرے اور آپؑ کی قیمتی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے آپؑ سے کہنے لگے: "وہ ہمیں قرآن کی دعوت دے رہے ہیں ہم ہر صورت اسے قبول کریں گے۔" بالآخر نوبت بہ اینجا رسید اہل کوفہ کے ایک گروہ نے امیر علیہ السلام کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور کہنے لگے: "تم کتاب اللہ کی دعوت کو فورا قبول کرو۔ ورنہ ہم تمہیں گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کر دیں گے۔ یا تم سے وہی سلوک کریں گے جو ہم نے ابن عفان کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اللہ کی کتاب پر عمل کرنا ہمارا فرض ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اس دعوت کو قبول کرو ورنہ ہم آپؑ سے جنگ کریں گے۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان کے پاس تحکیم قبول کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے ورنہ ان سے بعید نہیں کہ یہ لوگ آپؑ کو شہید کر ڈالیں یا گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ آپؑ کو حق پر ہونے کے باوجود بھی ان کا ناجائز مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ اس تحکیم کا بہت برا نتیجہ برآمد ہوا۔ ابو موسیٰ اشعری نے جسے حضرت علیؑ پہلے ہی حکم بنانے پر آمادہ نہ تھے، آپؑ سے غداری کی اور یوں حکمین کسی صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ پھر خوارج نے تحکیم سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کسی کو حکم بنانا ہی سراسر کفر ہے۔ صفین میں ہم نے تحکیم کو قبول کر کے کفر اختیار کیا تھا اور اب ہم اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ اور ہماری طرح علیؑ نے بھی اس جرم کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا وہ بھی (نعوذ باللہ) کافر ہو چکے ہیں۔ انسانوں کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور انہوں نے **ان الحکم الا للہ** کا نعرہ بلند کیا۔

جب حضرت علیؑ نے یہ آواز سنی تو فرمایا حق بات کا غلط مفہوم لیا گیا ہے۔

خوارج نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ آپؑ نے انسانی جانوں کے متعلق لوگوں کو فیصلہ کرنے کا حق کیوں کر دیا؟

تو آپؑ نے فرمایا **انا لم نحکم الرجال و انما حکمنا القران وھذا القران انما ھو خط مستور بین الدفتین لاینطق بلسان ولا بدلہ من ترجمان وانما ینطبق عنہ الرجال۔** یعنی ہم نے آدمیوں کو نہیں بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا تھا' چونکہ یہ قرآن دو دفتیوں کے درمیان لکھی ہوئی کتاب ہے کہ جو زبان سے بولا نہیں کرتی اس لئے ضرورت تھی کہ اس کے لئے کوئی ترجمان ہو اور وہ آدمی ہی ہوتے ہیں جو اس کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔ پھر خوارج نے کہا آپؑ نے تحکیم کے لئے اپنے اور ان کے درمیان مہلت کیوں رکھی؟ تو آپؑ نے فرمایا **فانما فعلت ذلک لیتبین الجاھل ویتثبت العالم ولعل اللہ ان یصلح فی ھذہ الھدلہ امر ھذہ الامتہ۔**

میں نے مہلت اس لئے رکھی کہ اس عرصہ میں نہ جاننے والا تحقیق کرے اور جاننے والا اپنے مسلک پر جم جائے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس صلح کی وجہ سے اس امت کے حالات درست کر دے۔ اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قرآن مجید کی تفسیر کے لئے آدمیوں کو حکم بنانے کا آخر فائدہ ہی کیا ہے جب کہ ہر شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنے اپنے مقصد کے تحت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کسی فریق کا واضح نام تو موجود نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے فریق ثانی کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جا سکے؟ تو اس سوال کے جواب میں ہماری گذارش ہے کہ معاملہ اتنا بے نام و نشان نہیں تھا حکمین کے لئے یہ شرط مقرر کی گئی تھی کہ وہ قرآن مجید کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اب اگر فریقین اس موقع پر قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے تو انہیں قرآن مجید میں **یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ۔** کی آیت دکھائی دیتی حکمین کو **فقل تعالواندع ابناء نا و ابناء کم ونساء نا ونساء کم و انفسنا و انفسکم الخ** کی آیت مباہلہ نظر آ سکتی تھی۔

فیصلہ کرنے والوں کو قرآن مجید میں آیت مودت' آیت تطہیر اور سورہ دہر کی آیات نظر آنا ممکن تھیں اور ان آیات کے ذریعے سے حق تک پہنچنا دشوار نہ تھا۔ قرآن مجید کی یہ آیات ملاحظہ کرنے سے انہیں یقین ہو سکتا تھا کہ علی علیہ السلام ہی بلاشبہ امیر المومنینؑ اور نائب سید المرسلینؐ ہیں۔

نفس رسولؐ کی موجودگی میں کسی کو حکومت و خلافت کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ منصب جلیل کجا اور جگر خوردہ ماں کا بیٹا معاویہ کجا؟ **این التراب ورب الارباب۔** خاک کجا

رب الارباب کجا؟

فاین الثریا و این الثری

و این معاویة این علی

خاک کہاں اور ثریا ستارہ کہاں، معاویہ کہاں اور علی کہاں؟

خوارج حضرت علی علیہ السلام کی تکفیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی تحکیم پر راضی ہوئے تھے جبکہ فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔

حالانکہ اتنی سادہ سی بات ان کوڑھ مغزوں کی سمجھ میں نہیں آئی کہ حضرت علی علیہ السلام نے حکمین کو بذات خود یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اپنی جانب سے فیصلہ کریں کہ علیؑ امام ہیں یا معاویہ امام ہے۔

جناب علی علیہ السلام نے حکمین کو پابند کیا کہ وہ قرآن مجید کو حکم بنائیں اور دیکھیں کہ آیات قرآنی کے تحت اوصاف خلافت کس میں پائے جاتے ہیں۔ اور جس میں مذکورہ صفات موجود ہوں، اس کا واضح اعلان کر دیں۔

جناب علیؑ کا صاف سیدھا سا موقف تھا کہ قرآن مجید ایک خاموش کتاب ہے اور اس کی ترجمانی کے لئے انسانوں کی ضرورت ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہم ایک مثال پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ افراد ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر قاضی کے پاس لاتے ہیں۔ ان افراد کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ قاضی کے سامنے "قطع ید" کی بحث ہو گی۔

کیونکہ قطع ید کا قرآنی فیصلہ پہلے سے موجود ہے۔ البتہ قاضی کو یہ تحقیق کرنی لازمی ہے کہ آیا ملزم فی الواقع چور ہے بھی یا نہیں۔ اس کے لئے قاضی کو موازین شرعی کے اندر رہتے ہوئے "بینہ" اور "یمین" کے ذریعے سے فیصلہ کرنا ہو گا کہ مذکورہ شخص بے گناہ ہے یا مجرم ہے۔ سزا کی تعیین قاضی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ سارق کی سزا تو پہلے سے ہی مقرر شدہ ہے۔ بعینہ اسی طرح سے حضرت علیؑ کا حق خلافت قرآن مجید میں پہلے سے موجود تھا حکمین کی صرف یہی ذمہ داری تھی کہ وہ آیات کو مدنظر رکھ کر حضرت علیؑ کے حق خلافت کا اعلان کر دیتے۔

خوارج نے مسئلہ تحکیم کے تحت حضرت علی علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا کہ: حکمین کا

تقرر اپنی امامت میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ اور شک کرنے والے کو امامت کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور پھر مشکوک امامت کے تحفظ کے لئے کسی سے جنگ کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے۔ یہ مغالطہ بھی پہلے کی طرح باطل ہے۔ اسے دلیل نہیں بلکہ وسوسہ ابلیسی قرار دینا چاہئے۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کسی شریف انسان کی جاگیر پر ناجائز قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اصل مالک اپنی جاگیر کے تحفظ کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تاکہ غاصب شخص کے شر سے اسے تحفظ حاصل ہو۔ مذکورہ شخص کا عدالت میں جانا کسی شک کی وجہ سے نہیں ہوتا وہ عدالت کے ذریعہ سے اپنے حق کا دفاع کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح سے حضرت علیؑ کا تحکیم پہ راضی ہونا اس وجہ سے نہیں تھا کہ انہیں اپنی امامت میں شک تھا بلکہ وہ اس ذریعہ سے غاصب معاویہ کے شر کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ جواز تحکیم کے لئے ہمیں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تنازعہ کی صورت میں فیصل مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے "**وان خفتم شقاق بینهما فابعتو احکمامن اهله رحکما من اهلها**۔ اگر تمہیں زوجین میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے خاندان کا اور ایک حکم عورت کے خاندان کا مقرر کرو۔ حالت احرام میں شکار کرنے والے شخص کے متعلق فرمان خداوندی ہے۔ **یحکم به ذوا عدل منکم الخ** اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل انسان کریں گے۔

الحاصل۔ مذہب خوارج کی بنیاد انتہائی فاسد اور باطل مقدمات پر رکھی گئی ہے اس کی اساس ایسے واضح البطلان دلائل پر ہے جسے کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا شخص تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ مرجئہ

مرجئہ کا لفظ "ارجا" فعل سے مشتق ہے۔ جس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں۔

وجہ تسمیہ : اس فرقہ کی وجہ تسمیہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اس فرقہ کی وجہ تسمیہ یہ قرار دیتے ہیں چونکہ ان لوگوں نے اصحاب علیؑ واصحاب معاویہ کے معاملہ میں مکمل سکوت اختیار کیا اور اسے اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ اسی فیصلہ کی تاخیر کی وجہ سے انہیں مرجئہ کہا جاتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک لفظ مرجئہ "ارجاء" مصدر سے مشتق ہے اور اس کے معنی پرامید رکھنے کے ہیں۔ لہٰذا ان کو مرجئہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ ایمان کی موجودگی میں کسی قسم کی معصیت ضرر رساں نہیں ہے۔ جیسا کہ کفر کی موجودگی میں کوئی اطاعت قابل قبول نہیں ہے۔

ان دو اقوال کے علاوہ بھی ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق اور بھی احتمالات بیان کئے گئے ہیں لیکن ان میں سے پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

یہ گروہ ایمان کے متعلق انتہائی افراط کا شکار ہے اور ان کا نظریہ ہے کہ مسلمان بہر قیمت جنت میں جائیں گے اگرچہ وہ کتنے ہی بدکار کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ جنت کا دار و مدار عقیدہ پر ہے اور حصول جنت کے لئے عمل و اطاعت غیر ضروری چیز ہے۔

اس فرقہ کے اعتقاد کے مطابق ایمان کے لئے زبانی اقرار کی چنداں ضرورت نہیں ہے اگر کسی شخص نے دل میں اسلام کو قبول کر لیا تو وہ مسلمان ہے۔ خواہ اس نے کلمہ طیبہ بھی نہ پڑھا ہو اور خواہ وہ شخص پوری زندگی بت پرستی کرتا رہے یا یہودی و نصرانی رہے' صلیب کی عبادت کرتا رہے اور دار اسلام میں تثلیث کا اقرار کرتا رہے با ایں ہمہ وہ شخص اللہ کے نزدیک مومن ہے' وہ شخص اللہ کا ولی اور اہل جنت میں سے ہے۔

۴۔ معتزلہ

معتزلہ کا لفظ "اعتزال" مصدر سے مشتق ہے۔ اور اعتزال دوری اختیار کرنے کو کہا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ : اس فرقہ کی ایک وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے چونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں رہتا اور کافر بھی نہیں بنتا یہ لوگ گناہ گار کو مومن اور کافر دونوں سے جدا سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ان کو معتزلہ کہا جاتا ہے۔ بعض علماء وجہ تسمیہ کے متعلق ایک داستان بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسن بصری کی مجلس میں واصل بن عطاء اور اس کے ہم نظریہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ مجلس میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کی بحث ہوئی۔

حسن بصری نے کہا ایسا شخص اپنے عقیدہ کی وجہ سے مومن ہے اور کردار کی وجہ سے فاسق ہے۔ یہ سن کر واصل بن عطاء نے کہا ایسا شخص بصری کے کہنے کی وجہ سے مومن

نہیں بنے گا اور خوارج کے کہنے سے کافر نہیں بنے گا۔ ایسا شخص ایمان و کفر کی درمیانی منزل پر ہے۔

واصل کی گفتگو سن کر حسن بصری کو غصہ آیا اور واصل سے کہا **اعتزل عن مجلسنا**۔ ہماری مجلس سے دور ہو جاؤ۔ چنانچہ اس دن کے بعد سے ان لوگوں کو معتزلہ کہا جانے لگا معتزلہ کو اہل عدل و توحید بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اشاعرہ کے اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ اللہ نے بندوں کو گناہوں پر مجبور کیا اور بعدازاں انہیں اس کی سزا دے گا۔ معتزلہ صفات زائد برذات کی بھی نفی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ صفات زائدہ کو تسلیم کرنے سے "**تعدد قدماء**" لازم آتا ہے۔ اور اس سے عقیدہ توحید کی نفی ہوتی ہے۔ صفات باری کے متعلق شیعہ عقیدہ بھی معتزلی عقیدہ کی تائید کرتا ہے۔ دونوں فرقے صفات کو عین ذات تسلیم کرتے ہیں' زائد برذات تسلیم نہیں کرتے۔ گروہ اشاعرہ' فرقہ معتزلہ کا ازلی حریف رہا ہے۔ معتزلہ کو بدنام کرنے کے لئے انہیں "قدریہ" کہتے تھے۔ اور قدریہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ اکرم کی ایک حدیث کو معتزلہ پر چسپاں کیا جائے اور وہ حدیث یہ ہے **القدریته مجوس هذه الامته**" قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں۔

ہمارے نزدیک حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس حدیث کی صحت ثابت ہو بھی جائے تو بھی یہ حدیث معتزلہ پر نہیں بلکہ اشاعرہ پر منطبق ہوتی ہے۔ کیونکہ "**والقدر خیره وشره من الله**" کا عقیدہ اشاعرہ کا ہے' معتزلہ کا نہیں ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے اشاعرہ کو قدریہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مگر یہاں زنگی کو کافور کہنے کی عادت اتنی راسخ ہو چکی تھی کہ جو فی الواقع قدریہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس لقب سے کوسوں دور رکھا اور یہ لقب معتزلہ کے سر منڈھ دیا گیا۔ اور پھر اسے اس قدر شہرت دی گئی کہ یہ لقب ان کا خاصہ نظر آنے لگا۔

اس کے علاوہ شیعہ اور معتزلہ حسن و قبح کا معیار شریعت کی بجائے عقل کو قرار دیتے ہیں۔ دونوں گروہوں کا خیال ہے کہ "حسن" چیز پہلے سے ہی حسن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اپنانے کا حکم دیا۔ اور "قبیح" پہلے سے ہی قبیح تھی اور حضور اکرمؐ نے اس سے منع فرمایا۔ یعنی حسن و قبح کا تعین عقل کرتی ہے شریعت نہیں کرتی۔ اور اس کے برعکس اشاعرہ کا یہ عقیدہ ہے کہ "حسن و قبح" عقلی نہیں شرعی ہیں۔ مثلاً شارع

علیہ السلام اگر کسی چیز کا امر کر دیں تو وہ حسن ہے۔ خواہ وہ عندالعقل کتنی ہی "قبیح" کیوں نہ ہو۔

شیعہ اور معتزلہ بہت سے مسائل میں ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ اسی وجہ سے بعض نام نہاد "محققین" کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے شیعہ اور معتزلہ کو آپس میں مخلوط کر دیا ہے۔

اور احمد امین بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہوا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی کتاب فجرالاسلام میں علامہ ابن ابی الحدید کو شیعہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ معتدل شیعہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد امین کی نگاہ میں حضرت علیؑ سے محبت رکھنے والا ہر شخص شیعہ ہی ہے۔ تو گویا اس کی نگاہ میں سنی صرف وہی ہے جو ناصبی ہو اور حضرت علیؑ کے جملہ فضائل کا منکر اور ان کا شدید مخالف ہو۔ اور جو شخص حضرت علیؑ سے تھوڑی سی بھی الفت رکھتا ہو ایسا شخص احمد امین کے نزدیک سنی کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

شیعہ اور معتزلہ میں جہاں چند باتوں پر اتفاق ہے' وہاں بہت سے مسائل میں اختلاف بھی ہے۔ شیعہ نص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت حضرت علی علیہ السلام کو خلیفتہ الرسول مانتے ہیں اور معتزلہ نص کے منکر ہیں۔

شیعہ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہیں' جبکہ معتزلہ قائل ہیں اور حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ مانتے ہیں۔

شیعہ بارہ اماموںؑ کی امامت کے قائل ہیں' جبکہ معتزلہ کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل میں ان کا اختلاف موجود ہے۔

ہم نے امت اسلامیہ کے مشہور فرقوں کے اختلافات اپنے قارئین کی خدمت میں اس لئے پیش کئے ہیں تاکہ انہیں اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے امت کس قدر انتشار کا شکا رہوئی۔ اور ان تمام تر اختلافات کی بنیاد سقیفائی خلافت ہے۔ انہی خلافتوں کی وجہ سے روح افتراق کو تقویت ملی۔ اور آہستہ آہستہ یہی اختلافات امت اسلامیہ کے دلوں میں نفرت اور دشمنی کا سبب گئے۔

باب ۳

مذاہب اسلامیہ کا ایک محققانہ تجزیہ

کائنات کے مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔ **افترقت امة موسی بعد نبیها علی احدی وسبعین فرقة واحدة منها ناجیة والباقون فی النار و افترقت امته عیسی بعد نبیها علی اثنین وسبعین فرقة واحدة منها ناجیة والباقون فی النار وستفترق امتی من بعدی علی ثلاث وسبعین فرقة واحدة منها ناجیة والباقون فی النار۔** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت کے اکہتر گروہ ہوئے جن میں سے ایک ناجی تھا اور باقی دوزخی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت کے بہتر گروہ ہوئے جن میں سے ایک ناجی تھا اور باقی دوزخی تھے۔ میرے بعد میری امت کے تہتر گروہ ہوں گے ان میں سے ایک ناجی ہو گا اور باقی دوزخی ہوں گے۔ یہ حدیث انتہائی مشہور اور مستند ہے۔ اس حدیث کو جملہ مذاہب کے علماء نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

البتہ ہر فرقے نے اس حدیث کے تحت اپنے آپ کو ناجی کہا اور اپنے علاوہ باقی تمام فرقوں کو دوزخی کہا۔ اس حدیث شریف کے بعد ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ناجی فرقہ کی تلاش و جستجو کریں اور اس کے لئے ہمیں مذاہب اسلامیہ کا مختصر جائزہ لینا چاہئے۔ اگر ہمیں کسی مقام پر حق نظر آئے تو اسے کھلے دل سے قبول کرنا چاہئے۔

ہماری یہ تمام تر محنت اس وقت سوا گت ہو گی جب ہمیں حق مل جائے اور ہم حق کی اتباع کریں اس وقت ہم حق کے متلاشی ہیں اور حق کی تلاش سے کوئی چیز ہمیں باز نہیں رکھ سکتی۔ ناجی فرقہ کی تلاش کے لئے جب ہم احادیث نبویہؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں ناجی فرقے کی

نشاندہی کی ہے۔ اور آپؐ کی اس حدیث کو فریقین نے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے حامام احمد بن حنبل لکھتے ہیں **عن ابی ذر قال وھو اخذ بباب الکعبۃ سمعت النبی یقول الا ان مثل اھل بیتی قیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن نخلف عنھا ھلک** ۸۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر کہہ رہے تھے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا خبردار میری اہل بیتؑ کی مثال تمہارے اندر کشتی نوح کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا وہ ہلاک ہوا۔

اس حدیث شریف میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت طاہرینؑ سے تمسک رکھنے اور ان کی رسی کو تھامنے والے فرقہ کو ناجی قرار دیا ہے۔ اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اس کشتی کے سوار اور اہل بیتؑ کے دامن سے تمسک رکھنے والے صرف شیعہ ہی ہیں۔ کیونکہ شیعوں نے اہل بیتؑ طاہرین کے ہر قول و فعل کی اتباع کی ہے اور شیعوں نے اپنے عقائد و اصول، فروع، اخلاق، تفسیر اور دین و دنیا کی تمام رہنمائی اہل بیت طاہرینؑ سے حاصل کی ہے۔

اور شیعہ ہی اہل بیتؑ کے دوستوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی اتباع کی وجہ سے انہیں "شیعہ اہل بیت" کہا جاتا ہے۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ایک عجیب مضحکہ خیز موقف اختیار کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ: ہم سنی ہی اہل بیتؑ کے پیروکار ہیں، ہم ہی اہل بیتؑ کے شیعہ ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے لوگ اہل بیتؑ کی پیروی کا دعویٰ کس طرح سے کر سکتے ہیں جو اصول عقائد میں اشعری کی پیروی کریں، فقہ میں ابوحنفیہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کی اتباع کریں۔

اور کیا اہل بیتؑ کا پیروکار وہی ہے جو ان پر اعتماد نہ کرے اور ان کے برعکس خوارج، مرجئہ اور مضعفین پر اعتماد کرتا رہے؟؟

سبحانک اللھم ان ھذا الا بھتان عظیم

مذہب حق صرف مذہب اہل بیت ہے اور مذہب اہل بیتؑ مذہب شیعہ ہی ہے اور حدیث شریف میں اس فرقہ کی نجات کا صراحت سے اعلان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے بھائیوں کی کتابوں میں بہت سے ایسے مسائل موجود ہیں جو روح اسلام کے منافی ہیں اور ایسے

مسائل سے ان کی کتب احادیث و عقائد بھری ہوئی ہیں۔

ذیل میں ہم چند مسائل "مشتے از خروارے" کے تحت پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کو غیر جانب داری سے یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ آیا ایسے عقائد رکھنے والے فرقوں کو ناجی کہنا چاہئے یا نہیں کہنا چاہئے؟

ا۔ تجسیم خداوندی

منجملہ اور مسائل کے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے کے قائل ہیں اور اس عقیدہ سے کتب صحاح لبریز ہیں۔

مسلم نیشاپوری اپنی صحیح کی پہلی جلد میں روایت کرتے ہیں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا: کیا ہم بروز قیامت اپنے رب کو دیکھیں گے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کیا دوپہر کے وقت جب آسمان پر کوئی بادل نہ ہو تو اس وقت سورج دیکھنے میں کوئی شک کرتے ہو کیا چودھویں کے چاند کے دکھائی دینے میں کوئی شک کرتے ہو۔ جب آسمان صاف ہو اور اس پر کوئی بادل نہ ہوں؟

لوگوں نے کہا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا بروز قیامت رویت خداوندی میں شک کرنا سورج اور چاند کی رویت میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد امام مسلم نے مشرکین کے دوزخ جانے کا ذکر کیا۔ پھر کہا بالآخر عرصہ محشر میں صرف اللہ کی عبادت کرنے والے ہی رہ جائیں گے۔ ان میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ موجود ہوں گے۔

اس وقت رب العالمین ان کے پاس معمولی شکل کے ساتھ آئے گا اور ان سے کہے گا تمہیں کس کا انتظار ہے اس وقت ہر امت اپنے معبود کے ساتھ جا چکی ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم لوگوں سے جدا تھے ہم ان کے ساتھی نہیں تھے۔ تو اس وقت اللہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ لوگ یہ سن کر دو یا تین مرتبہ کہیں گے ہم تجھ سے خدا کی پناہ چاہے ہیں۔ ہم شرک کرنے والے نہیں ہیں۔ اس وقت کچھ لوگ اس سے جدا ہونے کے قریب ہو جائیں گے۔ تب اللہ کہے گا کیا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے جسے دیکھ کر اسے پہچان سکو۔ لوگ کہیں گے جی ہاں! اس وقت اللہ اپنی پنڈلی کو کھولے گا پس جو کوئی دنیا میں اللہ کی صحیح دل سے عبادت کرتا تھا، اسے اللہ سجدہ کی اجازت دے گا اور جو کوئی صرف جان بچانے

یا ریاکاری کے لئے سجدہ کرتا تھا' اللہ اس کی پشت کو ایک تختہ کی طرح سخت بنا دے گا۔ وہ جب سجدہ کرنا چاہے گا تو پشت کے بل گر پڑے گا۔

پھر لوگ اپنا سر اٹھائیں گے تب اللہ اپنی اس سابقہ صورت میں آ جائے گا جسے وہ پہلے دیکھ چکے تھے اور کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ اس وقت سب کہیں گے تو ہمارا رب ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری جلد میں ہے: انس' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ دوزخ میں جتنے بھی گناہ گاروں کو ڈالتا جائے گا وہ پھر بھی بھرنے میں نہیں آئے گی اور هل من مزيد" (کیا کچھ اور ہے) کی دہائی دیتی رہے گی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا تو اس کے حصے سکڑتے جائیں گے اور کہے گی بس بس تیری عزت و کرم کی قسم (اب بھر گئی ہوں)

اور جنت کا ایک حصہ خالی پڑا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کر کے انہیں جنت میں آباد کرے گا۔

ابو ہریرہ' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: دوزخ بھرنے میں نہیں آئے گی تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا۔ اس وقت کہے گی بس بس' تب وہ بھر جائے گی اور اس کے حصے سکڑتے جائیں گے۔

لیجئے قارئین ابھی اور پڑھئے۔

اللہ تعالیٰ باقی اجسام کی طرح اترتا اور چڑھتا بھی ہے۔ اس کے لئے اس روایت کو غور سے پڑھیں۔

امام احمد بن حنبل' ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رات کا آخری تہائی حصہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اتر آتا ہے پھر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے: کیا کوئی سوال کرنے والا ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے اللہ تعالیٰ مسلسل یہ کہتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر ہو جاتی ہے۔ ۹۔

قارئین کرام! ابھی تک آپ نے اہل سنت کی معتبر کتابوں سے اللہ تعالیٰ کے جسم و جسمانیت کے متعلق پڑھا اور اب اللہ تعالیٰ کے قد کے متعلق بھی پڑھیں اور خدارا فیصلہ فرمائیں کہ جس مذہب میں تصور توحید کو اس طرح داغدار کیا گیا ہو' کیا ایسا مذہب لائق اتباع

ہو سکتا ہے؟

بخاری اپنی صحیح میں ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ جب آدمؑ کی تخلیق مکمل ہو گئی تو اسے فرمایا سامنے بلند و بالا مقام پر فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں' انہیں جا کر سلام کرو اور ان کے جواب کو خوب غور سے سنو کیونکہ وہ تیرا اور تیری نسل کا سلام ہو گا۔ جو کوئی جنت میں جائے گا وہ آدم کی صورت میں جائے گا۔ بعد میں لوگوں کے قد آہستہ آہستہ گھٹتے گئے یہاں تک کہ موجودہ دور تک معاملہ آن پہنچا۔ ۱۰۔ یہاں تک آپ نے عقیدۂ توحید کے متعلق چند نظریات پڑھے اور اس میں آپ نے مشاہدہ کیا کہ یہ لوگ کتنے قبیح انداز سے تجسیم خداوندی کے قائل ہیں اور یہ کہ اللہ کو اسی طرح سے دیکھا جائے گا جس طرح سے سورج اور چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر شب آسمان دنیا پر اترتا ہے اور اس کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں۔ اپنی پہچان کے لئے ان کو اپنی پنڈلی کا دیدار بھی کرائے گا اور اس عقیدہ کی تان یہاں پر ٹوٹی کہ اس کا قد ساٹھ ہاتھ ہے۔

یقیناً بربر کی بوڑھی اور گنوار عورتیں بھی اس قسم کی خرافات کو پسند نہیں کریں گی۔ اور ان خرافات پر ایمان نہیں لائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی من گھڑت روایات سے اسلام کے مقدس چہرے کو بگاڑنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔

اور انہی روایات کی وجہ سے اغیار کو اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کا موقع ملا اور انہوں نے ان خود ساختہ روایات کو بنیاد بنا کر اسلام کے بنیادی عقائد پر طنز و تشنیع کے تیر برسانے شروع کئے۔

ہمیں وضاعین احادیث پر تعجب ہوتا ہے کہ ایسی حدیثیں بناتے وقت ان کے ضمیر نے انہیں ملامت نہیں کیا۔ اور ان سے بڑھ کر ہمیں صحاح ستہ کے مئولفین پر تعجب ہے جنہوں نے ان خرافات پر صحیح کا لیبل لگا کر اپنی کتابوں میں نقل کیا۔ اہل انصاف فیصلہ کریں جو کتابیں ان خرافات سے بھری ہوئی ہوں' انہیں صحاح کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟

بی بی عائشہؓ نے اللہ کے دیدار کرنے کے نظریہ کی بڑی شدت سے تردید کی ہے۔ امام مسلم اپنی صحیح میں ابن مسروق سے روایت کرتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ میں ایک دن بی بی عائشہؓ کے حجرے میں تکیہ پر ٹیک لگائے لیٹا ہوا تھا تو بی بی نے کہا اے ابو عائشہ (راوی کی کنیت) جس نے تین باتیں کہیں اس نے اللہ پر بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا کون سی باتیں؟ بی بی نے کہا: جس نے یہ گمان کیا کہ محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے خداوند عالم پر بہتان تراشی کی۔ یہ سن کر میں اٹھ بیٹھا اور کہا ام المومنین! مجھے مہلت دیں جلد بازی نہ کریں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں فرمایا؟ (**ولقد راہ بالافق المبین**۔ (با لتحقیق محمدؐ نے اسے افق مبین پر دیکھا۔) اور کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟ **ولقد راہ نزلہ اخری عند سدرۃ المنتہیٰ**۔ (اور محمدؐ نے تو اس کو ایک بار اور دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے نزدیک)۔

یہ آیات سن کر بی بی نے کہا پوری امت میں سے ان آیات کے متعلق سب سے پہلے میں نے ہی حضور اکرمؐ سے دریافت کیا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے۔ میں نے انہیں پہلے ان کی اصلی شکل و صورت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شب معراج واپسی پر میں نے ان دو مقامات پر اسے دیکھا۔ اس کے بعد بی بی عائشہ نے کہا کیا تو نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھی **لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار و ھواللطیف الخبیر** آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں جب کہ وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین باخبر ہے۔

اور کیا تو نے یہ آیت نہیں سنی **و ما کان لبشر ان لکلمہ اللہ الاوحیا او من ورای حجاب او یرسل رسولا الخ** بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے براہ راست گفتگو کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا قاصد روانہ کرے...

اس روایت میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ بی بی عائشہؓ نے کس عمدگی سے جواب دیا اور کیسی فیصلہ کن گفتگو کی اور عادلانہ فیصلہ صادر کیا۔ آیات سے قطع نظر رویت و تجسیم کا عقیدہ عقل کے بھی سراسر منافی ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے جسمانیت تسلیم کر لی جائے تو اس کے تحت باری تعالیٰ کو حادث ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ہر جسم حادث اور ممکن الوجود ہوتا ہے اور ہر ممکن کو کسی نہ کسی موثر کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہٰذا جسمانیت کے عقیدہ کو ماننے سے اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہیں رہے گا۔ اسی لئے یہ عقیدہ اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مذہب شیعہ خداوند عالم کو رویت اور جسم و

جسمانیت سے منزہ سمجھتا ہے جیسا کہ امام الموحدین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا **ومن حدہ فقد عدہ**۔ جس نے اس کی حد بندی کی' وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا۔ عقیدہ توحید کی توضیح و تنزیہ کے لئے نہج البلاغہ میں بہت سے خطبات موجود ہیں۔

اسی لئے شیعوں کے کسی سخت دشمن کو بھی یہ جسارت نہیں ہوئی کہ مذہب شیعہ کو "تجسیم الٰہی" کا قائل قرار دے۔ البتہ اگر جسمانیت کے عقیدہ کی نسبت ہوئی ہے تو فرقہ "غلاۃ" کی طرف ہوئی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہم "غلاۃ" کو کافر سمجھتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتے ہیں خدا تعصب کا برا کرے۔ احمد امین نے عقیدہ تجسیم کی نسبت مطلق طور پر مذہب شیعہ کی طرف کی ہے۔

جبکہ شیعوں میں اس عقیدہ کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ ہم نصیریوں کی بات نہیں کرتے کیونکہ نصیری حضرت علی علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں ان کا شیعیت' بلکہ اسلام سے بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ احمد امین نے اپنی کتاب فجرالاسلام میں یہ کہنے کی جسارت کی کہ: مذہب شیعہ میں یہودیت' نصرانیت اور زرتشتیت کی تعلیمات شامل ہیں۔ کیونکہ ان کے بعض عقائد ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سلسلہ کے متعلق ہماری پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہ ہمارے عقائد ہی نہیں ہیں جیسا کہ آپ اسی کتاب میں عقائد الامامیہ کے باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ہمارے سر پر بعض عقائد ناحق تھوپنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے ہم بے زار ہیں۔

ثانیاً بالفرض بعض عقائد اگر اتفاقی طور سے مل جائیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ عقائد یہود و نصاریٰ سے ماخوذ ہیں۔ اگر احمد امین کے اس نظریئے کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اہل سنت کے متعلق بھی (نعوذ باللہ) یہ فیصلہ کرنا ہو گا۔ کہ تسنن دراصل یہودیت' نصرانیت اور مجوسیت کا دوسرا روپ ہے کیونکہ تسنن کے بہت سے نظریات مذکورہ مذاہب سے ملتے جلتے ہیں مگر ہم ان حقائق کو جانتے ہوئے بھی احمد امین کی طرح یہ کلمات استعمال نہیں کریں گے۔

آپ تجسیم خداوندی اور صفات زائدہ و جبر کے مسائل کو یہودیت کی دینی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

مسئلہ تشبیہ میں یہودیت اور تسنن دونوں متفق ہیں اس مسئلہ کے پہلے بانی یہودی ہیں

اور یہ نظریہ تورات میں بہت سے مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔

اس نظریہ نے یہودیت سے سفر کرنا شروع کیا بعدازاں اہل سنت کے اذہان میں اتر تا گیا اور جوں جوں دن گذرتے گئے یہ عقیدہ مزید مستحکم ہو تا گیا اور آج وہ نظریہ اہل سنت کا عقیدۂ راسخہ بن چکا ہے۔

دراصل ان لوگوں نے قرآن مجید کی چند مشتبہ آیات سے اس عقیدہ کی آبیاری کی ہے۔ انہوں نے جب قرآن مجید میں **وجاء ربک والملک صفا صفا، وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ، بل یداہ مبسوطتان** جیسی آیات کو پڑھا اور اپنی کم علمی کی وجہ سے ایسی تاویل کرنے سے عاجز تھے جو عظمت الہٰی کے لائق ہوتی۔ لہٰذا انہوں نے ان الفاظ کو ظاہری معانی پر محمول کیا۔ جس سے عقیدۂ تجسیم نے جڑیں پکڑنی شروع کیں۔

حق تو یہ تھا کہ اس فکری جمود کی مذمت کی جاتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالفتح شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور رقم طراز ہیں: علمائے سلف نے آیات تشبیہ کی تاویل نہ کرنے والوں کی مدح و ثنا کی ہے اور کہا ہے یہ لوگ تاویل نہ کر کے اپنے آپ کو اس کج فکری سے بچانا چاہتے تھے جس کی مذمت اس آیت میں کی گئی ہے **فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتیغاء الفتنۃ ابتغاء تاویلہ ومایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم الخ** (پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ انہی آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں حالانکہ خدا اور ان لوگوں کے جو علم میں بڑے پایہ پر فائز ہیں، ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔)

تاویل ایک ظنی شے ہے اور صفات باری میں ظن و تخمین کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا تاویل نہ کرنے میں سلامتی کی راہ مضمر ہے۔

حالانکہ تحقیق کا تقاضا ہے کہ تاویل نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ اصول تفسیر یہ ہے کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی متعذر اور محال ہو تو تاویل ضروری ہو جاتی ہے۔ اور جب کبھی ظاہری معانی عقل سلیم کے خلاف ہوں تو ان کی تاویل لازمی ہوتی ہے۔ اگر مذکورہ آیات مجیدہ کی تاویل نہ کی جائے تو اس سے تجسیم لازم آئے گی اور عقیدۂ تجسیم اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس صورت میں تاویل کم ضرر رساں ہے۔ فقہی اصول یہ ہے

کہ بڑی مضرت سے بچنے کے لئے کم ضرر چیز کو اختیار کرنا چاہئے۔ صفات ازلی کے عقیدہ میں نصرانیت اور تسنن ہم عقیدہ ہیں۔ فریقین اللہ کے ساتھ صفات ازلی مثلاً قدرت، علم، حیات، ارادہ، سمع و بصر وغیرہ کے قائل ہیں۔ اس عقیدہ کے تحت صفات کو قدیم تسلیم کیا گیا ہے اس عقیدہ کا عجیب پہلو یہ ہے کہ اللہ کو عالم ہونے کے لئے صفت علم کا محتاج تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور صفات کو زائد بر ذات تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ باری تعالیٰ (عالم لذاته) نہیں رہے گا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ محتاج اور ناقص الذات ماننا پڑے گا۔ سبحان ربک رب العزة عما یصفون

اس فاسد عقیدہ کی طرف امام فخرالدین رازی نے توجہ دلاتے ہوئے کہا نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کو قدیم کہنے کی وجہ سے کافر کہلائے جب کہ ہمارے ہم مذہب نو قدیموں کا اثبات کرتے ہیں۔

تسنن نے مسئلہ جبر کو مجوسیت سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ مجوسیوں کے اعتقاد کے مطابق اللہ فعل کر کے پھر اس سے بے زار ہو جاتا ہے۔

مجوسیوں کی دیکھا دیکھی اہل سنت نے یہ عقیدہ وضع کیا کہ اللہ فعل قبیح کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر اس سے بے زار ہو جاتا ہے۔

انبیاء و مرسلین کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

انبیاء و مرسلین پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے اسلام کے اس تقاضا کے تحت شیعہ انبیاء و مرسلین پر ایمان رکھتے ہیں۔ا نہیں معصوم جانتے ہیں' ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے انہیں بلند و بالا سمجھتے ہیں۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق نبی کا ہر ایسے امر سے مبرا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کی نگاہ میں کم و قعتی کا موجب بنے۔

عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ اگر انبیائے کرام علیہم السلام سے صدور معصیت کو جائز سمجھا جائے تو پھر نبوتؑ پر اعتقاد ہی ختم ہو جائے گا مثلا اگر کوئی نبی (نعوذ باللہ) اپنے جھوٹ کا اقرار کرے تو اس کی وحی پر اعتماد کون کرے گا۔

یہ ایسے واضح عقائد ہیں جن کے لئے بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مقام تعجب ہے کہ اہل سنت کی کتب صحاح میں انبیائے کرام کے متعلق ایسی داستانیں موجود ہیں جو ان کے بلند مقام کے لائق نہیں ہیں۔

اب ملاحظہ فرمائیں بخاری و مسلم رسولؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک مقام پر جمع کرے گا۔ لوگ کہیں گے ہمیں کسی شفاعت کرنے والے کی تلاشی کرنی چاہئے تاکہ اس مصیبت سے گلو خلاصی ممکن ہو سکے۔

پھر لوگ اکٹھے ہو کر حضرت آدم علیہ سلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور فرشتوں کو آپؑ کے سجدہ کا حکم دیا۔ لہٰذا آپؑ خدا کے حضور ہماری شفاعت کریں۔

حضرت آدم علیہ .سلام جواب دیں گے میں شفاعت کرنے کے قابل نہیں ہوں اور اپنی غلطی بیان کریں گے۔ پھر آدم علیہ السلام کہیں گے تم نوحؑ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ نے انہیں اپنا پہلا رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔

یہ مشورہ سن کر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں جائیں گے۔ تو نوح علیہ السلام جواب میں فرمائیں گے میں شفاعت کرنے کے قابل نہیں ہوں اور لوگوں کے سامنے

اپنی غلطی بیان کریں گے۔

پھر نوح علیہ سلام لوگوں سے کہیں گے کہ تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ سن کر لوگ حضرت ابراہیم علیہ سلام کے پاس جائیں گے۔ ابراہیمؑ بھی کہیں گے میں شفاعت کرنے کے قابل نہیں ہوں اور اپنی غلطی بیان کریں گے۔

پھر ابراہیم علیہ سلام لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ سلام کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے۔ لوگ ان کے پاس جائیں گے تو موسیٰؑ بھی کہیں گے میں شفاعت کرنے کے قابل نہیں ہوں اور اپنی غلطی بیان کریں گے۔

موسیٰ علیہ سلام لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ سلام کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے۔ لوگ عیسیٰ علیہ سلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے میں اس قابل نہیں ہوں اور اپنی غلطی بیان کریں گے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ سلام کہیں گے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔ کیونکہ اللہ نے ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے ہیں۔

چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا اور جب میں اللہ کو دیکھوں گا تو سر بسجود ہو جاؤں گا اور جتنی دیر وہ چاہے گا دعا مانگوں گا۔ پھر اللہ کہے گا سربلند کرو تم جو بھی سوال کرو گے تمہیں عطا کیا جائے گا۔ جو کہو گے قبول ہو گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت منظور ہو گی۔

میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ کی وہ حمد کروں گا جس کی مجھے تعلیم دے گا۔ تب میں لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میدان محشر میں واپس آؤں گا اور دوسری اور تیسری مرتبہ سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں صرف وہی بچ جائے گا جسے قرآن نے دوزخ میں قید کیا ہو گا۔ ۱۱

صحیح مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ موجود ہے:

حضرت آدم علیہ سلام شجرۂ ممنوعہ کے پاس جانے کے جرم کا اقرار کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ سلام اپنے جھوٹ کا اقرار کریں گے۔

موسیٰ علیہ سلام خون ناحق کا اعتراف کریں گے۔ ۱۲

توہین نبوت کا ایک اور واقعہ امام مسلم کی زبانی سنیں۔ ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل ننگے ہو کر نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھا کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو کر الگ غسل کیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا موسیٰؑ ہمارے ساتھ اس لئے نہیں نہاتے کہ وہ خصی ہیں۔ ایک بار حضرت موسیٰؑ نہانے کے لئے گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے' پتھر آپؑ کے کپڑے لے کر دوڑ پڑا۔

موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے دوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ پتھر کپڑے لے گیا' پتھر کپڑے لے گیا۔ اس طرح سے تمام بنی اسرائیل نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شرم گاہ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ موسیٰ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ پھر پتھر رک گیا اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے کپڑے اٹھائے اور پتھر کو مارنا شروع کیا۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اس پتھر پر چھ یا سات ضربوں کے نشان اب بھی موجود ہیں۔ ۱۳؎

یہاں تعجب خیز امر یہ ہے کہ اس واہیات داستان کو امام مسلم نے فضائل موسیٰؑ کے باب میں تحریر کیا ہے۔

اس بات پر ہمیں بڑی حیرت محسوس ہوتی ہے کہ شرم گاہ کے اظہار میں کون سی فضیلت مضمر ہے؟

جب کہ شرم گاہ کو ظاہر کرنا انتہائی گھٹیا سی حرکت ہے اور اس حرکت کو عقل معیوب قرار دیتی ہے۔ ایسی سوقیانہ حرکت تو عام آدمی بھی پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ موسیٰ علیہ السلام اس طرح کی حرکت کریں۔

آپ نے اس روایت کو ملاحظہ فرمایا کہ تمام بنی اسرائیل ننگے ہو کر نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شرم گاہ کو بلا جھجک دیکھا کرتے تھے۔ اس روایت میں صرف موسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ وہ اکیلے نہاتے تھے' باقی تمام اکٹھے ہو کر نہایا کرتے تھے۔ اب روح ابو ہریرہ سے سوال یہ ہے کہ ننگے نہانے والوں میں حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت یوشع علیہ السلام اور کالب بن یوحنا بھی شامل تھے یا نہیں تھے جب کہ روایت میں صرف حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے مطابق ننگے نہانے والوں میں

حضرت ہارون، حضرت یوشع اور کالب بن یوحنا بھی شامل تھے۔ **نعوذ باللہ من تلک الھفوات۔**

یہاں تک آپ نے انبیائے سابقین کے متعلق اہل سنت علماء کے نظریات پڑھے اب آیئے دیکھیں کہ ان لوگوں نے جناب خاتم الانبیاء سید المرسلین کے بارے میں کیا گل کھلائے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ آپ ان روایات کو پڑھ کر خود ہی اندازہ کر سکیں گے کہ اس مذہب میں انبیائے کرام کی تعظیم و توقیر کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے۔

مسلم بی بی عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں داخل ہوئے اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں جنگ بغاث کے گیت گا رہی تھیں۔ آپ نے بستر پر لیٹ کر منہ پھیر لیا۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور مجھے ڈانٹ کر کہا کہ شیطانی گیت رسولؐ خدا کے پاس ہو رہے ہیں؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوبکر رہنے دو انہیں کچھ نہ کہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند آئی تو میں نے انہیں جانے کا اشارہ کیا اور وہ میرا اشارہ پاتے ہی چلی گئیں۔

ایک اور روایت میں بی بی عائشہؓ سے مروی ہے عید کے دن حبشی آکر مسجد میں جنگی کرتب دکھایا کرتے تھے اور حضور کریمؐ مجھے ساتھ لے کر دکھایا کرتے تھے۔ قارئین کرام! خدارا اس مقام پر ٹھہر جائیں اور سوچیں کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راگ سننا گوارا کر سکتے ہیں جب کہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے؟ اگر بالفرض اہل سنت کی تاویل کے مطابق یہ مان بھی لیا جائے کہ عید کے دن راگ رنگ حلال ہے۔ (حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے) تو بھی کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں گانے والی عورتیں گاتی رہیں اور آپؐ خاموشی سے سنتے رہیں؟ راگ رنگ کی محفل میں تو ہم جیسے گناہ گار افراد بھی اپنی شرکت کو توہین محسوس کرتے ہیں چہ جائیکہ سیدالمرسلین اشرف المبشرین والمنذرین کی ذات والاصفات، جن کی زبان ہمیشہ ذکر حق میں مصروف رہی اور جن کے کان ہمیشہ وحی حق کو سنتے رہے تو کیا وحی الٰہی سننے والے کان راگ سننا پسند کر سکتے ہیں؟؟

اس روایت کا عجیب پہلو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خاموش رہ کر اس راگ کو برداشت کر لیا۔ مگر اس مقام پر حضرت ابوبکر کی غیرت ایمانی کی داد دیں جنہوں نے اپنی دختر نیک اختر کو ڈانٹ کر کہا کہ شیطانی گیت نبی کریمؐ کی موجودگی میں ہو رہے ہیں۔ اس واقعہ میں قابل فکر پہلو یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا کسی امر پر خاموش ہونا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اور حضرت ابوبکر بھی حضور اکرمؐ کی اس خاموشی کو دیکھ چکے تھے۔ پھر انہوں نے اسے شیطانی گیت قرار دے کر حرمت کا فتویٰ کیوں لگایا؟ اور کیا حضرت ابوبکر کا یہ اعتراض دراصل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر نہیں تھا کہ آپؐ راگ سن کر فعل حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں؟؟ کیا حضرت ابوبکر کا یہ ایمانی فرض نہیں بنتا تھا کہ جس امر میں رسولؐ خدا خاموش ہیں وہ بھی اس پر خاموشی اختیار کر کے اتباع رسولؐ کا ثواب حاصل کرتے اور اپنے تبصرہ کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھتے۔ اور کیا حضرت ابوبکر ایسا نہیں کر سکتے تھے کہ ان شیطانی گیتوں کے متعلق اپنی لخت جگر کی بجائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی دریافت کر لیتے کہ آخر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟

اس روایت کا عجیب ترین پہلو یہ ہے کہ بی بی کہتی ہیں جب آنحضورؐ سو گئے تو میں نے انہیں جانے کا اشارہ کیا اور وہ میرا اشارہ پاتے ہی کھسک گئیں۔ مذکورۃ الصدر جملے کا اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم ہی نہیں بنتا کہ (نعوذ باللہ) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لڑکیوں کے گیت سن کر محظوظ ہوتے رہے اسی لئے جب تک بیدار رہے بی بی نے ان عورتوں کو جانے کے لئے نہیں کہا اور جب آپؐ کو نیند آ گئی تو ام المومنین نے انہیں جانے کا اشارہ فرمایا۔

سبحان ان ھذا الا بھتان عظیم

بریں عقل و دانش بباید گریست

جناب سید المرسلین خاتم النبین کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ درج ذیل روایت سے مزید واضح ہو جائے گا۔ بخاری اور امام احمد سالم کی زبانی روایت لکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ سے کی ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ انہوں نے فرمایا میں نے "بارح" کے نشیب میں وحی سے قبل زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات کی اس کے سامنے دسترخوان پھیلایا جس میں گوشت تھا۔ تو زید بن عمرو نے اسے

کھانے سے انکار کر دیا اور کہا میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھایا کرتا جنہیں تم بتوں کی قربت کے قصد سے ذبح کرتے ہو۔ میں تو صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ۱۴۔

عرض مترجم:

یہ روایت پڑھ کر ہم صرف کلمہ استرجاع ہی پڑھ سکتے ہیں کہ وحی آنے سے قبل حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بتوں کے نذرانے کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ لیکن زید بن عمرو بن نفیل اتنا بڑا صاحب بصیرت تھا کہ وہ اس گوشت کو حرام سمجھ کر نہیں کھاتا تھا۔

ے لبیک علی الاسلام من کان باکیا

احترام مسجد

مسلم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی کو اپنی گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرتے ہوئے سنے تو اسے کہنا چاہئے کہ خدا کرے وہ چیز تجھے نہ ملے۔ کیونکہ مساجد گمشدگی کے اعلانات کی غرض سے تعمیر نہیں کی گئیں۔

سلمان بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں اعلان کیا اگر کسی کو میرے سرخ اونٹ کے متعلق علم ہو تو بتا دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کرے تجھے تیرا اونٹ نہ ملے مساجد کی تعمیر کا کچھ اور مقصد ہے۔ ۱۵۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں گمشدگی کے اعلان سے متعدد بار منع فرمایا کیونکہ مساجد عبادت کے لئے ہیں، گمشدگی کے اعلانات کے لئے نہیں ہیں۔ باایں ہمہ اگر کسی شخص کو اعلان کرتا ہوا دیکھتے تو سخت بے چین ہو جاتے تھے۔

ایک طرف تو مسجد کے احترام کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں۔ مسجد میں حبشی اپنے نیزوں کا کرتب دکھایا کرتے تھے اور حضور کریمؐ مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیتے تھے اور میں تماشا دیکھتی تھی۔ جب میں خوب سیر ہو جاتی تو مجھے واپس گھر لایا کرتے تھے ۱۶۔

یہ دونوں روایات ایک دوسرے کی متضاد ہیں اور دونوں راوی انتہائی سکہ بند ہیں۔ اب

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "ذوق عبادت" کے متعلق ایک اور روایت پڑھیں مسلم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر سے واپس آ رہے تھے رات کا سفر تھا۔ حضورؐ کو نیند نے تنگ کیا تو انہوں نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور بلال سے فرمایا ہم سونا چاہتے ہیں تم جاگتے رہو۔ الغرض آنحضورؐ اور آپؐ کے تمام اصحاب سو گئے اور جتنی دیر خدا کو منظور تھا' بلال جاگتے رہے اور نمازیں پڑھتے رہے۔ جب پو پھٹنے کا وقت قریب آیا تو بلال نے اپنی سواری کی ٹیک لگائی۔ اور ٹیک لگاتے ہی بلال کی آنکھ لگ گئی۔ اس دوران حضورؐ اور آپؐ کے جملہ اصحاب گہری نیند میں پڑے سوتے رہے۔ یہاں تک کہ سورج کی کرنوں نے انہیں بیدار کیا سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور نہایت پریشان ہو کر بلال کو جگایا اور اس سے بیدار نہ کرنے کا سبب دریافت کیا۔

بلال نے عرض کیا میرے والدین آپؐ پر فدا ہوں مجھ پر بھی وہی چیز طاری ہو گئی تھی جو آپؐ پر طاری ہوئی تھی۔ ۱۸؎

ابو ہریرہ کہتے ہیں ہم ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سوئے اور ہم میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر حضور اکرمؐ نے فرمایا ہر شخص اپنی سواری کی باگ پکڑ کر یہاں سے چل پڑے۔ اس منزل پر ہمارے پاس شیطان آ گیا تھا۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سونے کا الزام کس عمدگی سے تراشا گیا۔ تاآنکہ آپؐ کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ اور ستم تو یہ ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ خود یہ بیان کی کہ اس مقام پر ہمارے پاس شیطان آ گیا تھا اور اس نے ہم پر غلبہ پا لیا تھا۔

تو گویا غیر محسوس طریقے سے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شر شیطان سے محفوظ نہ تھے اور شیطان آپؐ پر بھی نعوذ باللہ غالب آ گیا۔ ۱۹؎

ہمارے پاس اس روایت کو جھٹلانے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قیام اللیل کو فرض قرار دیا تھا

جیسا کہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات میں یہ حکم موجود ہے۔

یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا ارزد علیه و رتل القران ترتیلا اے چادر لپیٹنے والے رات کو نماز کے واسطے کھڑے ہو مگر تھوڑی رات' آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی موجودگی میں یہ ناممکن ہے کہ آپؐ جگانے کی ذمہ داری بلال پر ڈال کر خود سو جائیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس مقام پر اگر کوئی شخص یہ موقف اختیار کرے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس لئے سو گئے تھے تاکہ امت کو قضا نمازوں کی ادائیگی کا علم ہو سکے اور ویسے بھی سونے والا شخص مرفوع القلم ہوتا ہے۔

تو اس کے جواب کے لئے ہم یہ گذارش کریں گے کہ امت کی تعلیم کا مقصد آپؐ کے قول و تقریر سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود آخر کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر شیطانی غلبہ تسلیم کرنے کی اس روایت کو درست مانا جائے۔

اور ہاں اگر اس نیند کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی تو کچھ بات بن بھی سکتی تھی۔ جب کہ روایت میں وضاحت موجود ہے کہ یہ نیند شیطانی غلبہ کے زیر اثر تھی۔ آیئے ابو ہریرہ کی بیان کردہ روایت کا فیصلہ ابو ہریرہ ہی کی دوسری روایت سے کرائیں۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ جب آدمی نیند کرتا ہے تو شیطان اس کی گدی پہ تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ اور ہر گرہ باندھتے وقت یہ کہتا ہے ابھی بڑی لمبی رات پڑی ہے سوتے رہو۔ اب اگر آدمی بیدار ہو جائے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے اور انسان صبح کے وقت ہشاش بشاش ہوتا ہے ورنہ بڑا تھکا تھکا اور ست ہوتا ہے۔

عبداللہ راوی ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا جس نے ساری رات سو کر گذار دی تھی اور فجر کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ اس پر حضور

کریمؐ نے فرمایا! شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کیا تھا۔ ۲۰۔

ان مذکورۃ الصدر دو احادیث کی روشنی میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز صبح نہ پڑھنے کے دو اسباب بیان کئے ہیں۔ ۱۔ خباثت نفس ۲۔ شیطان کا کان میں پیشاب کرنا۔ اب ہم برادران اسلام سے گذارش کریں گے کہ خدارا تعصب کی پٹی اتار کر فیصلہ کریں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سو جانے کی روایت کس نیت سے وضع کی گئی ہے؟

نماز صبح نہ پڑھنے کے دو ہی اسباب آپؐ نے بیان کئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں اور ان دونوں عوامل سے بلند و بالا ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ ابو ہریرہ اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بہت سے غلط واقعات و اقوال کو منسوب کیا ہے۔ اور اسلام کو اتنا نقصان خود دشمنان اسلام کے ہاتھوں نہیں اٹھانا پڑا جتنا کہ ان وضاعین حدیث سے پہنچا ہے۔

ان جیسے لوگوں نے کعب الاحبار کی روایات پر نبی کریمؐ کی احادیث کا لیبل چسپاں کر کے انہیں عالم اسلام میں پھیلایا۔

ان وضاعین حدیث نے دین کے نام پر مسلمانوں کے دماغوں میں اپنے زہریلے خیالات کی نشوونما کی ہے۔

ابو ہریرہ وضع حدیث میں بدترین شہرت کا حامل رہا ہے۔ یہ شخص سیدھے سادھے مسلمانوں کو باور کراتا تھا کہ اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص صحابہ کے ساتھ ہے اور اسے شب و روز حضور اکرمؐ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

اسی وجہ سے بے چارے سیدھے سادھے مسلمان اس کے بچھائے ہوئے دام تزویر میں پھنس جاتے تھے اور وہ بے چارے لفظ "صحابی" کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتے تھے۔ کیونکہ مسلمان صحابہ سے حسن ظن رکھتے تھے اور اپنی سادگی کی وجہ سے صحابیت کے ہر دعویدار کو ملک مقرب سمجھتے تھے اور صحابی کا مقام نبی سے ذرا سا کم جانتے تھے۔

عرض مترجم

شیطان کا غلبہ کن لوگوں پر ہوتا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس ملعون کا ذکر کیا ہے اس واقعہ میں ابلیس نے

خداوند کے حضور اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا کہ میں سب لوگوں کو گمراہ کروں گا **الا عباد ک منھم المخلصین۔** مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا کوئی حملہ کارگر نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس امر کی خود بھی وضاحت فرمائی ہے کہ میرے بندوں پر ابلیس کا غلبہ نہیں ہو گا۔

سورۂ نحل میں ارشاد خداوندی ہے **انه لیس له سلطان علی الذین امنوا وعلی ربهم یتوکلون۔ انما سلطنه علی الذین یتولونه والذین هم به مشرکون۔** اس میں شک نہیں جو ایمان دار ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ اس کا قابو چلتا ہے تو بس ان ہی لوگوں پر جو اس کو دوست بناتے ہیں اور جو لوگ اس کو شریک بناتے ہیں۔ آیات بالا سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اہل ایمان اور اہل توکل بندگان خدا پر شیطان قابو نہیں پا سکتا۔ اس کا قبضہ صرف ان پر ہے جو اس کے دوست ہیں اور جو اسے شریک سمجھتے ہیں۔

اب خدا نخواستہ اگر خیبر سے واپسی پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تمام جماعت پر شیطان نے غلبہ کر لیا تھا تو کیا نعوذ باللہ حضور اکرمؐ اللہ کے مخلوص بندے نہ تھے؟ کیا رسول اسلام اپنے رب پر توکل کرنے والے نہ تھے؟

اور ہر مسلم کو یقین ہے کہ آپؐ یقیناً مخلص بھی تھے اور توکل کرنے والے بھی تھے تو مذکورہ روایت کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ کتب اہل سنت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو گھٹانے کی دانستہ کوششیں کی گئی ہیں اور آج دشمنان اسلام انہی کتابوں کی وجہ سے اسلام کے خلاف کتابیں لکھ رہے ہیں۔

کتب تسنن کی "برکت" سے ہی رسوائے زمانہ "رنگیلا رسول" اور "شیطانی آیات" جیسی کتابیں منظرعام پر آئی ہیں۔

(انتہیٰ قول مترجم)

سہو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سنی عقیدہ میں نبیؐ سے بھول چوک ممکن ہے اور کتب اہل سنت میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھولنے کی روایات موجود ہیں۔

امام مسلم اپنی صحیح میں سفیان مولیٰ ابن ابی احمد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہ سے سنا وہ کہتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی۔ دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین نے کھڑے ہو کر پوچھا کیا نماز قصر ہو گئی ہے یا آپؐ بھول گئے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

اس نے کہا ایسی ہی بات ہے۔ رسولؐ خدا نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ۔

پھر رسولؐ خدا نے اٹھ کر باقی دو رکعت نماز پڑھی اور سلام کے بعد دو سجدۂ سہو بجا لائے۔ عمران بن حصین سے بھی یہ روایت مروی ہے لیکن اس روایت کے آخر میں کہا گیا ہے۔ رسولؐ خدا غضب ناک ہو کر اٹھے اور آپؐ کی چادر پیچھے سے گھسٹ رہی تھی۔ لوگوں کے پاس آکر رکے اور پوچھا کیا یہ سچ کہتا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا جی ہاں پھر آپؐ نے باقی نماز پڑھ کر سلام پھیرا اور دو سجدہ سہو بجا لائے اور سجدہ سہو کے آخر میں سلام پڑھا۔

"سہو نبیؐ" کے متعلق آپ نے ابوہریرہ اور عمران بن حصین دونوں کی روایات پڑھیں۔ "نبی کو سہو لاحق نہیں ہوتا" اس اسلامی عقیدہ سے قطع نظر بھی آپ ان روایتوں کے الفاظ پر غور کریں گے تو یقیناً ان روایات کو جھوٹا پائیں گے۔

روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے: جب ذوالیدین نے آپؐ کو اپنی غلطی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے دریافت کیا آیا نماز قصر ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے تھے؟ تو آپ نے بغیر کسی اشکال کے جواب دیا ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی آپؐ نے یہ جواب یقیناً سوچ سمجھ کر ہی دیا ہو گا اور جواب دیتے وقت آپؐ کو کامل یقین تھا کہ آپؐ نماز میں نہیں بھولے۔ قرآن مجید میں قول رسولؐ کی بہت بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے **انه لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وماصاحبکم یمجنون**۔ بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کی زبان کا پیغام ہے جو بڑا قوی عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند رتبہ ہے وہاں سردار امانت دار ہے۔ تمہارے ساتھی محمدؐ دیوانے نہیں۔ اسلامی عقائد میں رسول مقبولؐ کے فرمان کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ آپؐ کا قول عام انسانوں جیسا نہیں ہے کہ اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپؐ کے ہر قول کو وحی الٰہی قرار دیا ہے۔ ارشاد قدرت ہے **والنجم اذاهوی ماضل صاحبکم وماغوی وماینطق عن الهوی ان هوالاوحی یوحی** تارے کی قسم جب ٹوٹا کہ تمہارے رفیق محمدؐ نہ گمراہ ہوئے اور نہ بھٹکے وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔ آپؐ کا ناراض ہو کر جانا کہ آپؐ کی ردائے مبارک گھسٹ رہی تھی، آپؐ کی یہ ناراضگی ذوالیدین کے

بہتان کی عملی تردید تھی۔

اگر رسول خدا بھولنے کی اس نسبت کو اپنی عظمت کے منافی نہ سمجھتے ہوتے تو اتنا غضب ناک ہونے کی انہیں ضرورت ہی نہ پڑتی۔

آپؐ کی عملی ناراضگی اور زبانی تردید اس حقیقت کی مضبوط دلیل ہے کہ آپؐ سے سہو و نسیان سرزد نہیں ہو سکتا۔

یہ سارا افسانہ جبھی قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم یہ تصور کر لیں کہ نعوذ باللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نماز میں متوجہ نہیں تھے۔ لیکن آپؐ کے مقتدی بڑی توجہ اور بصیرت سے آپؐ کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے۔ اور ایسا اعتقاد یقیناً کفر ہے۔ خداوند عالم ہمیں لغزشوں اور برے انجام سے محفوظ رکھے۔

سابقہ صفحات میں ہم نے منصب نبوتؐ اور بالخصوص مقام مصطفیٰؐ کے متعلق چند سنی خرافات نقل کی ہیں۔ ان روایات کی حیثیت سمندر میں سے ایک قطرہ کی ہے۔ اگر ہم جملہ خرافات جمع کرنا چاہیں تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

بہر نوع اہل فکر کے لئے بطور نمونہ یہی مثالیں کافی ہیں اور ان روایات سے اہل فکر کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں مدد ملے گی کہ تسنن عقائد فاسدہ کی حامل ہے یہاں تک تو ہم نے اصول و عقائد کی مختصر بحث کی ہے۔

اصول کی طرح فروعی مسائل میں بھی ان کا یہی حال ہے۔

؎ این خانہ ہمہ آفتاب است

مسائل فقہ میں تسنن کی حالت زار

فقہ حنفی کے بیشتر مسائل قیاس کی پیداوار ہیں۔ اور ہم یہ بات علی وجہ البصرت کہہ سکتے ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد نہ تو کتاب الٰہی پر ہے اور نہ ہی سنت رسولؐ مقبول پر ہے۔۲۱؎

ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ نے قیاس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اور خود بھی زیادہ سے زیادہ قیاس پر عمل کیا ہے۔ انہیں قیاس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ موصوف کتاب اللہ یا سنت رسولؐ کی جستجو کئے بغیر ہی اپنے قیاس سے فتویٰ جاری کر دیتے تھے۔ اور انہوں نے

اپنے قیاس کے مقابلہ میں بہت سی احادیث صحیحہ کو رد کیا ہے۔

قیاس سے دینی مسائل کا استنباط احکام دین سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے انہیں قیاس کی وجہ سے ٹوکا تھا۔ ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ میں اور ابوحنیفہ دونوں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے امام صادقؑ سے ابوحنیفہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا یہ عراق کے فقیہ ہیں تو امام صادقؑ نے فرمایا شاید یہ وہی ہے جو اپنی رائے سے دین میں قیاس کرتا ہے کیا یہ نعمان بن ثابت ہے؟

ابن شبرمہ کہتے ہیں امام ابوحنیفہ کے اصل نام سے مجھے اسی دن آگاہی حاصل ہوئی ابوحنیفہ نے کہا جی ہاں میں وہی ہوں اللہ آپ کو تندرست رکھے۔ اس وقت امام صادقؑ نے ان سے کہا خدا کا خوف کرو اور اپنی رائے سے دین میں قیاس نہ کرو کیونکہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔ اس نے جو **انا خیر منه** (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تھا وہ اس کے قیاس کا نتیجہ تھا۔ اس کا قیاس غلط تھا اور وہ گمراہ ہو گیا۔

بعدازاں امام صادقؑ نے اسے کہا کیا تم اپنے سر کا قیاس باقی جسم کے ساتھ کرنا بہتر سمجھتے ہو؟

ابوحنیفہ نے کہا نہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے ابوحنیفہ سے چند سوالات پوچھے جن کا تعلق خلقت انسانی سے تھا۔

ابوحنیفہ جواب نہ دے سکے۔ امام علیہ السلام نے خود ہی ان کے جواب دیئے اس کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا وائے ہو تم پر اچھا یہ بتاؤ کہ کسی کو قتل کرنا بڑا جرم ہے یا زنا کرنا بڑا جرم ہے؟

ابوحنیفہ نے کہا، قتل کرنا بڑا جرم ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ قتل کے لئے تو دو گواہوں کی ضرورت ہے جب کہ زنا کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ کیا اس کے باوجود بھی قیاس قائم رہ سکتا ہے؟

امام صادقؑ نے پھر فرمایا اچھا یہ بتاؤ اللہ کے نزدیک نماز بڑی عبادت ہے یا روزہ؟

ابوحنیفہ نے کہا نماز بڑی عبادت ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حائضہ پر روزوں کی قضا فرض ہے لیکن نماز کی قضا فرض نہیں ہے؟

اے بندۂ خدا اللہ سے ڈر اور دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کر۔ یاد رکھ کہ قیامت کے دن ہم اور ہمارے مخالف خدا کے حضور کھڑے ہوں گے ہم **قال اللہ و قال رسول اللہ** کہیں گے جب کہ تو اور تیرے دوست **سمعنا و راینا** (ہم نے سنا اور اپنی رائے قائم کی) کہیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے جو چاہے وہی سلوک کرے گا۔۲۲۔

بعدازاں امام صادقؑ نے خود ہی اپنے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"زنا میں چار گواہ زیادتی ستر کے لئے ہیں اور زنا میں ہمیشہ دو فریق ہوتے ہیں زانی مرد اور زانیہ عورت۔"

حائضہ کے ذمہ نماز کی قضا اس لئے نہیں ہے کہ یہ چیز اسے مشقت میں ڈالنے والی تھی کیونکہ روز و شب میں پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔

روزے کی قضا اس لئے ہے کہ وہ صرف ایک ماہ کے لئے ہوتے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام صادق کا تعلق اہل بیتؑ سے ہے اور **اھل البیت ادری بما فی البیت**۔ گھر والے گھر کی اشیاء کو بہتر جانتے ہیں۔

امام صادقؑ نے ابوحنیفہ کے قیاس کو بری طرح سے رد کر دیا اور قیاس کے بطلان کو دلائل سے ثابت فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس پر عمل کرنا غیر شرعی فعل ہے۔

امام صادق علیہ السلام کے فرمان کی تائید رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث سے ہوتی ہے۔

بخاری ابن عمر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو یہ کہتے سنا "اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم دینے کے بعد یکدم علم سلب نہیں کرے گا۔" بلکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کی تعلیم دینے والے علماء کو وفات دے گا۔ اس کے بعد جاہل لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔۲۳۔

اس حدیث کے ایک صفحہ بعد امام بخاری نے ایک باب قائم کیا جس میں انہوں نے بتایا کہ جس مسئلہ کے متعلق حضور کریمؐ کے پاس کوئی وحی موجود نہ ہوتی اور اتفاقاً وہ مسئلہ آپؐ سے پوچھ لیا جاتا تو فرماتے تھے میں نہیں جانتا یا خاموش رہتے تھے۔ اور جب اس مسئلہ کے متعلق وحی آ جاتی تو سائل کو بلا کر جواب سنا دیتے تھے۔ مگر آپؐ نے کسی مسئلہ کے جواب

میں کبھی بھی اپنی رائے اور قیاس سے کام نہیں لیا کیونکہ اللہ نے آپؐ کو خطاب کرتے ہوئے حکم دیا **بما اراک اللہ** اللہ نے جو کچھ آپؐ کو دکھایا ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ ابن مسعود کہتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی۔

ہمیں یہ روایت پڑھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ معصوم نبیؐ تو سوال کے جواب میں خاموش ہو جاتے تھے اور جب تک وحی نہ آتی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ اور اس کے برعکس امام ابوحنیفہ اور ان کے غیر معصوم رفقائے کار اپنی مرضی سے فتویٰ جاری کر دیتے تھے اور کتاب و سنت کے عظیم ماخذ کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی عقل کے مطابق احکام دین میں قیاس کیا کرتے تھے۔

کیا قیاس کرنا ابوحنیفہ کو زیبا تھا؟

اگر آپ ابن عمر کی درج بالا حدیث کا بغور جائزہ لیں تو فقہی مباحث میں ان کی بے وقعتی کا آپ کو یقین ہو جائے گا۔

حضور کریمؐ نے قیاس کرنے والوں کے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے ہوں گے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ قیاس پر مبنی فقہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

حنفی نماز

اب ہم آپ کے سامنے امام ابوحنیفہ کی بیان کردہ نماز پیش کرنا چاہتے ہیں اور اسی سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ تسنن میں احکام الٰہی کی حیثیت بازیچۂ اطفال سے زیادہ نہیں ہے۔

علامہ دمیری اپنی کتاب حیات الحیوان میں ابن خلکان سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں سلطان محمود غزنوی حنفی المذہب تھا اور اسے علم حدیث سے بڑا شغف تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اکثر احادیث مذہب شافعی کے مطابق ہیں۔ وہ بڑا پریشان ہوا' آخرکار اس نے دونوں مذاہب کے علماء کو جمع کر کے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کے لئے سچے مذہب کی نشان دہی کریں۔ اور آخرکار یہ طے پایا کہ سلطان کے سامنے دو رکعت نماز مذہب شافعی کے

مطابق پڑھی جائے اور دو رکعت نماز مذہب حنفی کے مطابق پڑھی جائے۔ ان دونوں نمازوں کو دیکھ کر سلطان اپنے لئے بہتر فقہ کا انتخاب کرے گا۔ اس دور کے مشہور عالم قفال مروزی نے طہارت کی اور جملہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اچھی طرح سے وضو کیا اور قبلہ رخ ہو کر انتہائی خشوع و خضوع اور جملہ ارکان مستحبات و آداب سمیت دو رکعت نماز پڑھی۔ اور نماز کے بعد کہا کہ یہ نماز مذہب شافعی کے مطابق ہے اس سے کم تر آداب کی مذہب شافعی میں اجازت نہیں ہے۔ پھر اس نے حنفی فقہ کے مطابق نماز ادا کرنے کے لئے سب سے پہلے کتے کے رنگے ہوئے چمڑے کو پہنا اور اس کے کچھ حصے کو نجاست سے آلودہ کیا۔ کھجور کے شیرے سے وضو کیا۔ گرمیوں کا موسم تھا' شیرے کی وجہ سے مکھیاں اور مچھر اس پر اکٹھے ہو گئے اور اس نے سارا وضو ہی الٹا کیا۔ پھر قبلہ رخ ہو کر نیت کئے بغیر اللہ اکبر کہنے کی بجائے فارسی میں کہا خدا بزرگ است۔ پھر اس نے سورۂ رحمان کی ایک حرفی آیت "مدھامتن" کا فارسی ترجمہ کرتے ہوئے کہا دو برگ سبز۔ پھر کسی ترتیب و طمانیت کے بغیر مرغ کی طرح سجدے میں دو ٹھونگے مارے اور آخر میں تشہد و سلام پڑھے بغیر زور سے گوز مارا۔

پھر کہا سلطان معظم یہ ابوحنیفہ کی نماز ہے۔ سلطان کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس سے کہا اگر تم نے حنفی کتب سے اس نماز کو ثابت نہ کیا تو میں تجھے قتل کرا دوں گا۔ کیونکہ کوئی بھی دین دار ایسی نماز کو جائز نہیں سمجھ سکتا۔

احناف نے اس نماز کو حنفی نماز قرار دینے سے انکار کیا اور کہا کہ مذہب ابوحنیفہ میں اس نماز کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

قفال نے سلطان سے کہا کہ اسے ابوحنیفہ کی کتابیں فراہم کی جائیں۔ سلطان کے حکم سے کتابیں لائی گئیں اور سلطان نے ایک نصرانی کو حکم دیا کہ وہ مذکورہ کتابیں پڑھ کر سنائے۔ قفال کی پڑھی ہوئی نماز کا جواز کتب حنفیہ میں موجود تھا۔ اسی لئے سلطان محمود غزنوی نے حنفی مذہب کو چھوڑ کر مذہب شافعی اختیار کر لیا۔ ۲۴۔

ہمیں یقین ہے کہ اس نماز کو دیکھ کر آپ بھی سلطان محمود غزنوی کے ساتھ اپنی آواز ملا کر کہیں گے ایسی نماز کو کوئی بھی دین دار جائز قرار نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ایسی نماز کی بنیاد نہ تو عقل سلیم پر ہے اور نہ ہی شرع متین میں اس عجوبہ نماز کی گنجائش ہے۔ یہ نماز نصوص صریحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ امت کا اجماع ہے کہ وضو کے لئے پانی شرط

ہے۔ نماز کے لئے نیت فرض ہے اور تکبیر و قرات کے لئے عربی زبان شرط ہے۔ نماز کے لئے طمانیت ضروری ہے۔ ریح کے اخراج سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ ابوحنیفہ سے ایک اور عجیب مسئلہ منقول ہے۔ نماز میں بلا ارادہ ریح خارج ہو جائے تو نماز باطل ہے اور اگر جان بوجھ کر ریح خارج کی جائے تو نماز درست ہے۔

ان احکام و مسائل کو دیکھ کر آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس طرح کے احکام کسی طور بھی قابل قبول نہیں ہیں۔

اگر قیاس کو بھی جائز سمجھ لیا جائے تو بھی ایسے احکام کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ قیاس تو جب ہو کہ اس جیسے مسائل کی نظیر پہلے سے فقہ اسلامیہ میں موجود ہو۔ ان مسائل سے آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا مذہب تمام قیود سے آزاد ہے حتیٰ کہ وہ قیاس کی پابندی سے بھی آزاد ہے جس کے وہ بادی النظر میں قائل دکھائی دیتے ہیں۔

مذہب حنفیہ کی یہ مادر پدر آزادی ہی اس کی قبولیت عامہ کا سبب قرار پائی کیونکہ انسان فطری طور پر آزادی پسند ہے اور پابندی کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔ خاص طور پر جب کہ دین کے نام پر انسان کو دینی قیود سے آزادی مل رہی ہو تو وہ اس آزادی کو قبول کرنے پر فورا آمادہ ہو جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے چمن میں امام ابوحنیفہ نے جو گل کھلائے ہیں۔ ہم دانستہ اس سے یہاں کنارہ کشی کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اتنے مشہور ہیں کہ تمام مسلمان ان سے واقف ہیں۔

باقی مذاہب کے بانیان کا بھی کم و بیش یہی حال ہے کیونکہ انہوں نے بہت سے ایسے مسائل ایجاد کئے ہیں جن کا اسلام کی تعلیمات عالیہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

دعوت انصاف

سابقہ اوراق میں اہل سنت کا اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاءؐ کے متعلق جو عقیدہ ہے۔ آپ نے وہ ملاحظہ فرما لیا ہو گا اور ان لوگوں نے فقہ میں وہ عجیب و غریب مسائل داخل کئے ہیں جن کو عقل سلیم تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے اور طبع غیور ان کے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ تو کیا اس کے باوجود بھی ان مذاہب کو کسی طرح سے

مذہب جعفری کے ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ جس میں باری تعالیٰ کو تجسیم اور احتیاج سے منزہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کو تمام صغیرہ' کبیرہ گناہوں سے معصوم مانا جاتا ہے۔ جس کی جملہ تعلیمات اس خاندان اقدس سے ماخوذ ہیں جن سے اللہ نے رجس کو دور رکھا ہے اور جن کی تطہیر کا اعلان فرمایا ہے۔

جی ہاں! مذاہب اربعہ کے اصحاب راہ نورد تو ہیں لیکن غلط راستے کے۔ انہوں نے اپنے لئے اس تاریک راہ کا انتخاب کیا جو مصائب رکاوٹوں سے بھرا ہوا ہے اور انہی خود ساختہ رکاوٹوں کی وجہ سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے احکام سے قاصر رہے ہیں۔

اس کے برعکس شیعہ مطمئن ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں محبت اہل بیتؑ شیر مادر کی طرح گردش کر رہی ہے۔

شیعوں نے آل محمد علیہم السلام کی تعلیمات کے علاوہ کسی اور طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور آل محمدؐ کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم کے علاوہ کسی اور راستے کے راہی نہیں بنے۔

اہل بیتؑ طاہرین کی حبل متین سے تمسک رکھنے والا یہ گروہ انشاء اللہ بروز محشر اپنے ائمہ کے ساتھ محشور ہو گا۔ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے۔

باب ۴

شیعیت اور اس کا آغاز

لفظ شیعہ کے لغوی معانی: لغت میں لفظ "شیعہ" کا اطلاق گروہ پر ہوتا ہے۔ اور کبھی لفظ شیعہ کا اطلاق ایسے طاقتور گروہ پر ہوتا ہے جو امر واحد پر مجتمع ہو اور ان میں مکمل اتحاد و یگانگت پائی جاتی ہو۔ لہٰذا لفظ "شیعہ" لغوی طور پر کسی ایک گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس لفظ کا اطلاق ان تمام گروہوں پر ہو سکتا ہے جو کسی بھی امر پر مجتمع ہو چکے ہوں لیکن یہ لفظ عرف میں عمومی معنی سے منتقل ہو چکا ہے اور لفظ شیعہ کا اطلاق صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو دامن اہل بیتؑ سے تمسک رکھنے والے ہوں۔ یہ لفظ ان کا اسم خاص بن چکا ہے اور یہ اسم انہیں دیگر اسلامی فرقوں سے ممتاز کرتا ہے لغت کے مشہور عالم ابن منظور اپنی کتاب لسان العرب میں رقم طراز ہیں **والشیعته القوم الذین یجتمعون علی الامر' وکل قوم اجتمعوا علی امر فهم شیعته وکل قوم امر هم واحد یشیع بعضم رای بعض فهم شیع**۔ شیعہ اس قوم کو کہا جاتا ہے جو کسی امر پر اجتماع کرے' اور ہر وہ قوم جو کسی امر پر مجتمع ہو چکی ہو "شیعہ" کہلاتی ہے۔ ہر وہ قوم جس کا معاملہ ایک ہو جس میں کچھ لوگ کچھ لوگوں کی رائے کی پیروی کریں تو ایسی قوم شیعہ کہلاتی ہے۔ یہی ابن منظور ازہری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والشیعة اتباع الرجل وانصاره وجمعها شیع واشیاع جمع الجمع ویقال شایعه کما یقال والاه من الوالی۔ لفظ شیعہ سے مراد کسی شخص کے پیروکار اور مددگار ہوتے ہیں اس کی جمع "**شیع**" اور اس کی جمع الجمع "**اشیاع**" ہے اور **شایعه** بولا جاتا ہے جیسا کہ والی سے "**والاہ**" بولا جاتا ہے۔ علامہ مذکور لفظ شیعہ پر مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واصل الشیعة الفرقة من الناس ویقع علی الواحد والاشنین والجمع المذکر

والمؤنث بلفظ واحد و معنی واحد وقد غلب هذا الاسم علی من یتولی علیا واهل بیته رضوان الله علیهم اجمعین حتی صار لهم اسما خاصا فاذا قیل فلان من الشیعة عرف انه منهم واصل ذلک من المشایعة وهی المطاوعته والمتابعة

بنیادی طور پر "شیعہ" لوگوں کے گروہ کو کہا جاتا ہے۔ اور اس لفظ کا اطلاق واحد' تثنیہ' جمع مذکر اور جمع مونث پر یکساں ہوتا ہے اور یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو چکا ہے جو حضرت علیؑ اور ان کے خاندان سے محبت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لفظ ان کا اسم خاص بن چکا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شیعہ ہے تو اس کا یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس گروہ سے ہے جو حضرت علیؑ اور ان کے خاندان سے محبت رکھتا ہے اور یہ لفظ "مشایعت" مصدر سے بنا ہے جس کے معنی اتباع و تسلیم کے ہیں۔

آغاز شیعیت

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں یہ ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد شیعیت ایک واضح مقام حاصل کر چکی تھی آپ کسی بھی تاریخی کتاب کو پڑھیں تو اس دعویٰ کو درست پائیں گے۔ احمد امین لکھتا ہے شیعیت کی تخم ریزی اس جماعت کے ہاتھوں عمل میں آئی جو وفات پیغمبرؐ کے وقت خلافت کو حق اہل بیتؑ سمجھتے تھے۔ اس وقت اہل بیتؑ کے نمایاں افراد عباس بن عبدالمطلبؑ اور حضرت علی علیہ السلام تھے وہ جماعت یہ رائے رکھتی تھی کہ عباس کی بہ نسبت حضرت علیؑ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس کی وجوہات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور خود عباس نے بھی استحقاق خلافت کے متعلق حضرت علیؑ سے کبھی اختلاف نہیں کیا تھا۔ اگرچہ وہ میراث فدک کے متعلق اپنا حق فائق سمجھتے تھے اور انہوں نے اس مسئلہ پر حضرت علیؑ سے اختلاف بھی کیا تھا۔۲۵۔

محمد عبداللہ عنان کہتے ہیں علم کلام کی اصطلاح میں علیؑ اور ان کی اولاد کے پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کو شیعہ اہل بیت بھی کہتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

شیعیت کے متعلق بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعیت کا ظہور جنگ صفین میں تحکیم

کے وقت ہوا۔ جب خوارج حضرت علیؑ کو چھوڑ کر الگ جماعت بن گئے تو حضرت علیؑ کی پیروکار جماعت کو شیعہ کہا جانے لگا۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شیعیت کا ظہور صفین میں نہیں ہوا شیعیت تو وفات پیغمبر کے وقت بالکل ظاہر ہو کر آ گئی تھی۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری خلافت تک مسلسل مصائب و حوادث سے دوچار رہی۔

شیعیت کا پہلا بانی

اگر آپ تعصب کی پٹی اتار کر حقائق کا جائزہ لیں اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت الم نشرح ہو گی کہ شیعیت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی اور ان کی حیات طیبہ میں' ان کے سامنے بنی۔

آپ بھی میری طرح سے اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ شیعیت کی تخم ریزی اس جماعت کے ہاتھوں عمل میں نہیں آئی جو آنحضورؐ کی وفات کے وقت حضرت علیؑ کو مستحق خلافت سمجھتی تھی۔ جیسا کہ احمد امین کا خیال ہے۔

شیعیت کی تخم ریزی خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں سے انجام پذیر ہوئی ہے۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیعیت کی شجر کی تخم ریزی فرمائی ہے آپؐ کے بعد اس کی کونپل نکلی۔ اس شجر مبارک پر پتے لگنے شروع ہوئے اور جناب علیؑ کی آبیاری کی وجہ سے دیکھتے ہی دیکھتے یہ ننھا سا پودا تناور درخت بن کر محبت اہل بیتؑ کا پھل دینے لگا۔

ابو حاتم رازی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

پہلا اسلامی فرقہ جس کا نام رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نمودار ہوا' شیعہ تھا۔

لفظ شیعہ رسالت مابؐ کے چار جلیل القدر صحابیوں کا لقب تھا اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ ابوذر غفاری ۲۔ سلمان فارسی ۳۔ مقداد بن اسود ۴۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

جب جنگ صفین ہوئی تو حضرت علیؑ کی جماعت کو شیعہ کہا جاتا تھا اور معاویہ کی جماعت کو سنی کہا جاتا تھا۔۲۶۔

جب جزیرۂ عرب میں اسلام کا نور چمکا تو اس کے ساتھ ساتھ نور شیعیت بھی ساطع ہوا اور اکابر صحابہ نے توحید و رسالت نبویؐ کے اقرار کے ساتھ ساتھ حقیقت شیعیت کا بھی اقرار

کیا تھا۔

آپ نے ابھی پڑھا کہ رسولؐ اللہ کے چار صحابہ کو حیات نبویؐ میں شیعہ کہا جاتا تھا اور یہ سارے جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت ابوذر چوتھے یا پانچویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والی شخصیت ہیں۔ انہوں نے شیعی نظریات کا بڑی جانفشانی سے پرچار کیا۔ اور ان کی طرح سلمانؓ، عمارؓ اور مقدادؓ نے بھی اس حقیقت کو اجاگر کرنے میں نمایاں خدمات سر انجام دیں۔

فضائل شیعہ بزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

ہمارے پاس ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بڑی وضاحت سے لفظ شیعہ کی تصریح کی ہے اور ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعیت ایک تاریخی حقیقت کا نام ہے اور عقل سلیم اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں رقم طراز ہیں:

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا مجھے میرے خلیل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **یاعلی انک ستقدم علی اللہ و شیعتک راضین مرضین ویقدم علیہ عدوک غضابا مقمحین**۔ یاعلیؑ تو اور تیرے شیعہ خدا کے حضور اس حال میں آئیں گے کہ تم اللہ سے راضی ہو گے اور وہ تم سے راضی ہو گا اور تیرے دشمن خدا کے حضور پیچ و تاب کھائے اور گردن جھکائے پیش ہوں گے۔۲۷

امام احمد بن حنبل مناقب میں تحریر کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم میرے ساتھ جنت میں جاؤ گے اور حسنؑ و حسینؑ اور ہماری اولاد ہماری پشت کے پیچھے ہوں گے۔ اور ہماری ازواج ہماری اولاد کے پیچھے ہوں گی **وشیعتنا عن ایماننا وشمائلنا**۔ اور ہمارے شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر اسی صفحہ پر طبرانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

اول اربعتہ یدخلون الجنتہ انا و انت و الحسن و الحسین و ذمریتنا خلف ظھورنا و ازواجنا خلف ذ ریاتنا و شیعتنا عن ایماننا و

شمائلنا۔

"جنت میں سب سے پہلے میں، تو اور حسنؑ و حسینؑ ہم چار افراد داخل ہوں گے ہماری اولاد ہماری پشت کے پیچھے ہو گی اور ہماری ازواج ہماری اولاد کے پیچھے ہوں گی اور ہمارے شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

دیلمی سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

یاعلی ان اللہ قد غفر لک و لذرتیک و لولدک ولا ھلک و لشیعتک

"یاعلیؑ بے شک اللہ نے تمہیں، تمہاری اولاد، تمہاری نسل اور تمہارے خاندان اور تمہارے شیعوں کو معاف کیا ہے۔۲۸۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات کتب حدیث بالخصوص صواعق محرقہ میں موجود ہیں۔ یہ سب مذہب شیعہ کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ابن حجر مکی جیسا متعصب انسان بھی ان احادیث کو لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ ورنہ آپ کو علم ہے کہ اس نے اپنی کتاب صواعق محرقہ شیعوں کی مخالفت میں، تحریر کی ہے۔ مگر یہ حق کا کرشمہ ہے کہ اس جیسے متعصب انسان کو بھی سچ لکھتے ہی بنی اور اس طرح سے شیعوں پر بجلیاں گرانے والا خود ہی ان کی لپیٹ میں آ گیا۔

مذکورہ احادیث صرف مذہب شیعہ کی سبقت کی ہی دلیل نہیں ہیں بلکہ مذکورہ احادیث مقام شیعہ کی عظمت و رفعت کی بھی دلیل ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں شیعوں کا عظیم مقام تھا۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ہی اپنے اہل بیتؑ کا نام لیتے ہیں اس کے ساتھ ہی شیعوں کا بھی تذکرہ فرماتے ہیں اور جب اپنے اہل بیتؑ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں تو ان کے ساتھ شیعوں کو بھی جنت کی خوش خبری سناتے ہیں۔

خدا گواہ ہے یہ بہت بڑی منزلت ہے جس کو صرف صاحبان انصاف ہی محسوس کر سکتے ہیں اور اس رفعت و منزلت کا اقرار ہر وہ شخص کرے گا جسے اللہ نے عقل سلیم سے نوازا ہو گا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

باب ۵

شیعہ اثنا عشریہ

سابقہ بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ لفظ شیعہ' مشایعت اور متابعت سے ماخوذ ہے۔ اور شیعتہ الرجل کا اطلاق کسی شخص کے انصار و پیروکاروں پر ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات یقینی ہے کہ آپ اس صفت سے تب ہی متصف قرار دیئے جائیں گے جب آپ کسی کے امر پر عمل پیرا ہوں گے اور اس کی نہی پر رکیں گے اور اس کے اقوال سے ہدایت تلاش کریں اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلیں۔ لفظ شیعہ کا صحیح اطلاق صرف ان لوگوں پر ہی ممکن ہے جو اہل بیتؑ کی رہبری قبول کر کے ان کی راہ پر چلیں۔ اور ان کے نورانی چراغ سے روشنی تلاش کریں۔ اس وقت ہمیں شیعہ اثنا عشریہ کے علاوہ کوئی فرقہ ایسا دکھائی نہیں دیتا جس نے اہل بیتؑ طاہرین کی مکمل پیروی کی ہو۔

یہ شرف صرف شیعہ اثنا عشریہ کو ہی حاصل ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں روایات اہل بیتؑ کو ہی اپنے لئے اوڑھنا بچھونا قرار دیا ہے۔ اور اپنے جملہ اصول و فروع میں اہل بیتؑ پر ہی انحصار کیا ہے۔ اور یہی وہ فرقہ حقہ ہے جو کہ دنیا کے تمام اطراف و جوانب میں پھیلا ہوا ہے۔

اس طائفہ میں بادشاہوں' امراء' علماء' ادباء' مصنّفین' شعراء اور اہل عظمت و ہمت لوگوں نے جنم لیا۔ اور اسی فرقہ حقہ کے علماء کی تالیف و تصنیف سے دنیا کو روشنی ملی۔ ان جیسے مصنف و مؤلف آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھے۔۲۹۔

علمائے شیعہ نے تمام فنون اسلامی میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ اور آج تک عالم اسلام ان کی عظیم خدمات کا معترف ہے۔

لیکن بااین ہمہ آج تک اس فرقہ حقہ کے خلاف شبہات پھیلائے گئے اور دشمنوں نے

کذب و افتراء کی تمام سرحدیں پار کی ہیں۔

کتاب ہذا کی تالیف کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ اس میں شیعہ عقائد و نظریات کو اجمالی طور پر بیان کیا جائے۔

اس مقام پر ہم یہ واضح کرنا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ لفظ شیعہ کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سے گروہوں نے اپنے آپ کو اس نام سے وابستہ کرنے کے لئے شیعہ کہلایا۔ جب کہ ان گروہوں کا شیعیت بلکہ اسلام سے بھی دور کا واسطہ نہیں تھا۔ اور آج تک ان مذاہب باطلہ سے ہم اپنی بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ شیعیت ان گروہوں سے اتنی ہی لاتعلق ہے جیسا کہ بھیڑیئے حضرت یوسفؑ کے خون سے لاتعلق تھے۔ شیعہ آج تک ان کے دام میں نہیں پھنسے۔ شیعوں نے ہر دور میں ان کی تعلیمات کو رد کیا ہے۔ اور ان کے اقوال و نظریات کو شیعوں نے اسی طرح سے دور پھینکا جس طرح سے گٹھلی کو دور پھینکا جاتا ہے۔

عالم اسلام میں "کیسانیہ" نامی ایک فرقہ گذرا ہے۔ ان کے نظریات کے متعلق ابوالفتح شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں کہ ان کا نظریہ یہ ہے۔ دین ایک شخص کی اطاعت کا نام ہے۔ اور اس مرشد تک رسائی کی وجہ سے اس فرقے کے بہت سے افراد نے شرعی احکام کو لغو سمجھ کر چھوڑ دیا۔

اطاعت شخصی کی وجہ سے ان کا عقیدۂ معاد کمزور ہو گیا۔ اور وہ لوگ تناسخ ارواح اور حلول کے معتقد ہیں۔ اس فرقہ میں شخصیت پرستی کی وجہ سے نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ اس مذہب کے ایک سربراہ عبداللہ بن معاویہ نے دعویٰ کیا کہ اس میں اللہ کی روح حلول کر چکی ہے۔ اسی لئے اس نے بیک وقت الوہیت اور نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور کہتا تھا کہ مجھے علم غیب حاصل ہے اس کے پیروکاروں کا ایک گروہ اس کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اسی کیسانیہ فرقے کی ایک شاخ "بنانیہ" ہے۔ وہ لوگ حضرت علیؑ کو خدا سمجھتے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ علیؑ کی ذات میں خداوند عالم کی ایک جزو حلول کر چکی تھی اور ان کے جسم کے ساتھ متحد تھی۔

دنیائے اسلام میں خطابیہ نامی ایک فرقہ ہو گذرا ہے۔ جو ائمہ طاہرین کو انبیاء سمجھتے تھے۔ پھر مزید غلو کر کے انہوں نے ائمہ طاہرین کو خدا کہنا شروع کر دیا تھا۔ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو ان کے فاسد عقائد کی خبر ملی۔ تو آپؑ نے ان سے اپنی لاتعلقی اور بیزاری

کا اعلان کیا اور انہیں سخت سست کہا۔۳۰۔

ایک اور فرقہ "سبائیہ" ہو گذرا ہے جن کے متعلق عقد الفرید کے مصنف ہمیں بتاتے ہیں ان کا حضرت علیؑ کے متعلق وہی اعتقاد تھا جو عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے زمانہ خلافت میں انہیں آگ میں جلا دیا تھا۔

سطور بالا میں آپ نے چند باطل گروہوں کے نظریات کو ملاحظہ فرمایا ہے اور آپ نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہو گا کہ مذکورہ فرقے اسلام سے بہت دور ہیں۔

لیکن اس کے باوجود مخالفین شیعہ ان کو شیعہ فرقے ہی قرار دیتے ہیں اور انہیں مذہب جعفریہ کے ساتھ شامل کرنے پر بضد ہیں۔ جب کہ ہم ان سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ان پہ لعنت بھیجتے ہیں لوگوں کو ان کی اتباع سے ڈراتے ہیں اور ان کے نظریات قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ یقیناً متعصّب مصنّفین کا یہ رویہ لائق مذمت ہے اور مذکورہ فرقوں کو شیعہ قرار دینا مذہب حقہ کے حقوق پر ظلم ہے۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ فرقوں کے عقائد و آراء کو تحریر کرنا اپنے قلم کو داغدار کرنے کے مترادف ہے۔

خدا گواہ ہے مذکورہ فرقوں کو شیعہ کہنا تاریخی جھوٹ ہے اس سے تاریخ کا حسین چہرہ بدنما ہو جاتا ہے اور انسانیت کی جبین پر عرق ندامت کے قطرے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ان فرقوں سے ہمارا وہی تعلق ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا تھا۔

ننفیم عنا ولنا منهم ولاهم منا ولاترضا هم

ہم ان کی اپنے سے نفی کرتے ہیں اور ہم ان سے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا ہم سے کسی قسم کا تعلق ہے اور نہ ہی ہم ان پر خوش ہیں۔

انسان کو یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے جب نام نہاد "محققین" مذاہب و ملل کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ان فرقوں کو شیعہ قرار دیتے ہیں۔ شاید ان بددیانت افراد کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں الزام تراشی اور بہتان بازی کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔

ان بددیانت لوگوں کے تعصب کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے ان فرقوں کو محض اس لئے شیعہ قرار دیا ہے کہ وہ محبت علیؑ کے دعویدار تھے۔ اگر محبت علیؑ کے دعویٰ کی وجہ سے کسی کو شیعہ شمار کرنا ہی ہے تو ان مصنّفین کا فرض ہے کہ جب وہ مذہب شیعہ کے فرقوں کی

گنتی شروع کریں تو اپنے آپ کو بھی اس میں شمار کریں۔ کیونکہ ان کے مذہب میں بھی حضرت علیؑ سے محبت رکھنا فرض ہے اور وہ خود بھی زبان سے محبت علیؑ کا دعویٰ کرتے تھکتے نہیں ہیں۔ آخر پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے محبت علیؑ کے دعویٰ کے باوجود بھی اپنے آپ کو شیعہ کیوں نہیں کہلایا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بے دین فرقوں کو شیعہ قرار دینے سے کسی مسلمان فرقے کو شیعہ تصور کرنا زیادہ بہتر ہے۔

شہرستانی کا مذموم طرز عمل

ہمیں شہرستانی کے رویہ پر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ اس نے مذہب شیعہ کے فرقے شمار کرتے ہوئے "کاملیہ" نامی فرقے کو شیعوں کی ایک شاخ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس فرقے کا بانی ابو کامل تھا۔ اور وہ تمام صحابہ کو کافر سمجھتا تھا کیونکہ انہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی اور پھر حضرت علیؑ پر بھی طعن کرتا تھا کہ انہوں نے بغیر کسی مجبوری کے اپنے حق کو طلب نہیں کیا۔۳۱

جس فرقہ کا یہ اعتقاد ہو اسے کسی طرح سے بھی شیعہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے افعال کو غلط کہنے والا شخص شیعہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ شہرستانی کی علمی تہی دامنی کی یہ حالت ہے کہ وہ علیؑ کے مخالفین کو بھی شیعان علیؑ میں شمار کرتے ہیں۔

شہرستانی اور اس جیسے دوسرے متعصب مؤلفین کی طرف سے ایسے فرقوں کو شیعوں کی شاخ قرار دینے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے مذہب شیعہ کی عظمت کو لوگوں کی نگاہوں میں کم کیا جا سکے اور لوگ مذہب شیعہ کو غلط عقائد رکھنے والے فرقے کی حیثیت سے پہنچانیں۔ لوگ شیعوں سے متنفر ہوں اور ان کی دعوت پر کان نہ دھریں۔ بددیانتی کی انتہا یہ ہے کہ وہ فرقے جن میں تناسخ، حلول اور انسانوں کو خدا ماننے کا عقیدہ موجود تھا۔ اور جنہیں قطعاً" اہمیت نہیں دینی چاہئے تھی، اور جن کو مکمل طور پر ٹھکرانا چاہئے تھا، انہیں شہرستانی بڑے چٹخارے لے لے کر بیان کرتے رہے اور اس کارروائی کا مقصد صرف مذہب شیعہ کو بدنام کرنا تھا۔

ایک عام قاری جس نے شیعیت کا کبھی مطالعہ نہ کیا ہو اور شیعی عقائد سے باخبر نہ ہو اور وہ اتفاقاً شہرستانی کی "الملل والنحل" کا مطالعہ کرے تو وہ بے چارہ مذہب شیعہ کے متعلق

یہی فیصلہ کرے گا کہ اس کا تعلق ان جاہل فرقوں سے ہے جنہیں علمی حلاوت کا ذائقہ نصیب نہیں ہوا اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ جی ہاں! اندھا مذہبی تعصب اور اپنی مذموم اغراض کی پیروی انسان کو اس قدر شقی القلب بنا دیتی ہے کہ وہ حق و باطل کی تمیز کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور اپنے مخالفین پر بے سروپا الزامات تراشنے لگتا ہے۔ اس تعصب کی وجہ سے دانستہ طور پر حقائق کی نفی کی گئی اور عقائد صحیحہ کی مضبوط عمارت کو گرانے کی مذموم کوششیں کی گئیں ہم اس قسم کے تمام مصنفین کی مذمت کرتے ہیں۔ جنہوں نے صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی اور مذہب شیعہ کے عقائد بیان کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا۔ ان لوگوں نے ان بے سروپا باتوں سے صرف اپنے آپ کو خوش کیا اور اپنے ضمیر کو مغالطہ میں رکھا۔ اپنے مخالفین کے نظریات بیان کرتے وقت ان کی کتابوں کو دیکھنے کی زحمت تک بھی گوارا نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان بے دلیل دعووں کو ماننے کے لئے کوئی فرد بھی تیار نہیں ہے اور نور علم سے روشنی حاصل کرنے والے مصنّفین کی نگاہوں میں ان کتب کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔

علمائے شیعہ کی عادلانہ روش

اس کے برعکس کائنات میں جس طرح سے شیعوں نے حقوق مناظرہ کی پاسداری کی ہے وہ انتہائی لائق تحسین ہے۔

شیعہ علماء نے اپنے مخالفین پر کبھی بھی ایسے عقیدہ کا الزام نہیں لگایا' جو ان کی مستند کتابوں میں موجود نہ ہو۔

شیعہ علماء کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے اگر انہوں نے کسی مذہب کے افراد میں کہیں شاذ نظریہ محسوس کیا تو اسے علیحدہ ذکر کیا۔ اور کبھی بھی دوسرے مذہب کی طرف اس کے انتساب کو گوارا نہیں کیا۔ علماء شیعہ کی انصاف پسندی کے لئے درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

"حائطیہ" اور "حدثیہ" کے عقائد

مذہب معتزلہ میں حائطیہ اور حدثیہ نام کے دو فرقے پائے جاتے تھے۔ جن کے نظریات

کے متعلق "الملل والنحل" میں شہرستانی لکھتے ہیں یہ دونوں فرقے نصاریٰ کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مسیح علیہ السلام ہی مخلوق سے حساب لیں گے یہ دونوں فرقے تناسخ کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس جہان کے بعد اللہ تعالیٰ ایک اور جہاں بنائے گا جہاں اپنی اس مخلوق کو دوبارہ صحیح اور تندرست حالت میں خلق کرے گا۔

مشبہہ فرقے کا عقیدہ

اس فرقے کا تعلق اہل سنت سے ہے۔ اس کے عقیدہ کے متعلق شہرستانی لکھتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ سے مصافحہ اور لمس کو جائز قرار دیتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ مخلص لوگوں کو دنیا اور آخرت میں اللہ کا دیدار ہوتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھی جسم ہے اور اس جسم میں گوشت و خون کے علاوہ تمام اعضا و جوارح موجود ہیں۔ یعنی اللہ کا سر ہے ہاتھ ہیں آنکھیں' کان وغیرہ سب کچھ انسانوں کی طرح ہے۔ اس کے جسم پر گھنے بال ہیں اور اللہ کے سر پر گھنگھریالے بال ہیں۔ الغرض وہ جسم خداوندی کے متعلق ان تمام صفات کے قائل ہیں جو کسی بھی انسانی جسم میں ہونی چاہئیں۔

وہ اللہ کے جسم کے متعلق خبر اس طرح سے دیتے ہیں جیسے وہ اسے دیکھ چکے ہوں اور پوری طرح دیکھنے کے بعد اس کے متعلق خبر دے رہے ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اللہ کی آنکھیں دکھنے لگی تھیں تو فرشتوں نے اس کی عیادت کی تھی۔ اور اللہ طوفان نوحؑ کے بعد اتنا رویا تھا کہ اسے آشوب چشم ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کی جہالت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے اللہ کی شرم گاہ اور داڑھی کے متعلق مت پوچھو' اس کے علاوہ جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ **(نعوذ باللہ من ذالک)**

فرقہ کرامیہ کے عقائد

اس فرقے کا تعلق بھی اہل سنت سے ہے ان کے عقائد کے متعلق شہرستانی ہمیں یہ بتاتے ہیں۔

یہ لوگ خداوند عالم کی جسمانیت کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا' جگہ تبدیل کرنا' اور اترنا اور چڑھنا جائز ہے۔ اور اس سے

اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ان فرقوں کے عقائد اپنے محترم قارئین کے سامنے ہم نے صرف اس لئے پیش کئے ہیں کہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے شیعہ کو ان عقائد کی خبر ہے مگر اس کے باوجود ہماری دیانت داری یہ ہے کہ ہم نے ان فرقوں کی وجہ سے معتزلہ کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی طرح سے مشبہہ اور کرامیہ فرقوں کے عقائد سے ہم بخوبی واقف ہیں لیکن ہم نے کبھی بھی ان کی وجہ سے پورے مذہب اہل سنت کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں کی اور کبھی بھی ان کے کافرانہ خیالات کو عموم اہل سنت کے عقیدہ کے طور پر پیش نہیں کیا ہے۔

ہماری ازل سے یہ روش رہی ہے کہ ہم نے کبھی بھی مجرم کی بجائے بے گناہ کو نہیں پکڑا۔ اور حقائق کو بعینہ پیش کرنا صرف ہمارا ہی شیوہ رہا ہے۔ **والحمدللہ علی ذلک**

اس روش کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے **ولایجر منکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا الخ** کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے بے انصافی نہ کرنا۔ تو الحمدللہ علمائے شیعہ آج تک حکم الٰہی پر عمل کرتے آئے ہیں۔

کاش علمائے شیعہ کے طرز عمل کو شہرستانی اپنے لئے مشعل راہ بنا لیتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ لیکن اسے تعصب نے اتنا بے بہرہ کر رکھا تھا کہ خارج از اسلام فرقوں کے عقائد باطلہ کو بھی مظلوم شیعوں کے سر تھوپتا رہا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس نے ایک اور جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے شیعہ اعلام و صالحین کو بدنام کرنے کے لئے ان کے نام سے ایسے واہیات عقائد منسوب کئے ہیں جو کسی طور پر بھی ان سے ثابت نہیں ہیں۔ اس شخص نے شیعہ شخصیات پر وہ بدترین الزام لگائے جن سے آسمان پھٹ سکتا ہے اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتی ہے اور پہاڑ گر سکتے ہیں۔

اب آپ شہرستانی کی بدترین خیانت ملاحظہ فرمائیں۔ شہرستانی "ہشامین" یعنی ہشام بن الحکم اور ہشام بن سالم کے متعلق لکھتا ہے۔

ہشام بن الحکم اور ہشام بن سالم تشبیہ باری کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ہشام بن الحکم نے یہاں تک غلو کیا کہ حضرت علیؑ کی الوہیت کا قائل ہو گیا اور ہشام بن سالم نے انبیاء سے صدور معصیت کو جائز قرار دیا۔ ہشام بن الحکم علم الٰہی کو حادث جانتا تھا اور اس مسئلہ میں

زرارہ بن اعین اس کا ہم خیال تھا اور صفات باری یعنی قدرت و حیات وغیرہ کو صفات زائدہ تصور کرتا تھا اور اس کا اعتقاد یہ تھا کہ ان صفات کی تخلیق سے پہلے اللہ نہ تو عالم تھا' نہ قادر تھا' نہ حی تھا' نہ سمیع و بصیر تھا اور نہ ہی مرید و متکلم تھا۔

شہرستانی اپنے دروغ بے فروغ کو مزید وسعت دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہشام کا اعتقاد تھا کہ اللہ کو واقعہ کے ظہور سے قبل اس کی خبر نہیں ہوتی اور مومن الطاق (رضوان اللہ علیہ) بھی اس مسئلہ میں اس کا ہم عقیدہ تھا۔ اور وہ **ان اللہ خلق ادم علی صورتہ** کے تحت تجسیم باری کا قائل تھا۔۳۲۔

اس کے علاوہ اس نے اور بھی بہت سے عقائد فاسدہ کی نسبت علمائے شیعہ کی طرف کی ہے۔ ان علمائے اعلام کی طرف ان عقائد کی نسبت دیتے ہوئے اسے قطعی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ حالانکہ علمائے دین نے اہل بیت طاہرینؑ سے ان احادیث کی روایت کی ہے جسے اہل بیتؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول خدا سے روایت کیا ہے۔ جسے رسول خدا نے جبریلؑ سے' جبریلؑ نے لوحؑ سے' لوحؑ نے قلم سے' قلم نے باری تعالیٰ سے روایت کی ہے۔

ہمارے محترم قارئین کو علم ہے کہ جھوٹا شخص اپنی تردید خود ہی کیا کرتا ہے اور یہی معاملہ شہرستانی کے ساتھ پیش آیا۔

جناب ہشام بن الحکم کی طرف نظریہ تشبیہ کی نسبت دینے کے بعد تھوڑا سا حق لکھنے پر مجبور ہوا اور اسے یہ لکھنا پڑا۔

ہشام بن الحکم اصول دین کا بہت بڑا عالم تھا اور اس بات پر باور کرنا مشکل ہی ہے کہ جن عقائد کا الزام وہ معتزلہ کو دیتا تھا وہ خود ہی ان عقائد کا حامل ہو جائے۔ اتنا بڑا عالم عقیدۂ تشبیہ کا قائل نہیں ہو سکتا۔

ہمیں شہرستانی کے رویہ پر تعجب ہے کہ جب وہ ہشام بن الحکم کو اصول دین کا اتنا بڑا عالم سمجھتا تھا تو پھر اس نے ہشام پر یہ الزام کیوں لگایا کہ ہشام حضرت علیؑ کو خدا جانتا تھا۔ جب کہ ایسا عقیدہ ہشام سے ہزار گنا کم علم شخص بھی رکھنے پر آمادہ نہیں ہے۔

ہشامؒ کی توثیق

حضرت ہشام بن الحکم امام جعفر صادقؑ کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ آپ عظیم القدر

فقیہ اور قوی الحجت انسان تھے۔ آپ انتہائی صائب الرائے اور مضبوط ایمان والے تھے۔ اور اپنے دور کے عظیم عالم تھے۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ وہ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کی صحبت میں کافی عرصہ رہے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں ہشام کو وہ مقام حاصل تھا جو اس سے سن رسیدہ اور زیادہ صحبت کا شرف رکھنے والے افراد کو بھی حاصل نہ تھا۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے علم حاصل کیا۔

ذیل میں ہم چند واقعات درج کرتے ہیں جن سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ امام جعفر صادقؑ کی نگاہ میں ہشام کا مقام کتنا بلند تھا روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام منیٰ میں موجود تھے اور اس وقت آپؑ کے ساتھ بزرگ شیعہ رہنما حمران' قیس الماصر' یونس بن یعقوب اور ابو جعفر احول موجود تھے۔ اتنے میں ہشام جن کی ابھی مسیں بھیگی تھیں' امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے ان سب بزرگوں کی موجودگی میں ہشام کو بلند مقام پر بٹھایا۔ اور جب امام علیہ السلام نے محسوس کیا کہ آپ کا یہ عمل بزرگ اصحاب پر گراں گذرا ہے تو آپ نے ان کے سوال کا انتظار کئے بغیر ہی ارشاد فرمایا:

هذا ناصرنا بقلبه ولسانه ويده۔ "یہ اپنے دل' زبان اور اپنے ہاتھ سے ہمارا مددگار ہے۔"

ایک مرتبہ ہشام نے امام علیہ السلام سے اسمائے الٰہی اور ان کے اشتقاق کے متعلق دریافت کیا۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا اور فرمایا: ہشام کیا تم نے جواب اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے اور اس جواب کی وجہ سے تم ہمارے دشمنوں اور ملحدوں کو جواب دے سکو گے؟

ہشام نے عرض کیا جی ہاں! امام علیہ السلام نے اسے دعا دیتے ہوئے فرمایا اللہ تمہیں اس سے نفع دے اور تمہیں اس پر ثابت رکھے۔

ہشام کہتے ہیں کہ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ مجھے آج تک کوئی بڑے سے بڑا ملحد بھی مسائل توحید میں لاجواب نہیں کر سکا۔ اور میں اس مقام پر پہنچ گیا۔ جس شخص کو امام علیہ السلام نے اس کی صغر سنی کے باوجود بھی بلند مرتبہ عنایت فرمایا ہو اور جس کے حق میں امامؑ نے علم سے نفع مند ہونے اور ثابت قدم رہنے کی دعا کی ہو اور جس کو امام اپنا ناصر کہتے ہوں تو کیا اس عظیم القدر انسان پر ایسی تہمت لگائی جا سکتی ہے؟ واضح ہو کہ ایسا عقیدہ صرف

وہی رکھ سکتا ہے جس کا دل ایمان سے خالی ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ آخر شہرستانی نے ہشام اور امام صادقؑ کے دوسرے اصحاب کے جو عقائد بیان کئے ہیں' وہ عقائد اس نے مذہب شیعہ کی کس کتاب میں پڑھے ہیں۔ جب کہ شیعہ کتابوں میں اس قسم کی روایات کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔ اور ہر دور میں بحمداللہ شیعہ کتابیں بکثرت رہی ہیں۔ ہر زمانے میں لوگ ان کتابوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جن عقائد کی اطلاع خود شیعوں کو بھی نہیں ملی' ان عقائد کی اطلاع شہرستانی کو کہاں سے مل گئی

سر خدا کہ عارف کامل بکس نگفت
در حیر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید

ہرگز نہیں' یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ اہل مکہ کو وہاں کی گھاٹیوں کا دوسروں سے زیادہ علم ہے۔ اور گھر والے اپنے گھر کی چیزوں کو بہتر جانتے ہیں۔ بفرض محال اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ شیعوں کو اپنے رواۃ کے متعلق وہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں جو کہ شہرستانی کو حاصل تھیں۔ تو کیا یہ بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی ان رواۃ کے عقائد کی خبر نہ تھی؟ **وذلک محال**

امام صادق علیہ السلام کے متعلق ہمیں خود شہرستانی یہ بتا چکے ہیں کہ جب انہیں فرقہ خطابیہ کے عقائد کا علم ہوا تو انہوں نے ان پر لعنت کی اور اپنے شاگردوں کے سامنے اپنی لاتعلقی کا اعلان فرمایا۔ لہٰذا اگر خدانخواستہ ہشامین' زرارہ بن اعین اور مومن الطاق رضوان اللہ علیہم کے اگر فی الحقیقت وہی اعتقاد تھے جو شہرستانی نے بیان کئے ہیں تو امام علیہ السلام لامحالہ ان سے بھی اپنی بے زاری کا اعلان کر دیتے جیسا کہ اس سے قبل فرقہ خطابیہ سے بے زاری کا اعلان کر چکے تھے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔

شہرستانی کے پاس تہتر مذاہب کی فہرست اور ان کے عقائد کی تفصیل نہیں تھی اور وہ اس طرح سے تہتر کے نصاب کو پورا کرنے سے قاصر تھا۔

لہٰذا اس نے گنتی پوری کرنے کے لئے اپنی حسب منشاء فرقوں کی تعداد گنوانی شروع کر دی اور اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ آیا فی الواقع یہ فرقے کائنات کے کسی

گوشے میں موجود بھی ہیں یا عنقا ہیں۔ اس بے چارے کی بس یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کو پورا کیا جائے۔ اور بس

اللہ اللہ خیر سلا

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ شہرستانی نے اپنی کتاب میں فرقوں کی تعداد بڑھانے کے لئے نعمانیہ اور ہشامیہ فرقے کا اضافہ کیا ہے اور اس کے لئے بہتان تراشی سے دریغ نہیں کیا ورنہ خدا شاہد ہے اور رسولؐ اور مومنین اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ کائنات میں ان فرقوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔

مذکورہ علمائے اسلام کسی انفرادی مذہب کے بانی نہیں تھے وہ تو سیدھے سادے شیعہ اثنا عشری تھے۔ اور ان کا شمار مذہب اثناعشری کے ان جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے جن پر شیعہ دین و دنیا کا اعتماد کرتے ہیں۔

ائمہ ھدی علیہم السلام کی بیان کردہ تفسیر و حدیث کے لئے ان پر انحصار کیا جاتا ہے۔ مظلوم شیعوں پر یہ تہمتیں سب سے پہلے شہرستانی نے ہی نہیں تراشیں بلکہ اس سے پہلے بھی ہمارے خلاف کذب و افتراء کے طوفان باندھے گئے ہیں۔

شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں صرف اسی مقام پر ہی غلطی نہیں کی بلکہ اس نے بہت سے مقامات پر اپنے بزرگوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بہتان بازی سے کام لیا ہے۔ اگر ہم اس کے تمام الزامات کی تردید شروع کر دیں تو اس سے کتاب کا حجم بہت بڑھ جائے گا۔

یہ چند الزامات ہم نے صرف اپنے محترم قارئین کی تسلی کے لئے نقل کئے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو یہ معلوم رہے کہ مذہب حقہ کو آج تک کتنے مصائب و حوادث سے دوچار ہونا پڑا ہے اور اس مذہب کے خلاف مورخین نے کس قدر بہتان تراشی سے کام لیا ہے۔

اب ہم حسب وعدہ شیعہ اثناعشری عقائد کی ایک اجمالی بحث پیش کرنا چاہتے ہیں۔

مذہب حقہ کے دیگر نام

اس فرقہ حقہ کے دیگر تین نام بھی ہیں۔ اس فرقہ کو اثنا عشریہ' امامیہ اور جعفریہ بھی کہا جاتا ہے۔

تینوں الفاظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان سب کا مفہوم ایک ہے۔

اثنا عشریہ کی وجہ تسمیہ

عربی زبان میں اثنا عشر بارہ کو کہا جاتا ہے۔ فرقہ حقہ چونکہ ائمہ کی امامت کا قائل ہے اسی نسبت سے اس فرقہ کو اثنا عشریہ کہا جاتا ہے بارہ ائمہ طاہرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت علی علیہ السلام
۲۔ حضرت امام حسن علیہ السلام
۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام
۴۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام
۵۔ حضرت محمد باقر علیہ السلام
۶۔ حضرت جعفر صادق علیہ السلام
۷۔ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام
۸۔ حضرت علی رضا علی السلام
۹۔ حضرت محمد تقی علیہ السلام
۱۰۔ حضرت علی نقی علیہ السلام
۱۱۔ حضرت حسن عسکری علیہ السلام
۱۲۔ حضرت مہدی علیہ السلام

امامیہ کی وجہ تسمیہ

لفظ امامیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ فرقہ امام کے تقرر کو واجب سمجھتا ہے اور اس فرقہ کا نظریہ یہ ہے کہ امام کا تقرر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور کائنات کی رہنمائی کے لئے امام کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ پر لطفاً" فرض ہے اس فرقہ کے نزدیک امامت اصول دین میں داخل ہے۔

لفظ امامیہ میں عمومیت کا مفہوم پایا جاتا ہے کیونکہ ہر شیعہ فرقہ جو کہ امامت کے وجوب کا قائل ہے اگرچہ وہ اثنا عشری نہ بھی ہو' پھر بھی لفظی طور پر اسے امامیہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن عرف عام میں یہ لفظ صرف شیعہ اثنا عشریہ سے ہی مخصوص ہے۔

اس لفظ کا جب بھی اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے شیعہ اثنا عشری ہی مراد ہوتے ہیں۔

جعفریہ کی وجہ تسمیہ

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسبت کی وجہ سے مذہب حقہ کو مذہب جعفریہ بھی کہا جاتا ہے آپ کو علم ہے کہ شیعہ امام صادق علیہ السلام کو آخری امام نہیں مانتے۔ شیعہ بارہ ائمہ کی امامت کے قائل ہیں۔

اس مذہب کو امام جعفر صادق سے منسوب کرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ آپؑ نے

اپنے آبائے طاہرینؑ کے دبستان فقہ کو مرتب فرمایا اور آپؑ کو دین کی تبلیغ کا دوسرے ائمہ کی بہ نسبت زیادہ موقع ملا۔ جب کہ آپؑ کے آبائے طاہرینؑ کو کھل کر دین کی تبلیغ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا کیونکہ ان کا زمانہ خوف و خطر سے لبریز تھا۔ اور آپؑ کو کچھ سکون محسوس ہوا تو حقائق دین کی کھل کر اشاعت فرمائی۔

آپؑ کے مدرسہ علمی میں شاگرد بکثرت تھے ان کے ذریعہ سے آپؑ کے علوم و معارف دنیا تک پہنچے جن سے لوگوں کو مذہب شیعہ کے علوم و افکار سے آشنائی نصیب ہوئی اسی وجہ سے مذہب حقہ کو مذہب جعفریہ سے تعبیر کیا جانے لگا۔ اور آج تک یہ فرقہ اسی نام سے موسوم ہے۔

بعض علاقوں میں شیعہ اثنا عشریہ کو "متاولہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہ نیا نام ہے اور یہ نام آج سے چار صدی قبل وجود میں آیا یہ نام صرف شام اور خاص طور پر جبل عامل اور .علبک میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ باقی تمام مقامات پر شیعہ کو مذکورہ تین ناموں سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔

ہمیں اس نام کی صحیح وجہ تسمیہ کا علم نہیں ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ شام کے علاقوں میں مذہب شیعہ کے پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے یا تعصب کی وجہ سے رافضی کہا جاتا ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ لفظ "متاولہ" متوالی سے مشتق ہے۔ جس کے معنی اہل بیتؑ کے پیروکار کے ہیں۔ اس لحاظ سے لفظ "متاولہ" تولیٰ سے مشتق علی غیرالقیاس قرار پائے گا۔ اور پھر بھی اس میں غلطی یہ ہے کہ اس صورت میں اس کی جمع " متولية" ہونی چاہئے تھی۔ اور ممکن ہے کہ یہ لفظ "توالیٰ" فعل سے مشتق ہو۔ توالیٰ کے معنی پے در پے کسی چیز کا لینا ہے۔ اس سے متاولہ اسم فاعل ہے اور غالبا اس کی وجہ تسمیہ پھر یہ قرار پائے گی چونکہ اس فرقہ نے نسل در نسل اہل بیتؑ طاہرین کی محبت کا دم بھرا ہے اور ان ذوات قدسیہ کی پیروی کا انہیں شرف حاصل رہا ہے اسی وجہ سے انہیں "متاولہ" کہا گیا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی لغوی قباحت یہ ہے کہ "متوالی" کی جمع "متوالین" ہوتی ہے "متاولہ" نہیں ہوتی۔

خلافت امیرالمومنین علیہ السلام

معدودے چند لوگوں کے سوا امت اسلامیہ کا رسولؐ اللہ کے بعد وجوب خلافت پر اجماع

ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو انسانی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تاکہ مخلوق خدا کی دنیا و آخرت کی اصلاح ہو سکے۔ اور اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے خلافت کی ضرورت ہے۔

بہر نوع تمام امت اسلامیہ خلافت کے مسئلہ پر متفق ہے۔ البتہ خلیفہ کی تعیین میں اختلاف پیدا ہوا کہ مسند خلافت کے قابل کون ہے اور آیا خلافت کا حصول اجماع مسلمین سے ممکن ہے یا اس کے لئے نص کی ضرورت ہے۔

شیعہ کے تمام طبقات نص کے قائل ہیں۔ کیوں کہ امامت خدائی منصب ہے اور امامت ارکان دین میں سے ایک رکن ہے۔ اور امام کے لئے نص اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ نبی کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ امام نبی کا جانشین اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔

نبی پر فرض ہے کہ وہ اپنے جانشین کی نشان دہی کر کے جائے تاکہ امت اختلاف کا شکار ہو کر گمراہی کے گڑھے میں نہ گرنے پائے۔ اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے چند نصوص پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر خداوند عالم نے ہمیں مستقبل میں توفیق عنایت فرمائی تو مسئلہ امامت پر ایک ضخیم کتاب لکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ جس میں موضوع کے تمام اطراف کا احاطہ کیا جائے گا اور انشاء اللہ وہ دن بہت قریب ہے۔

حدیث غدیر

امیرالمومنین علیہ السلام کے حق خلافت کے لئے شیعہ حدیث غدیر کو برہان قاطع تصور کرتے ہیں۔۳۳۔

اس خطبہ کو موافق اور مخالف سب نے تحریر کیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خطبہ میں فرمایا: "لوگو! میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا حکم آ جائے اور میں اس دار فانی سے کوچ کر جاؤں۔ مجھ سے بھی سوال ہونا ہے اور تم سے بھی سوال ہونا ہے بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟"

یہ سن کر تمام سامعین نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچائے آپ نے پوری جاں فشانی کی اور آپ نے امت کی خیرخواہی کی۔

اللہ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور یہ کہ جنت حق ہے' موت حق ہے اور قبروں سے اٹھایا جانا حق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ اہل قبور کو مبعوث کرے گا؟ تمام سامعین نے جواب دیا جی ہاں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سن کر رسول خداؐ نے کہا خدایا گواہ رہنا۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو کتاب اللہ سے تمسک کی مسلسل ترغیب دی اور اپنے اہل بیتؑ سے بھلائی کی وصیت فرمائی اور اس کی بار بار تاکید کی پھر لوگوں سے پوچھا **الست اولی بکم من انفسکم** کیا میں تمہارے نفوس کا تم سے زیادہ متصرف نہیں ہوں؟ تمام سننے والوں نے بیک آواز جواب دیا بے شک آپؐ ہی ہمارے حاکم اور متصرف ہیں۔

پھر آپؐ نے وہاں کھڑے ہوئے علیؑ کے دائیں ہاتھ کو پکڑا اور اسے بلند کر کے فرمایا **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم و ال من و الاہ و عاد من عاداہ و احب من احبہ و ابغض من بغضہ و انصرمن نصرہ و اعن من اعانہ واخذل من خذلہ و ادر الحق معہ حیث دار** جس کا میںؐ مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ خدایا جو علیؑ سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ جو اس سے الفت رکھے تو بھی اس سے الفت رکھ اور جو اس سے بغض رکھے تو بھی اس سے بغض رکھ۔ اور جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو اس کو چھوڑے تو بھی اس کو چھوڑ دے اور جدھر یہ پھرے حق کو اس کے ساتھ پھیر دینا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس حدیث شریف کی صحت کے لئے ہمیں کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث ان متواتر احادیث میں سے ایک ہے جن کا انکار ہٹ دھرم شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کی توثیق کے لئے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے **انہ حدیث صحیح لامریۃ فیہ**۔ بے شک یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی روایت ہے۔ جس میں ترمذی' نسائی اور احمد شامل ہیں۔

اس حدیث کے بہت سے اسناد ہیں۔ اور حضرت علیؑ کے ایام خلافت میں جب نزاع

پیدا ہوا تو سولہ صحابیوں نے اس کی گواہی دی تھی۔ اس حدیث شریف کے اکثر اسناد صحیح اور حسن ہیں۔ جن لوگوں نے حدیث کی صحت پر جرح کی ہے وہ قابل التفات نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت علیؑ موقع پر موجود نہ تھے وہ اس وقت یمن میں تھے مگر ان لوگوں کا یہ قول انتہائی لغو اور غلط ہے۔ کیونکہ علیؑ یمن سے واپس آ گئے تھے اور ان کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونا مسلم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ **اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ** کا اضافہ موضوع اور مردود ہے۔

حدیث غدیر متعدد طرق سے مروی ہے جن میں سے بہت سے طرق کو ذہبی نے صحیح السند کہا ہے۔

ہم اس حدیث شریف کے مفہوم پر ایک جامع بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بحث آج کے دور کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ اور ہم اپنے قارئین سے پرامید ہیں کہ وہ اس طوالت سے تنگ دل نہیں ہوں گے اور ہماری ان معروضات پر اچھی طرح سے توجہ فرمائیں گے۔ اس حدیث کی صحت سند کے متعلق بحث اس لئے بے سود ہے کہ اس کی گواہی سولہ صحابی دے چکے ہیں۔

لفظ مولیٰ کا مفہوم

اس مقام پر ہمیں "**دلالتہ النص**" کے حوالہ سے کچھ گفتگو کرنی مقصود ہے آپ سے التماس ہے کہ اسے پوری توجہ سے ملاحظہ فرمائیں **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** کی حدیث پاک کا مفہوم یہی ہے کہ میںؐ جس کا اولیٰ بالتصرف ہوں اس کا علیؑ اولیٰ بالتصرف ہے۔ اور علی کی اولویت خلافت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس مقام پر **مولیٰ بمعنی اولیٰ** وحدت سیاق کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **من کنت مولاہ** کے فوراً بعد **فھذا علی مولاہ** فرمایا ہے۔ اور لغت عربی کے ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ **الفاء للترتیب**۔ فاء ترتیب کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں مفہوم یہ بنے گا کہ میرے فوراً بعد ہی علیؑ تمہارا حاکم اور مولا ہے۔ مولیٰ کے معنی میں رد و بدل کے لئے فاء کو **استیناف** کے لئے قرار دینا غلط ہے کیونکہ یہ قواعد نحو کے خلاف ہے۔ لغوی طور پر مولی بمعنی اولیٰ کوئی جدید چیز نہیں ہے کیونکہ لغت عرب میں **مولیٰ بمعنی اولیٰ** استعمال ہوتا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جوہری اپنی صحاح میں کہتے ہیں کہ لبید کے اس شعر میں

فقدت کلا الفرخین تحسب انه

مولی المخافته خلفها و امامها

میں مولیٰ ۔ بمعنی اولیٰ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ الحدید میں فرمایا: **فالیوم لا یو خذ منکم فدیته ولامن الذین کفروا ماوا کم النار ھی مولا کم و بئس المصیر**○ (تو آج نہ تو تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانہ بس جہنم ہے وہی تمہارے واسطے سزاوار ہے اور کیا بری جگہ ہے۔) اس آیت کی تفسیر میں فخرالدین رازی لکھتے ہیں: **قال الکلبی ھی اولی بکم وھو قول الزجاج والفرا و ابی عبیدة** کلبی کہتا ہے کہ وہ تمہارے لئے زیادہ سزاوار ہے اور یہی قول زجاج، فراء اور ابوعبیدہ کا ہے۔۳۴۔

امام طبری بھی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں **و قولہ ھی مولا کم یقول النار اولی بکم**۔ اللہ کے فرمان **ھی مولا کم** میں لفظ مولیٰ کا معنی اولیٰ ہے۔ زمخشری نے بھی اپنی تفسیر کشاف میں لفظ مولیٰ کو ۔بمعنی اولیٰ لکھا ہے۔ اور اس معنی کے لئے لبید کے مذکورہ شعر سے استدلال کیا ہے۔۳۵۔

سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب "**تذکرة خواص الامته**" میں اس حدیث کے ضمن میں لفظ مولیٰ کے دس معانی بیان کئے ہیں اور پھر آخری معنی یعنی مولیٰ ۔بمعنی اولیٰ کا اثبات کیا ہے۔ یعنی جس کا میں اولیٰ بالتصرف ہوں علیؑ اس کا اولیٰ بالتصرف ہے۔

حافظ ابوالفرج یحی بن سعید ثقفی اصفہانی نے بھی اپنی کتاب مرج البحرین میں لفظ مولیٰ کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے مشائخ کی سند سے لکھا ہے کہ مقام غدیر خم پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا بازو پکڑ کر فرمایا **من کنت ولیه و اولی به من نفسه فعلی ولیه**۔ یعنی جس کا میں حاکم اور سرپرست ہوں تو اس کا حاکم علیؑ ہے۔ اس حدیث کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ مولیٰ کا حتمی معنی اولیٰ ہی ہے۔ اور سب سے بڑی دلیل خود کلام رسول ہے۔ کیونکہ بعض کتابوں میں حضور اکرمؐ کے یہ الفاظ ہیں **الستم تعلمون انی اولی بکل مومن من نفسه**۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ اس پر حق تصرف رکھتا ہوں اس پر سب نے عرض کیا جی ہاں۔ تو اس کے بعد آپؐ نے فرمایا **من کنت مولاه فھذا علی مولاہ**۔ اب جس کا میں

مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ تو علیؑ بھی تو اسی معنی میں مولا ہیں۔ جس معنی میں رسولؐ خدا مولا ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث حضرت علیؑ کی امامت اور قبول ولایت کے لئے نص صریح ہے۔ اور اس حدیث کے اختتام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا موجود ہے **ادرالحق حیثما دار وکیفما دار**۔ خدایا حق کو ادھر پھیر جدھر علی پھرے اور جیسے پھرے۔

حدیث شریف کا یہ دعائیہ جملہ حضرت علیؑ کی عصمت کبریٰ کی عکاسی کرتا ہے اس جملہ کے تحت جن صحابہ نے حضرت علیؑ سے اختلاف کیا' ان کا ناحق ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ **والحمدللہ علی ذلک**۔ اگر کتاب کی ضخامت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ہم مزید دلائل و شواہد پیش کرتے کہ حدیث میں لفظ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہی استعمال ہوا ہے۔

ابن حجر کی تردید

عجیب بات یہ ہے کہ ابن حجر مکی نے اس حدیث کو صحیح السند ماننے کے بعد اس کے مفہوم کو مشکوک بنانے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ درست ہے کہ لفظ مولیٰ کے معنی متصرف فی الامر کے بھی ہوتے ہیں' جیسا کہ شیعوں نے سمجھ رکھا ہے۔ لیکن حدیث میں یہ لفظ ناصر و مددگار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ مولیٰ' آقا' آزاد کردہ غلام' متصرف فی الامر' مددگار اور محبوب کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ سب کے سب اس کے حقیقی معانی ہیں۔ لہٰذا جب ایک لفظ کے اتنے معانی ہوں تو بغیر دلیل کے تمام معانی کو چھوڑ کر ایک ہی معنی متعین کرنا ناانصافی ہے۔"۳۶۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ابن حجر جیسا متعصب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکا کہ مولا کے معانی میں ایک معنی متصرف فی الامر کا بھی ہے البتہ اس کا یہ کہنا کہ باقی تمام معانی کو چھوڑ کر ایک معنی مقرر کرنا ناانصافی ہے۔

لفظ مولیٰ کے معانی

تو آیئے ہم سب سے پہلے لفظ مولیٰ کے جملہ معانی کو دیکھیں۔ پھر حدیث شریف کے الفاظ کو دیکھیں گے کہ حدیث میں لفظ مولیٰ کس مفہوم میں استعمال ہو سکتا ہے۔

علمائے لغت نے لفظ مولیٰ کے اٹھارہ معانی بیان کئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں ۱۔ مالک ۲۔ آقا

۳۔ آزاد کردہ غلام ۴۔ ساتھی ۵۔ نزدیکی رشتہ دار مثلاً ابن عم ۶۔ ہمسایہ ۷۔ حلیف ۸۔ بیٹا ۹۔ چچا ۱۰۔ مہمان ۱۱۔ شریک ۱۲۔ بھانجا ۱۳۔ حاکم اور سرپرست۔ حدیث شریف میں ہے **ایما امراۃ نکحت بغیر مولا ھا فنکا حھا باطل**۔ جو کوئی عورت اپنے سرپرست کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ اس حدیث میں لفظ مولیٰ' ولی امر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۴۔ مددگار ۱۵۔ منعم علیہ (جس پر انعام کیا گیا ہو) ۱۶۔محبت رکھنے والا ۱۷۔ اتباع کرنے والا ۱۸۔ داماد۔۳۷۔

اور یہ واضح ہے کہ حدیث شریف میں وارد لفظ مولیٰ کے پہلے دو معانی مراد نہیں لئے جا سکتے کیونکہ حضرت علیؑ ہر اس چیز کے مالک نہ تھے' جس کے رسولؐ خدا مالک تھے' حضرت علیؑ ہر اس غلام کے آقا بھی نہیں تھے جس کے آقا رسولؐ خدا تھے۔ تیسرا معنی لینا باطل ہے۔ کیونکہ جناب رسولؐ خدا اور علی مرتضیٰؑ کسی کے غلام نہیں رہے تھے۔

اسی طرح سے چوتھا معنی مراد لینا بھی بے سود ہے کیونکہ حاضرین میں سے ہر شخص کو پہلے سے ہی علم تھا اور جناب رسولؐ خدا اور علی مرتضیٰؑ ایک دوسرے کے ابن عم ہیں۔ لہٰذا رسول خداؐ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ جس کا میں چچا زاد بھائی ہوں علیؑ بھی اس کا چچا زاد بھائی ہے۔

اس لفظ کو حلیف کے معنی میں بھی لینا غلط ہے کیونکہ حضرت علیؑ ہر اس شخص کے حلیف نہ تھے جس کے رسول خداؐ حلیف تھے۔

مذکورہ اٹھارہ معانی میں سے صرف دو معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ ۱۔ ناصر ۲۔ سرپرست و حاکم۔

لیکن پہلا معنی اس لئے صحیح نہیں ہے کیونکہ حاضرین میں سے ہر شخص کو بخوبی معلوم تھا کہ جس کے مددگار رسول خداؐ ہیں' اس کے مددگار علی مرتضیٰؑ بھی ہیں۔ یہ معنی مراد لینا تحصیل حاصل ہے اور یہ امر حکمت رسولؐ کے منافی ہے کہ ایک تحصیل حاصل امر کے لئے اتنا بڑا اہتمام کریں۔

اگر خدانخواستہ یہ سمجھ لیا جائے تو یہ رسول خداؐ کی فہم و فراست کی شدید توہین ہے اور آپ کے مقام رفیع کے خلاف ہے۔

حدیث شریف سے پہلے یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہئے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم نے قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد یہ سارا اہتمام کیا تھا: **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس ان الله لایھدی القوم الکافرین۔** (اے رسولؐ جو حق تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ خدا ہرگز کافروں کی قوم کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔)

اس آیت مجیدہ سے واضح ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب کو بہت ہی اہم مسئلہ بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز وہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اگر اسے بیان نہ کیا گیا تو گویا رسالتؐ کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں گیا۔ اس مسئلہ کی تبلیغ میں حضور علیہ السلام کو خطرہ بھی درپیش ہو سکتا تھا اسی لئے اللہ نے آپؐ کو سلامتی کی ضمانت دی ہے۔

اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام غدیر خم پر قیام کیا۔ جانے والوں کو واپس بلایا۔ آنے والوں کا انتظار کیا اور پالانوں کا منبر بنا کر خطبہ دیا۔ اور اس خطبہ میں حضرت علیؑ کا بازو بلند کر کے فرمایا **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔** جس کا میں مولیٰ ہوں، اس کا علی مولیٰ ہے۔ اس اعلان کے بعد حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا تھا **ھنیا لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولای و مولی کل مومن و مومنته۔** ابو طالب کے فرزند تمہیں مبارک ہو تم میرے اور ہر مومن مرد و عورت کے مولا بن گئے۔۳۸۔

ان تمام حالات و واقعات کے پیش نظر لفظ مولیٰ کو ناصر کے معنی پر محمول کرنا لغو ہو گا۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی نصرت کا ذکر اتنی اہمیت کا حامل نہیں تھا کہ اگر بیان نہ کیا جاتا تو تمام تبلیغ رسالتؐ کے اکارت ہونے کا خطرہ ہوتا۔

قارئین محترم! خدارا توجہ فرمائیں آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے وعدہ کیا تھا کہ تم اس مسئلہ کی تبلیغ کرو اور میں تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھوں گا۔ اس کے بعد رسول خدا نے ارشاد فرمایا **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے۔ اگر مولا کے معنی ناصر لئے جائیں تو حدیث کا معنی یہ ہو گا۔ جس کا میںؐ مددگار ہوں علیؑ اس کا مددگار ہے۔ تو علی علیہ السلام کی نصرت بیان کرنے میں جان کا کون سا

خوف لاحق ہونے کا اندیشہ تھا۔ جب کہ سارا عرب اس سے پہلے علیؑ کو اسلام کی مدد کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ علاوہ ازیں یہ نصرت و مددگاری ویسے بھی علیؑ کی انفرادی خصوصیت نہیں تھی کیونکہ قرآن مجید اس سے پہلے یہ اعلان کر چکا تھا۔ **المومنون والمومنات بعضهم اولیا بعض**۔ مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ جہاں لاکھوں اہل ایمان پہلے سے ہی ایک دوسرے کی مدد کا فریضہ انجام دے رہے تھے تو وہاں یہ کہنے کی کیا تک بنتی تھی کہ علی تمہارا مددگار ہے؟

معلوم ہوا مولیٰ بمعنی ناصر کے لئے نہ تو قرینہ حالی موجود ہے اور نہ قرینہ مقالی موجود ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ لفظ مولیٰ حاکم و متصرف کے معنی میں استعمال ہوا ہے اگر حضور کریمؐ کسی اور معنی کا مقصد رکھتے تھے تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی قرینہ تو موجود ہوتا۔

اگر ان تمام دلائل و براہین کے باوجود بھی کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ لفظ مولیٰ بمعنی ناصر ہے تو ایسا شخص رسول خداؐ کو دو امور میں سے ایک ساتھ متصف کرنا چاہتا ہے۔

۱۔ یا تو یہ شخص سمجھتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلوب کلام کا نعوذ باللہ علم نہیں تھا اور آپؐ اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہیں تھے۔

۲۔ بصورت دیگر ایسا شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث کے ذریعے سے خود ہی ابہام پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اصل حقیقت کو لوگوں سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

اور ان دونوں امور میں سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متصف کرنا غلط ہے حضور کریمؐ ان دونوں عوامل سے بلند و بالا ہیں۔ پہلا امکان اس لئے باطل ہے کہ جناب رسول خداؐ بہت بڑے فصیح اور صاحب جوامع **الکلم** تھے۔ اور حرف ضاد کا تلفظ کرنے والوں میں سب سے بڑے فصیح تھے۔ دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اور یہ بات شان ہدایت کے خلاف ہے کہ آپ ایسی گفتگو کریں جس کا معنی و مفہوم بھی واضح نہ ہو۔ اور وہ بھی اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مسئلہ کے پہنچانے کی بڑی تاکید کی ہو۔ تو یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ آپؐ نے ایسی عبارت سے لوگوں کی رہنمائی فرمائی جس میں تشکیک و تردید کا

کوئی شائبہ نہ تھا۔ اور مکمل تبلیغ جب ہی ممکن ہے جب سامعین اسے بخوبی سمجھ سکیں۔
اس تمام بحث کا نتیجہ یہی ہے کہ حدیث شریف میں لفظ مولیٰ حاکم اور متصرف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لفظ مولیٰ کے مفہوم کے لئے مزید استدلال

سابقہ دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے علاوہ ہمارے پاس اور بھی دلائل و شواہد موجود ہیں جن کی دلالت میں کسی قسم کا شک و تردد ممکن نہیں ہے۔

۱۔ قصیدۂ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

اعلان غدیر کے بعد دربار نبوت کے مشہور نعت گو شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کے نظم کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ کی طرف سے اجازت ملنے پر اس نے درج ذیل قصیدہ پڑھا:

ینا دیہم یوم الغدیر نبیھم	بخنم و اسمع بالنبی منا دیا
یقول فمن مولا کم و ولیکم	فقالوا ولم یبدوا ھناک التعامیا
الھک مولانا وانت ولینا	ومالک منا فی المقالته عاصیا
فقال لہ قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماما وھا دیا
فمن کنت مولاہ فھذا ولیہ	فکونوالہ انصار صدق موالیا

غدیر خم کے مقام پر نبی نے انہیں منادی اور انہیں ایک اہم اعلان سنایا نبی کہتا تھا کہ تمہارا ولی اور حاکم کون ہے؟ تو انہوں نے وہاں کسی اندھے پن کا مظاہرہ نہیں کیا لوگوں نے کہا کہ تیرا معبود ہمارا رب ہے اور تو ہمارا حاکم ہے اور ہمارے اندر تیری گفتگو کو ٹھکرانے والا کوئی نہیں ہے۔ رسول خداؐ نے کہا علیؑ کھڑے ہو جاؤ میں نے تمہیں اپنے بعد امام اور ہادی مقرر کیا جس کا میںؐ حاکم ہوں اس کا یہ علیؑ حاکم ہے اور تم اس کے سچے مددگار بن کر رہنا۔

حسانؓ جیسے ہی یہ قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو رسول خداؐ نے فرمایا حسان جب تک تو اپنی زبان سے ہماری مدد کرتا رہے گا اس وقت تک روح القدس سے تیری تائید ہوتی رہے گی۔ قصیدۂ حسان کو آپ نے پڑھا۔ اس قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسان نے بھی

مولیٰ کا معنی امام اور ہادی ہی کیا ہے۔

اور یہ بات کسی فریق کے لئے بھی قابل قبول نہیں ہے کہ حسان نے معنی سمجھنے میں غلطی کی تھی اور قصیدے کے فورا بعد رسول خداؐ نے اسے دعا دے کر اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی کہ مولیٰ کا معنی بس امام ہی ہے۔

اگر خدانخواستہ حسان صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے تھے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ضرور اصلاح فرما دیتے۔ کیونکہ غلط مفہوم اخذ کرنے کی وجہ سے بہت سی مخلوق کی گمراہی کا اندیشہ تھا۔

حضور اکرمؐ کی سیرت میں نہی عن المنکر شامل ہے۔ لہٰذا ہادی اعظم اشرف المبشرین و المنذرین کا حسان کو نہ روکنا اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنا' اس حقیقت کا مظہر اتم ہے کہ حدیث میں مولا کا معنی امام ہی ہے۔

قصیدۂ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما

رسول مقبولؐ کے خطبہ غدیر کے بعد تمام مسلمانوں نے لفظ مولیٰ کا ترجمہ امام ہی کیا تھا۔ شعراء نے اس مفہوم کے قصیدے لکھے۔ لوگ ان قصائد کو سفر و حضر میں پڑھا کرتے تھے اور یہ قصائد امن و جنگ میں پڑھے جاتے تھے۔ یہ قصائد تمام اطراف و اکناف میں مشہور تھے۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ نے جنگ صفین کی طرف جاتے ہوئے اپنا مشہور قصیدہ لامیہ انشاء کیا تھا۔ جس کے دو بیت درج ذیل ہیں:

وعلی امامنا و امام لسوانا اتی به التنزیل

یوم قال النبی من کنت مو لاه فهذا مولاه خطب جلیل

"علیؑ ہمارا اور ہمارے سوا سب کا امام ہے قرآن اس کی امامت کا فرمان لے کر نازل ہوا۔"

جس دن نبیؐ نے فرمایا جس کا میںؐ مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے یہ علی کا عظیم مقام ہے۔۳۹۔

غدیر کے دن حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کو مولیٰ سمجھ کر مبارک باد دی تھی اور کہا تھا **هنیئالک یا بن ابی طالب اصبحت مولای و مولی کل مومن و مومنته** علی تجھے مبارک ہو تم میرے اور ہر مومن مرد و عورت کے مولا بن گئے ہو۔۴۰۔

ابن حجر صواعق محرقہ میں بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت عمر سے کہا آپ جتنی علیؑ کی تعظیم کرتے ہیں اتنی کسی اور کی کیوں نہیں کرتے؟

حضرت عمر نے جواب دیا اس لئے تعظیم کرتا ہوں کہ علی میرے مولا ہیں۔۴۱۔

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت عمر بھی مولیٰ بمعنی مددگار نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ مددگار ہونا حضرت علیؑ کا خاصہ نہیں تھا' جو ان سے ہی مخصوص ہو اور جس کی بناء پر حضرت عمر ان کی تعظیم پر مجبور ہوئے ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ مددگار ہونے کی صفت میں تو باقی صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ کیونکہ مومن ایک دوسرے کے مددگار ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا قرائن حالی اس حقیقت کے شاہد عدل ہیں کہ حضرت عمر بھی مولیٰ کا معنی امام ہی سمجھتے تھے۔

حارث بن نعمان فہری کا واقعہ

اس حقیقت کا مزید ثبوت اس واقعہ سے بھی مل سکتا ہے۔ اعلان غدیر کے بعد حارث بن نعمان فہری اس خبر کی توثیق کے لئے مدینہ آیا اور مدینہ میں داخل ہوتے ہی سیدھا مسجد نبویؐ میں آنحضورؐ کے دربار میں پہنچا اور اس وقت آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ دو زانو ہو کر آپؐ کے سامنے آکر بیٹھ گیا' اور کہا:

محمدؐ! آپؐ نے ہمیں **لااله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه** کی گواہی کا حکم دیا تو ہم نے اسے مانا۔ آپؐ نے ہمیں دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا' ہم نے آپؐ کا وہ حکم بھی مانا۔ آپؐ نے ہمیں ماہ رمضان کے روزوں کا حکم دیا' مال میں سے زکوٰۃ اور بیت اللہ کے حج کا حکم دیا' ہم نے آپؐ کی ان تمام باتوں کو مانا۔ لیکن آپؐ نے پھر بھی قناعت نہ کی یہاں تک کہ اپنے ابن عم کو ہماری گردنوں پہ سوار کر دیا اور آپؐ نے اس کا بازو بلند کر کے اعلان کیا **من کنت مولاه فعلی مولاه**۔ تو بتائیں یہ سب کچھ آپؐ نے اپنی مرضی سے کیا یا اللہ کے حکم سے کیا؟ اس کی یہ گفتگو سن کر سید المرسلین کی آنکھیں جلال نبوتؐ سے سرخ ہو گئیں اور فرمایا اس ذات خداوندی کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ میری طرف سے نہیں ہے۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہ کلمات دہرائے یہ سن کر حارث کو غصہ آگیا اور مسجد سے یہ کہتے ہوئے چلا۔ خدایا جو کچھ محمدؐ کہہ رہا ہے اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر نازل فرما یا ہم پر دردناک عذاب بھیج۔ خدا کی

قسم! ابھی حارث دروازۂ مسجد سے نکلا ہی تھا کہ اللہ نے آسمان سے اس پر پتھر نازل کیا جو اس کے سر پر لگا اور اس کے جسم کو چیرتا ہوا مقعد سے نکل گیا۔ اور وہ شخص فورا ہلاک ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۂ معارج کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ **سال سائل بعذ اب واقع للکافرین لیس له من د افع من الله ذ ی المعارج۔** ایک مانگنے والے نے کافروں کے لئے ہو کر رہنے والے عذاب کو مانگا جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا جو درجے والے خدا کی طرف سے ہونے والا تھا۔۴۲۔

اگر حدیث غدیر میں رسول خداؐ نے لفظ مولیٰ بمعنی ناصر ہی فرمایا ہوتا جیسا کہ ہمارے مخالفین کا خیال ہے، تو یہ شخص اس خبر سے اتنا جزبز کیوں ہوتا اور حدیث شریف کی توثیق کے لئے مدینہ طیبہ آنے کی زحمت کیوں اٹھاتا اور پھر اسے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نے یہ اعلان اپنی طرف سے کیا یا اللہ کے حکم کے تحت ایسا کیا۔ اور پھر اس کے جواب میں رسول خداؐ تین بار قسم کھا کر کیوں کہتے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اور حارث کو یہ جواب سن کر عذاب الٰہی مانگنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی؟ جی ہاں! اگر رسول خدا نے مولیٰ سے ناصر مراد لیا ہوتا تو بڑی آسانی سے حارث کو جواب دے کر قائل کر سکتے تھے کہ تمہیں حدیث سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تو نے لفظ مولیٰ سن کر اس امامت کا غلط مفہوم مراد لیا ہے۔ جب کہ حقیقت تو صرف اتنی سی ہے کہ میں نے غدیر میں علیؑ کی نصرت کا ذکر کیا تھا۔ اور رسول خداؐ کا یہ جواب سن کر حارث بھی بالکل مطمئن ہو جاتا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اہل ایمان پہلے سے ہی ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

الحاصل حدیث غدیر حضرت علی علیہ السلام کی امامت و خلافت پر نص قطعی ہے جس سے کسی صاحب علم کو انکار ممکن نہیں ہے۔

خلافت علیؑ کی دیگر احادیث

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے لئے صرف حدیث غدیر ہی وارد نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ درج ذیل حدیث کو علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے۔ جب بی بی عائشہ، حضرت علیؑ سے لڑائی کی غرض سے مکہ سے روانہ ہو رہی تھیں تو انہیں اس فعل سے باز رکھنے کی غرض سے حضرت ام سلمہؓ نے فضیلت امیر المومنین علیہ السلام کی چند احادیث یاد دلائیں۔ اس کے بعد انہوں

نے بی بی عائشہؓ سے کہا میں تمہیں وہ وقت یاد دلانا چاہتی ہوں جب ہم دونوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم سفر تھیں اور سفر میں علیؑ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ دوران سفر علیؑ کی یہ عادت تھی کہ اگر رسول خداؐ کی نعلین پھٹ جاتی تھی تو اسے گانٹھا کرتے تھے اور حضور اکرمؐ کا لباس بھی دھویا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین پھٹ گئی۔ علیؑ اسے گانٹھنے کے لئے ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ابوبکرؓ و عمرؓ نے آپؐ سے اذن باریابی طلب کیا۔ چنانچہ ہم دونوں پردے کی اوٹ میں چلی گئی تھیں۔ ابوبکر و عمر آئے اور حضورؐ کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہمیں علم نہیں ہے کہ آپؐ ہمارے ساتھ کتنا عرصہ گذاریں گے۔ بہتر ہوتا کہ آپؐ ہمیں اپنے جانشین کے متعلق بتا دیتے کہ آپؐ کسے اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپؐ کے بعد ہمیں پریشان نہ ہونا پڑے۔ کوئی نہ کوئی تو ہماری پناہ گاہ ہونی چاہئے۔

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اپنے جانشین کے مقام کو دیکھ رہا ہوں اگر میں نے اس کی خلافت کا اعلان کر دیا تو تم اسے ایسے ہی چھوڑو گے جس طرح سے بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کو چھوڑا تھا۔ بعدازاں وہ دونوں رخصت ہو کر چلے گئے۔ اور ان کے جانے کے بعد ہم دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔ ہماری بہ نسبت تم حضور کریمؐ کے سامنے زیادہ بے باکی سے بات کیا کرتی تھیں۔ تم نے پوچھا تھا: یا رسولؐ اللہ آپؐ کس کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں؟

یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نعلین گانٹھنے والے کو۔ اب جو ہم نے دیکھا تو وہاں علیؑ کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا بس یہی ہے۔

یہ حدیث سن کر بی بی عائشہ نے کہا۔ جی ہاں مجھے یہ بات یاد ہے۔ اللہ کا تعصب کا برا کرے ابن ابی الحدید نے اس حدیث کو لکھا اور یہ بھی لکھا یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس کے بعد اس نے کج بحثی کرتے ہوئے تاویلیں شروع کر دیں اور کہا کہ بے شک حضور علیہ السلام علیؑ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا تھا۔ اسی لئے ہم حضرت علیؑ کو امام اول تسلیم نہیں کرتے۔ ہم حدیث رسول کے پابند ہیں لیکن معتزلی کی ذاتی رائے کے پابند نہیں ہیں۔ معتزلی یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس لئے خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا کہ ان کے تقرر سے امت میں

اختلاف پیدا ہو جاتا اور لوگ انہیں چھوڑ دیتے۔

ہم معتزلی کے اس نظریئے کو اس لئے قبول نہیں کر سکتے کیونکہ رسولؐ خدا نے ابوبکر و عمر کو یہ بتایا تھا کہ خلیفہ مقرر کرنے کی صورت میں لوگ میرے خلیفہ کو ایسے ہی چھوڑ دیں گے جس طرح سے بنی اسرائیل نے ہارون علیہ السلام کو چھوڑا تھا۔ ان الفاظ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ نے لوگوں کے تفرقہ کے خوف سے علیؑ کو خلیفہ نامزد ہی نہیں کیا تھا۔ جب کہ عقل واجب قرار دیتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا جانشین ضرور نامزد کرنا چاہئے۔

حضور اکرمؐ کی نگاہ میں لوگوں کے افتراق کی اس قدر اہمیت نہیں تھی کہ اسے مدنظر رکھ کر حضرت علی علیہ السلام کی امامت کا اعلان ہی نہ کرتے۔ اگر لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے مسئلہ خلافت کو تعویق میں ڈالنا مناسب ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو کبھی بھی اپنا جانشین نامزد نہ کرتے۔ کیونکہ ان کی جانشینی کے دور میں بنی اسرائیل ان سے علیحدہ ہو گئے تھے اور سامری کی پیروی اختیار کر لی تھی۔ تو جس طرح سے حضرت موسیٰ نے امت کی پسند و ناپسند کا خیال رکھے بغیر اپنے بھائی ہارون کی خلافت کا اعلان فرمایا تھا۔ اسی طرح سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حکم خداوندی کے مقابلے میں معروضی حالات کی پرواہ کئے بغیر اپنے بھائی علی علیہ السلام کو اپنا جانشین نامزد فرمایا تھا۔ اگر معروضی حالات و مصالح کو مدنظر رکھ کر احکام شرعیہ سے پہلو تہی جائز ہوتی تو آج اسلام میں بہت سے احکام شرعیہ سرے سے موجود ہی نہ ہوتے۔

حدیثِ دار

امام احمد بن حنبل نے اپنے اسناد سے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کی غرض سے بنی عبدالمطلب کو دعوت دی اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو پورا اونٹ کھانے والے تھے اور دودھ کی پوری مشک پی سکتے تھے۔

حضور کریمؐ نے ان کی ضیافت کے لئے ایک مد آٹے سے کھانا تیار کرایا حاضرین نے سیر ہو کر کھانا کھایا اس کے باوجود بھی وہ کھانا اسی طرح سے بچا ہوا تھا جیسے اسے کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا ہو۔ پھر آپؐ نے دودھ کا ایک پیالہ منگوایا۔ سب حاضرین نے اچھی طرح سے

دودھ پیا اور برکت نبوتؐ سے دودھ اسی طرح سے بچا ہوا تھا جیسے اسے کسی نے منہ تک نہ لگایا ہو۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے اولاد عبدالمطلب! میں تمام لوگوں کی طرف بالعموم اور تمہاری طرف بالخصوص مبعوث ہوا ہوں۔ اور تمہاری تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے **وانذ ر عشیرتک الاقربین** (اے رسولؐ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے ڈراؤ) کی آیت نازل فرمائی ہے۔

اب تم میں ایسا کون ہے جو میری بیعت کرے وہ میرا بھائی اور ساتھی اور میرا خلیفہ ہو گا یہ اعلان سن کر کوئی بھی نہ اٹھا۔ اس وقت میں تمام لوگوں میں کم سن تھا۔ میں اٹھا تو رسول خداؐ نے فرمایا علی تم بیٹھ جاؤ۔

غرضیکہ جناب رسول خداؐ نے تین مرتبہ یہ اعلان دہرایا۔ لیکن میرے علاوہ کوئی بھی نہ اٹھا۔ میں ہر مرتبہ کھڑا ہو کر کہتا تھا میں آپ کا بوجھ اٹھاؤں گا تو رسول خداؐ نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا **ان ھذا اخی و وصییی وخلیفتی فیکم فاسمعوالہ واطیعوہ۔** بے شک یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ امام احمد نے ایک اور سند سے اس حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ **من یضمن عنی دینی و مواعیدی ویکون فی الجنتہ خلیفتی فی اھلی۔** تم میں سے میرے قرض اور میرے وعدوں کی ضمانت کون لیتا ہے؟ ایسا شخص جنت میں میرے ساتھ ہو گا اور میرے خاندان میں میرا جانشین ہو گا۔

ابن عباس کی سند سے امام احمد نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بنی اعمام سے فرمایا تم میں کون ہے جو دنیا اور آخرت میں میرا ساتھ دے۔ اس وقت علیؑ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب نے سن کر انکار کر دیا لیکن علیؑ نے کہا میں دنیا اور آخرت میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔"

یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **انت ولی فی الدنیا والاخرۃ** تو دنیا و آخرت میں میرا ساتھی ہے۔

ابن عباس روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا **انت ولی**

فی کل مومن من بعدی۔ تو میری طرف سے میرے بعد ہر مومن کا سرپرست ہے۔۴۳۔

حدیث منزلت

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو علی علیہ السلام نے عرض کیا کیا میں بھی آپؐ کے ساتھ جا سکتا ہوں؟

رسول خداؐ نے فرمایا نہیں یہ سن کر علیؑ رونے لگے تو رسول خداؐ نے فرمایا **اما ترضی ان تکون منی بمنزلته هارون من موسی الا انک لست بنبیی' انه لاینبغی ان اذهب الاو انت خلیفتی۔** کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تمہاری مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ تو نبی نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ میں تمہیں اپنا جانشین بنائے بغیر چلا جاؤں۔ یہ تمام احادیث حضرت علیؑ کی خلافت کا بین ثبوت ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ اور حدیث منزلت حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے نص قطعی ہے کیونکہ رسول خداؐ نے نبوت کے علاوہ حضرت ہارون کے جملہ خصائص کو حضرت علیؑ کے لئے ثابت فرمایا ہے۔

جس طرح سے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے' اسی طرح سے حضرت علی علیہ السلام بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ اس حدیث میں حضور اکرمؐ نے انتہائی واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں تمہیں خلیفہ بنائے بغیر چلا جاؤں۔۴۴۔ اس مقام پر ہم قارئین کرام کو پھر دعوت انصاف دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ جب جناب رسول خداؐ نے ایک مختصر مدت کے لئے بھی اپنی امت کو اپنے جانشین کے بغیر نہیں چھوڑا تو آپؐ اپنی وفات سے قبل جانشین کا اعلان کئے بغیر کیسے چلے گئے؟ امت کی رہنمائی کے لئے حضور اکرمؐ کے لئے ضروری تھا کہ اپنا جانشین نامزد کر کے جاتے جو لوگوں کی رہنمائی کرتا اور امت کو صراط مستقیم پر گامزن رکھتا۔ حضور کریمؐ مومنین پر رؤف و رحیم تھے۔ اور یہ بات آپؐ کی شان رافت کے خلاف ہے کہ اپنی امت کو بحر ظلمات کے حوالے کر کے چلے جائیں۔ لہٰذا رحمتہ للعالمین کے متعلق یہ سوچنا ہی عبث ہے کہ آپؐ اپنے جانشین کا اعلان کئے بغیر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

حضرت عمر کا طرز عمل

مسئلہ خلافت کو مزید اجاگر کرنے کے لئے ہم یہ واقعہ ہدیہ قارئین کرنا چاہتے ہیں۔ امام مسلم ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ

"جب میرے والد پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ ان کی حالت کے پیش نظر ہمیں یقین ہو گیا کہ اب جانبر نہیں ہو سکیں گے تو اسی دوران میں اپنی بہن حفصہؓ کے پاس گیا۔

حفصہؓ نے مجھ سے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا باپ کسی کو خلیفہ بنانا نہیں چاہتا' میں نے کہا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ حفصہؓ نے کہا وہ ایسا ہی کرنے والے ہیں۔ تو میں نے قسم کھا لی کہ میں اس موضوع پر ان سے گفتگو کروں گا۔ پھر میں خاموش رہا۔ یہاں تک کہ دوسری صبح ہو گئی۔ میں نے اس مسئلہ پر ان سے کوئی بات نہیں کی تھی اور میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھ پر ذمہ داری کا ایک کوہ گراں آن پڑا ہے' جسے میں اپنے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے پھر رہا ہوں۔ میں والد کے پاس گیا۔ وہ مجھ سے لوگوں کے حالات دریافت کرتے رہے اور میں انہیں جواب دیتا رہا۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ لوگوں میں ایک بات چل رہی ہے اور میں قسم کھا چکا ہوں کہ اس بات کا آپ سے تذکرہ ضرور کروں گا۔ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنانا چاہتے۔

(انصاف کریں) اگر آپ کے اونٹوں یا بکریوں کا چرواہا کوئی اور چرواہا مقرر کئے بغیر آپ کے پاس آ جاتا تو آپ یہی سمجھتے کہ اس نے مویشیوں کو ضائع کر دیا ہے۔ اور لوگوں کی ذمہ داری تو اس سے زیادہ سخت ہے یعنی جب جانوروں کو چرواہے کے بغیر چھوڑنا جرم ہے تو امت مصطفیٰؐ کے لئے بھی تو کوئی حاکم مقرر کرنا ضروری ہے۔

ابن عمر کی گفتگو کا تجزیہ

اگر آپ نے پوری توجہ سے ابن عمر کی گفتگو پڑھی ہے تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابن عمر کے اعتقاد کے مطابق خلیفہ کا تقرر واجب تھا۔

سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جیسے ہی ان کی بہن حفصہؓ یہ اطلاع دیتی ہیں کہ تمہارے والد کسی کو خلیفہ مقرر کرنا نہیں چاہتے تو فورا ابن عمر کہتے ہیں **ماکان لیفعل** وہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ گویا ابن عمر نے حقیقت امر سے مطلع ہوئے بغیر ہی اس کی نفی کر دی کیونکہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق **تعیین** خلیفہ کو فرض سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ان کے والد جیسا انسان اس چیز سے غافل نہیں رہ سکتا۔ آپ ابن عمر کے اس قول کو ملاحظہ فرمائیں کہ میں نے اس موضوع پر والد سے گفتگو کرنے کی قسم کھا لی اور جب تک اس مسئلہ پر ان سے میری گفتگو نہیں ہوئی تھی تو میں یہ سمجھتا تھا کہ میں اپنے ہاتھ میں ذمہ داری کا ایک پہاڑ اٹھائے ہوئے پھر رہا ہوں۔

ابن عمر کے ان الفاظ سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ ابن عمر کی نگاہ میں خلافت کی اہمیت کس قدر تھی۔ اور پھر جب انہوں نے اپنے والد سے بات کی تو رعایا کی مثال ایک ریوڑ سے دی اور امام کی مثال راعی سے دی۔ یقیناً امام کی راعی سے تشبیہ کو تشبیہ بلیغ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس مقام پر اس سے بہتر تمثیل ممکن نہیں تھی۔ اس تمام گفتگو کے بعد اب ہم دوبارہ اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور درج بالا واقعہ کو منکرین نص کے خلاف حجت بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جب حضرت عمر کو امت کا اتنا احساس ہے کہ وہ امت کو بغیر حاکم کے رکھنا نہیں چاہتے تو کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عمر جتنا احساس بھی نہیں تھا؟

حضرت عمر تو امت کو بغیر حاکم کے چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کرتے لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو امت کا امام بنا کر نہیں جاتے خواہ امت بعد میں آپس میں کٹ مرے۔ اور جناب رسولؐ خدا کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ کسی نہ کسی کو امت کا امام ہی مقرر کر دیں جو امت کی نگہبانی کرتا رہے۔

اور بالخصوص جب کہ علم الٰہی کے تحت جناب رسول خداؐ امت کے افتراق کو بھی دیکھ رہے تھے اور اس افتراق کی پیش گوئی آپؐ تہتر مذاہب کی حدیث میں فرما چکے تھے تو اندریں حالات کیا انہیں اپنا جانشین نامزد نہیں کرنا چاہتے تھے؟ کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کر کے نعوذ للہ کیا آپ یہ چاہتے تھے کہ روشنی کے بعد پھر تاریکی کا راج ہو اور اتفاق کے بعد افتراق کی حکومت قائم ہو؟

ہرگز نہیں یہ سوچنا بھی جرم ہے کہ حضور کریمؐ عدم استخلاف کے ذریعے سے اسلام کے بعد دوبارہ دور جاہلیت کا سا افتراق اور ایمان کے بعد کفر کی سلطنت کے خواہش مند تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عقیدۂ توحید اور وحدت المسلمین کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ جس ذات اقدس کی بعثت کی غرض ہی مسلمانوں کو ایک مسلک وحدت میں پرونا تھا۔ اس ذات اطہر کے لئے ناممکن ہے کہ وہ امام مقرر کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ خلافت کا شمار ان امور میں ہوتا ہے جس کے لئے پیغمبر اسلام کی نص کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ امت کو خلافت کی انتہائی ضرورت ہے۔ لہٰذا حضور اکرمؐ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ امت کی ضرورت کو خود ان کے حوالے کر کے چلے جائیں اور امت کو ہادی عطا نہ کریں۔

علاوہ ازیں عدم استخلاف کا عقیدہ سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گذرے ہیں ان سب نے اپنے جانشین مقرر کئے تھے۔ کائنات کی کسی تاریخ میں آپ کو یہ الفاظ نہیں ملیں گے کہ کسی نبی نے اپنے جانشین کا انتخاب امت کے حوالے کیا ہو۔

تمام انبیائے کرام کی یہ سنت رہی ہے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ کو خود ہی نامزد کیا تھا۔ اور کسی نبی کو آپ وصی کے بغیر نہیں دیکھیں گے۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کی نصوص کا آپ نے مطالعہ فرمایا۔ علاوہ ازیں تاریخ میں حضرت عمر کے چند اعترافات بھی موجود ہیں جن میں نص کا عندیہ دیا گیا ہے۔

حضرت عمر کے اعترافات

ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

میں ایک دن حضرت علیؑ کے ساتھ ان کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے حضرت عمر کا گذر ہوا۔ انہوں نے سلام کیا۔

حضرت علیؑ نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو حضرت عمر نے کہا میں بقیع جا رہا ہوں۔

حضرت علیؑ نے کہا کیا آپ ہم میں سے کسی کو ساتھ لے کر نہیں چلیں گے؟

انہوں نے کہا ضرور، تو حضرت علیؑ نے مجھے کہا تم ان کے ساتھ جاؤ۔

میں چلتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔ انہوں نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈالیں ہم

تھوڑا سا چلے یہاں تک کہ بقیع کے قریب آ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا ابن عباس! خدا کی قسم تیرا یہ ساتھی رسول خداؐ کے بعد تمام لوگوں میں سے خلافت کا زیادہ حقدار ہے۔ لیکن ہم دو وجوہات کی بنا پر اس سے ڈر گئے۔ (اور ہم نے علیؑ کو خلیفہ نہیں بننے دیا) تو اس وقت میرے لئے پوچھے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ میں نے پوچھا وہ دو وجوہات کون سی ہیں جن کی وجہ سے علیؑ کو خلافت سے محروم کیا گیا ہے؟ تو عمرؓ نے مجھے جواب دیا پہلی وجہ کم سنی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیؑ اولاد عبدالمطلبؑ سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اس گفتگو سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر بھی ذہنی طور پر علی علیہ السلام کو خلافت رسول کا حق دار سمجھتے تھے۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ ۱۔ علی کم سن ہیں ۲۔ وہ اولاد عبدالمطلب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اہل انصاف سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ کسی اہل انسان کو محض اس کی کم سنی کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح سے کوئی نااہل محض کبر سنی کی وجہ سے قابل احترام نہیں بن جاتا۔ کسی منصب کے لئے سن و سال کو پیمانہ نہیں بنایا جاتا بلکہ ہر شخص کی لیاقت و قابلیت ہی اس کا پیمانہ ہوتی ہے۔

آپ کو علم ہے کہ رسولؐ مقبول نے کم سن اسامہ بن زید کو سالار لشکر مقرر کیا تھا اور حضرت ابوبکر و عمر جیسے سن رسیدہ بزرگوں کو اس کی ماتحتی میں دیا تھا۔

رحمت عالمؐ نے سن رسیدہ اشخاص کی بجائے ایک کم سن شخص کو امیر لشکر بنا کر عملی ثبوت فراہم کیا کہ فضیلت کا دار و مدار کبر سنی پر نہیں ہے۔ اور شاید اس ذریعہ سے رسول خدا امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے لئے زمین ہموار کرنا چاہتے تھے تاکہ کل کلاں کوئی شخص ان کی کم سنی پر معترض نہ ہو سکے کیونکہ۔

بزرگی بہ علم است نہ بہ سال

اس طرح کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیں جسے علامہ معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابو بکر انباری نے اپنی امالی میں روایت کی ہے ایک دن حضرت علیؑ مسجد میں حضرت عمر کے پاس بیٹھے تھے اور اس وقت اور بھی لوگ مسجد میں موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت علیؑ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور حاضرین میں ایک شخص نے آپؑ کا ذکر چھیڑا اور کہا کہ ان میں تکبر اور خود پسندی پائی جاتی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ اس جیسے انسان کو واقعی ناز کرنا چاہئے۔ خدا کی قسم! اگر اس کی تلوار نہ ہوتی تو اسلام کا ستون کبھی بھی قائم نہ ہوتا اور پھر وہ امت میں سب سے بڑا قاضی ہے۔ اسلام میں سبقت رکھنے والا ہے اور شرف و عظمت کا مالک ہے۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا پھر آپ نے اسے خلیفہ ہی کیوں نہیں بنا لیا؟ حضرت عمر نے جواب دیا ہم نے اسے اس کی کم سنی اور بنی عبدالمطلب کی محبت کی وجہ سے ناپسند کیا ہے۔

علامہ معتزلی کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت نقیب ابو جعفر یحییٰ بن محمد کے سامنے پیش کی اور ان سے کہا یہ روایت بظاہر خلافت علیؑ کی نص معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس روایت کی تائید درایت نہیں کرتی کیونکہ جس طرح سے صحابہ کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قبلہ کے تقرر، ماہ صیام کے روزوں کا انکار کر سکیں۔ اسی طرح سے صحابہ کی طرف سے کسی منصوص شخص کی خلافت کو نظرانداز کرنا بھی محال ہے۔

میری یہ گفتگو سن کر نقیب نے جواب دیا تم ہر قیمت پر معتزلی نظریات کا دفاع کر رہے ہو۔ جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ صحابہ خلافت کو اصول دین میں سے نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے اس کا قیاس نماز روزے اور دیگر اسلامی عبادات کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہ درحقیقت خلافت کو ایک دنیاوی معاملہ سمجھتے تھے اور اسے تدبیر حرب، رعایا پروری اور عمال کی تقرری کی مانند ایک امر قرار دیتے تھے۔ اور ایسے معاملات میں صحابہ کو اگر نص رسولؐ کی مخالفت میں مصلحت دکھائی دیتی تھی تو وہ بلاجھجک نص رسولؐ کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے بعد نقیب نے بہت سے ایسے امور کا ذکر کیا جن کے متعلق رسول خداؐ نے نص فرمائی تھی اور صحابہ نے نص کے مقابلے میں اپنا اجتہاد کیا تھا۔

رسولؐ مقبول نے ابوبکر و عمر کو لشکر اسامہ میں جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ نہیں گئے جب ابو ہریرہ رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق اعلان کر رہے تھے کہ جو شخص خلوص دل سے **لا الہ الا اللہ** پڑھے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اور یہ اعلان سن کر حضرت عمر نے ابو ہریرہ کے سینہ پر دو ہتھڑ مارے تھے اور اس اعلان سے روک دیا تھا۔

رسول خداؐ نے نجران کے عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم دیا تھا اس پر بہت عرصہ بعد عمل کیا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کی خلافت کا ابتدائی زمانہ گذر چکا تھا۔

صحابہ نے صرف نص رسولؐ کو ہی نہیں چھوڑا بلکہ بعض مقامات پر قرآنی آیات پر بھی کسی مصلحت کے تحت عمل کرنا مناسب نہیں سمجھا جیسا کہ انہوں نے خمس میں ذوی القربیٰ اور زکوٰۃ میں مولفتہ القلوب کے حصے کو ختم کر دیا۔

بعدازاں نقیب نے ان وجوہات کا ذکر کیا جس کی وجہ سے صحابہ نے نص کے باوجود بھی علیؑ کو خلافت سے محروم رکھا تھا۔ اس کے لئے بزرگ صحابہ کی دلیل یہ تھی ہمیں فتنہ کا اندیشہ تھا اور ہم جانتے تھے کہ عرب علیؑ کی اطاعت نہیں کریں گے۔

اسی لئے انہوں نے نص کی تاویل کر لی تھی مگر نص کا انکار نہیں کیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ علیؑ کے متعلق فی الواقع نص موجود ہے۔ مگر ان حالات میں اس نص پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔۴۵۔

اس حقیقت کو حضرت عمر نے ابن عباس کے سامنے تسلیم کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے علیؑ کو خلافت سے صرف اس لئے دور رکھا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ عرب ان پر مجتمع نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں بدر و احد کی یادیں ابھی تک تازہ ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عمر ایک رات اکٹھے جا رہے تھے حضرت عمر خچر پر سوار تھے اور میں گھوڑے پر سوار تھا۔

اس اثناء میں انہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی جس میں علیؑ کا ذکر تھا۔ پھر مجھ سے کہا اے اولاد عبدالمطلبؑ! خدا کی قسم علیؑ خلافت کا مجھ سے اور ابوبکر دونوں سے زیادہ مستحق تھا۔

یہ سن کر میں نے دل میں کہا اللہ مجھے معاف نہ کرے اگر میں اسے معاف کر دوں تو میں نے کہا امیرالمومنین آپ یہ کہہ رہے ہیں حالانکہ تم اور تمہارے ساتھی نے ہی خلافت کو ہم سے دور رکھا تھا۔

حضرت عمر نے کہا بنی عبدالمطلب ٹھہرو کیا تم اس وقت عمر کے دوست نہیں ہو میں رک گیا اور عمر تھوڑا سے چلے۔ اور مجھ سے کہا چل خدا کرے تجھے چلنا نصیب نہ ہو۔ پھر کہا کہ اپنی گفتگو دہراؤ۔ میں نے کہا تم نے ایک بات کہی تھی میں نے اس کا جواب دیا ہے۔ اگر تم خاموش رہتے تو میں بھی خاموش رہتا۔

انہوں نے کہا ہم نے یہ سب کچھ کسی عداوت کی وجہ سے نہیں کیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں

کہ علیؑ ابھی کم سن ہیں اور عرب و قریش کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ بھرا ہوا ہے۔ وہ علیؑ پر جمع نہیں ہوں گے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ اس سے کہوں کہ رسول خداؐ علیؑ کو جنگوں میں سپہ سالار بنا کر بھیجا کرتے تھے۔ انہوں نے تو کبھی علیؑ کو کم سن سمجھ کر نظرانداز نہیں کیا تھا۔ لیکن تو اور تیرے ساتھی نے اسے کم سنی کی وجہ سے نظرانداز کر دیا ہے۔

حضرت عمر نے کہا اس کے باوجود بھی ہم کوئی فیصلہ علیؑ کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے اور علیؑ سے اجازت لئے بغیر کوئی بھی کام نہیں کرتے۔۴۶۔

اسی طرح کی ایک اور گفتگو ابن ابی الحدید نے ابن عباس سے نقل کی ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ کی گلیوں میں عمرؓ کے ساتھ چل رہا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا۔ ابن عباس! میں سمجھتا ہوں کہ تیرا ساتھی مظلوم ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ مجھ پر سبقت نہ لے جائے تو میں نے کہا امیرالمومنین پھر آپ اس کا لوٹا ہوا حق اسے واپس کر دیں۔

یہ سن کر انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑایا اور اپنے منہ میں کچھ الفاظ دہراتے رہے۔ پھر رک گئے میں ان کے ساتھ جا ملا تو انہوں نے کہا ابن عباس! لوگوں نے علیؑ کو کم سن سمجھ کر خلافت سے محروم کیا تھا۔

میں نے اپنے دل میں کہا یہ عذر پہلے عذر سے بھی بدتر ہے۔

میں نے کہا اللہ اور رسولؐ نے تو علیؑ کو اس وقت کم سن نہیں سمجھا تھا جب تیرے ساتھی ابوبکر سے سورۂ برات کی آیات لے کر ان کے حوالے کی تھیں۔ یہ سن کر انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اور تیزی سے چل پڑے اور میں بھی واپس آ گیا۔۴۷۔

ابن عباس کی زبانی ایک اور روایت بھی سنیں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے دربار میں ایک مرتبہ حضرت علیؑ کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے مجھے کہا۔ ابن عباس! تم سے امر خلافت کو سب سے پہلے ابوبکر نے موڑا تھا۔ اور تمہاری قوم یہ ناپسند کرتی تھی کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور امامت کا اجتماع ہو۔

میں نے کہا اگر آپ ان لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا دیتے تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا؟ انہوں نے کہا جی ہاں اگر ایسا ہوتا تو تم لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو جاتے۔ علامہ معتزلی عاصم بن عمر

بن قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمر سے ملاقات کی اور ان سے فرمایا۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تجھے خلیفہ بنایا تھا؟

حضرت عمر نے کہا نہیں، تو حضرت علیؑ نے فرمایا تو پھر بتاؤ قیامت کے دن تو اور تیرا ساتھی اللہ کو کیا جواب دو گے؟

حضرت عمر نے کہا میرا ساتھی تو اس جہان کو چھوڑ کر جا چکا ہے اور میں بھی عنقریب خلافت کے طوق کو اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال دوں گا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اللہ اسے رسوا کرے جو تجھے اس بوجھ سے آزاد کرائے۔ لیکن اللہ نے مجھے رہنما بنایا ہے اور جب میں کھڑا ہوا تو میری مخالفت کرنے والا گمراہ ہو گا۔۴۸۔

ہم نے آپ کے سامنے حضرت عمر کے چند اعترافات پیش کئے ہیں۔ ان روایات کے آئینہ میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خود حضرت عمر بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے تھے کہ حضرت علیؑ ان کی اور ان کے ساتھی ابوبکر کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت عمر ان کی مظلومیت کا بھی اقرار کرتے تھے۔ حضرت عمر کی یہ رائے صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ بھی دل میں منصف تھے کہ مسند خلافت علیؑ کا حق ہے اور وہ ان سے بزور چھینا گیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ میرا ساتھی تو یہ جہان چھوڑ کر چکا ہے اور میں خلافت کے اس طوق کو اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال دوں گا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ خلافت چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔ مگر ذہنی طور پر بخوبی سمجھتے تھے کہ خلافت و امامت علیؑ کا حق ہے اور رسول خداؐ نے انہیں ہی اپنا جانشین نامزد کیا تھا اور حضرت عمر نے بھی انہیں مقام غدیر میں مبارک دی تھی۔

حضرت عمر خالص عرب تھے اور عربی زبان کو بخوبی جانتے تھے اور انہوں نے غدیر خم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خطبہ اپنے کانوں سے سنا تھا۔ اور انہوں نے رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا تھا **ان خلیلی و وزیری و خلیفتی وخیرمن اترک بعدی، یقضی دینی وینجز مو اعیدی علی ابن ابی طالب۔** بے شک علی ابن ابی طالب میرا دوست، میرا وزیر اور میرا جانشین ہے اور میرے بعد تمام کائنات سے افضل ہے وہی میرے قرض چکائے گا اور میرے وعدے پورے کرے گا۔۴۹۔

حضرت عمرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی سنی تھی **لقد اوحی الی فی علی ثلاث انه سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغرالمحجلین**۔ اللہ نے مجھے علیؑ کے متعلق تین باتوں کی وحی کی ہے۔ ا۔ وہ مسلمانوں کا سردار ہے۔ ۲۔ متقین کا امام ہے۔ ۳۔ سفید رو لوگوں کا رہبر ہے۔

یقیناً حضرت عمر نے یہ تمام احادیث سنی تھیں اور اسی لئے وہ اعتراف کر بیٹھتے تھے کہ خلافت علیؑ کا حق ہے۔ البتہ ہمیں ان لوگوں پر تعجب ہے جنہوں نے شاہ سے زیادہ شاہ پسند ہونے کا ثبوت دینے کے لئے رسالت مابؐ سے سنی ہوئی احادیث کو چھپایا اور پوچھنے پر بھی اپنے بڑھاپے کا عذر کر گئے۔

حضرت علیؑ کے استحقاق خلافت کے متعلق تاریخ میں حضرت عمر کے لاتعداد اعترافات موجود ہیں۔ اس مختصر سے رسالہ میں ان سب کی گنجائش نہیں ہے۔ ملت جعفریہ کے عظیم عالم دین آیت اللہ السید حسن الصدر الکاظمی نے اس موضوع پر مکمل کتاب تالیف فرمائی ہے اور کتاب کا نام "اقرارات عمر" رکھا ہے۔۵۰۔

مذکورہ کتاب میں مؤلف نے کتب اہل سنت سے حضرت عمر کے ان تمام اعترافات کو جمع کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت علیؑ کے استحقاق کی تصریح کی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے دلائل اظہر من الشمس ہیں۔ جنہیں انصاف پسند اور حق کے متلاشی افراد تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تعجب ہے کہ نص کی موجودگی میں لوگ نص کا انکار کس طرح سے کر سکتے ہیں اگر ہم منکرین نص کو لفظ مولیٰ کے متعلق شک کا فائدہ دے بھی دیں تو ان کے پاس درج ذیل حدیث کا کیا جواب ہے۔ **ان خلیلی و وزیری و خلیفتی خیر من اترک بعدی یقضی دینی وینجز موا عیدی علی ابن علی ابی طالب**۔ بلاشبہ علیؑ میرا دوست میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے میرے بعد تمام کائنات سے افضل ہے۔ علیؑ ہی میرا قرض چکائے گا اور میرے وعدے پورے کرے گا۔ یقیناً یہ اور اس جیسی دوسری احادیث علی علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی دلیل اور ناقابل تاویل نص ہیں۔

اس حدیث میں جناب رسالت مابؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیل، اپنا وزیر، اپنا خلیفہ اور اپنے بعد افضل الخلائق اور امام المتقین کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں علیؑ ہی خلافت کا حق دار ہے علیؑ کے علاوہ اور کوئی حق دار خلافت نہیں

ہے۔

تبلیغ سورۃ برات

حضرت علی علیہ السلام کے استحقاق خلافت کو تبلیغ سورۂ برات سے بھی تقویت ملتی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ برات کی ابتدائی آیات حضرت ابوبکر کے حوالے کر کے فرمایا کہ ان آیات کی تلاوت حج کے روز مکہ میں کریں۔ تمام لوگوں کو برات مشرکین کا اعلان سنائیں۔

حضرت ابوبکر وہ آیات لے کر روانہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو روانہ کیا اور انہوں نے رسول خدا کو اللہ کا یہ پیغام پہنچایا کہ ان آیات کی تبلیغ کے لئے آپؐ خود جائیں یا علیؑ کو بھیجیں۔

اس حکم الٰہی کے بعد رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا اور کہا کہ تم ابوبکر سے مذکورہ آیات لے لو اور ان آیات کا اعلان تمؑ نے ہی کرنا ہے۔ جاؤ اللہ تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا اور تمہارے دل کو ہدایت کرے گا۔

رسول خداؐ کا فرمان سن کر حضرت علیؑ چل پڑے اور حسب حکم حضرت ابوبکر سے وہ آیات لے لیں۔

حضرت ابوبکر واپس رسول خداؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟

رسول خداؐ نے فرمایا نہیں۔ جبریل امین نے مجھے اللہ کا پیغام پہنچایا ہے کہ آیات کی تبلیغ کے لئے آپ خود جائیں یا اسے بھیجیں جو آپؐ میں سے ہو۔۵۱۔

قارئین کرام! آپ نے اللہ کا فیصلہ پڑھ لیا کہ تبلیغ آیات کا حق صرف رسول مقبولؐ کو حاصل ہے یا حضرت علیؑ کو حاصل ہے۔

یہ واقعہ جہاں عظمت علیؑ کی دلیل ہے وہاں ان کے استحقاق خلافت کا بھی قابل تردید ثبوت ہے۔

ارباب انصاف توجہ فرمائیں رسول خداؐ نے جس شخصیت سے اپنی زندگی میں چند آیات دے کر حکم الٰہی سے واپس لے لی ہوں، اور جسے حیات رسول مقبولؐ میں چند آیات کی تبلیغ

کے قابل نہیں سمجھا گیا تو اسے رسول مقبولؐ کے بعد پورے قرآن کا وارث کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک عذر لنگ کا ازالہ

ان تمام آیات و احادیث کی موجودگی میں بھی علمائے اہل سنت حضرت علیؑ کے لئے نص خلافت سے انکار کرتے ہیں اور یہ موقف اختیار کرتے ہیں۔ کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کے لئے واقعی نص موجود تھی تو انہوں نے اسے اپنے حق میں پیش کیوں نہیں کیا۔ جب کہ ان کا حق بنتا تھا کہ وہ ان نصوص کو پیش کر کے اغیار کی خلافت کو باطل کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ کے لئے کوئی نص موجود ہی نہ تھی۔ تو اس اعتراض کے جواب میں ہماری گذارش یہ ہے کہ

اولاً : حضرت علی علیہ السلام نے ان نصوص کو اپنے حق خلافت کے لئے پیش کیا تھا کتب شیعہ ان روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

ثانیاً : اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت علیؑ نے نص پیش نہیں کی تو بھی یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کے لئے واقعی نص موجود ہی نہیں تھی۔ نص پیش نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کے تمام لوگوں کو وہ نصوص زبانی یاد تھیں اور وہ لوگ ان احادیث کے مفہوم سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ اگر کتب اہل سنت میں حضرت علی علیہ السلام کے متعلق یہ روایات نہیں ملتیں کہ انہوں نے اپنے حق کے اثبات کے لئے نص پیش کی ہو۔ تو نص کے ذکر کا کتب اہل سنت میں نہ ہونا اس بات کا کبھی بھی ثبوت نہیں بن سکتا کہ جناب امیرؑ نے فی الواقع نص پیش ہی نہیں کی تھی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ علمائے اہل سنت نے جان بوجھ کر ان روایات کو نظرانداز کر دیا کیونکہ وہ ان کے مذہب و عقیدہ کے مخالف تھیں۔

ثالثاً : اگر آپ رسول خداؐ کی وفات کے بعد کے حالات پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جناب امیرؑ کی کتنی حق تلفی کی گئی اور انہیںؑ کس قدر جان سوز مصائب سے دوچار ہونا پڑا تھا تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس خونی ماحول میں حضرت علیؑ کے لئے احتجاج کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ اور اگر احتجاج کرنا بھی چاہتے تو کیا رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازۂ مبارک کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر اپنی خلافت کا مقدمہ لڑتے؟ ہرگز نہیں علیؑ رسول خداؐ کے جنازے کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس دور میں خاندان اہل بیتؑ کتنے بڑے جبر کا شکار تھا' اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں کو بھیجا کہ وہ جا کر جناب زہراؑ کے گھر سے علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو نکال دیں اور انہیں روانہ کرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ اگر وہ نکلنے سے انکار کریں تو ان سے جنگ کرنا۔

عمر اپنے ساتھ آگ اور لکڑیاں لے کر چلے۔ جناب زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا عمر! تم کیوں آئے ہو کیا تم ہمارا گھر جلانا چاہتے ہو۔ عمر نے کہا جی ہاں! تم بھی باقی امت کی طرح ابوبکر کی بیعت کر لو ورنہ میں یہ گھر جلا دوں گا۔۵۲۔

آپ نے اس دور کے جبر و ستم کو دیکھا اور اختلاف رائے رکھنے والوں سے بدسلوکی کا ہلکا سا مشاہدہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے پاس اپنے حق کے اثبات کے لئے دلائل و براہین تھے لیکن جب ماحول پر اس قدر سفاکی چھائی ہوئی ہو تو دلائل کا جو اثر ہونا تھا وہ معلوم ہے۔

اس دور میں حضرت علیؑ کی مظلومیت کا اندازہ کرنے کے لئے خطبہ و شقشقیہ کا مطالعہ کریں' آپؑ نے فرمایا:

"اما واللہ لقد تعمصها ابن ابی قحافته و انه لیعلم ان محلی منها محل القطب من الرحا ینحدر عنی السیل ولا یرقی الی الطیر فسدلت دونها ثوبا وطویت عنها کشحا وطفقت ارتای بین ان اصول بید جذا اواصبز علی طغیة غمیا یهرم فیها الکبیر ویشیب فیها الصفیر ویکدح فیها مومن حتی یلقی ربه فرایت ان الصبر علی هاتا احجی فصبرت وفی العین قذی وفی الخلق شجا اری تراثی نهبا الخ

"خدا کی قسم فرزند ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا۔ حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر

اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ کوہ بلند ہوں جس پر سے سیلاب کا پانی گذر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اس کے باوجود میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہٰذا میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں غبار اندوہ کی خلش تھی اور حلق میں غم و رنج کے پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔

جی ہاں! ہمارا مخالف نص کے متعلق شک کر سکتا ہے اور اس حقیقت میں بھی شک کر سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے حق خلافت کے لئے نص پیش کی تھی۔ لیکن اس حقیقت میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علیؑ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور حضرت فاطمہ زہراؑ اور امام حسن و حسین علیہم السلام نے بھی ان کے لئے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور یہی چیز وجود نص کی دلیل ہے۔ کیونکہ اہل بیتؑ عصمت کے لئے جھوٹے دعویٰ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ جھوٹ رجس ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کو رجس سے پاک بنایا ہے اور اس کے لئے اللہ نے گواہی دی ہے: **انما یرید اللہ لینھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** اے پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے' ویسا ہی پاک و پاکیزہ رکھے۔

اس آیت کی وجہ سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت پر ایمان رکھے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور فرمان ہے **علی مع القران و القران مع العلی لایفترقان حتی یردا علی الحوض**۔ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے۔اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں۔۵۳؎

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ عدیل قرآن ہیں اور ان کے لئے یہ تصور ناممکن ہے کہ انہوں نے نص کے بغیر ہی خلافت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ورنہ وہ قرآن سے دور ہو جاتے اور رسول مقبولؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کا قرآن کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اگر ہم تمام نصوص سے صرف نظر بھی کر لیں اور بفرض محال مخالف کی اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے پھر بھی ہمیں حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ایسی احادیث بکثرت نظر آتی ہیں جو اس مقصد کی مئوید ہیں۔

ان احادیث کو اگر مخالف خلافت کی نص نہ بھی سمجھے تو بھی اسے کم از کم یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ احادیث حضرت علیؑ کی افضلیت کی دلیل ہیں اور یہ احادیث اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ ہی خلافت کے حق دار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو ایسے خصائص و کمالات عنایت فرمائے ہیں جو ان کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

شان علیؑ کی چند احادیث

۱۔ ابن حجر مکی ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں **انه ما انزل فی احد من کتاب الله مانزل فی علی** قرآن مجید کی جتنی آیات علیؑ کے حق میں نازل ہوئیں، کسی اور کے حق میں اتنی آیات نازل نہیں ہوئیں۔

۲۔ ابن عساکر سے منقول ہے کہ علیؑ کے حق میں تین سو آیات نازل ہوئیں۔

۳۔ طبرانی سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علیؑ کو اٹھارہ خصوصیات عطا فرمائیں جو ان کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ (صواعق محرقہ)

۴۔ امام احمد ابن عمر سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا
علیؑ بن ابی طالبؑ کو تین ایسی فضیلتیں حاصل ہوئی ہیں اگر ان میں سے مجھے ایک بھی حاصل ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیاری ہوتی۔
۱۔ رسول خدا نے اپنی صاحبزادی سے ان کی تزویج فرمائی اور ان سے علیؑ کی اولاد چلی۔
۲۔ رسول خداؐ نے مسجد میں علیؑ کے سوا سب کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ ۳۔ خیبر کے دن علیؑ کو علم عطا فرمایا۔۵۴۔

۵۔ ابن حجر صواعق میں لکھتے ہیں جناب رسول خداؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا **انک تقاتل علی تاویل القران کما قاتلت علی تنزیله** تم تاویل قرآن کے مطابق جنگ کرو گے جیسا کہ میں نے تنزیل قرآن کے مطابق جنگ کی ہے۔۵۵۔

۶۔ امام احمد حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ان سے فرمایا تم عیسیٰ کی مثال ہو۔ یہودیوں نے ان سے دشمنی رکھی یہاں تک کہ ان کی والدہ پر بہتان تراشی کی۔ اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی حتیٰ کہ انہوں نے انہیں اس مقام پر پہنچایا جس کے وہ قابل نہ تھے۔

اس کے بعد علیؑ نے فرمایا: میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔

۱۔ زیادہ محبت رکھنے والا جو مجھے ان صفات سے متصف سمجھے جو مجھ میں موجود نہیں ہیں۔

۲۔ اور مجھ سے بغض رکھنے والا جو میری دشمنی کی وجہ سے مجھ پر بہتان باندھے۔۵۶۔

۷۔ امام احمد لکھتے ہیں رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرایا میں تیرے لئے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تیرے لئے وہی کچھ ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں۔۵۷۔

۸۔ امام احمد روایت کرتے ہیں رسول خداؐ نے خیبر میں ارشاد فرمایا:

لا عطین الرایة غدا رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ لیس بفرار کل میں اس مرد کو علم عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور رسولؐ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ بھاگنے والا نہیں ہو گا۔

تمام اصحاب کو علم لینے کا بڑا اشتیاق تھا۔ آپؐ نے وہ علم علیؑ کو عطا فرمایا۔۵۸۔

۹۔ امام احمد ناقل ہیں جناب رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا:

و اما انت یا علی فمنی و انا منک علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔۵۹۔

۱۰۔ ابن حجر روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا:

اقضا امتی علی ابن ابی طالب میری امت کے سب سے بڑے قاضی (Chief Justice) علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

۱۱۔ رسول خداؐ نے فرمایا **انا وعلی من شجرة واحدة**۔ میںؐ اور علیؑ ایک ہی درخت سے ہیں۔

مواخات کے وقت حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپؐ نے لوگوں کے درمیان مواخات قائم کی۔ بتائیں میرا بھائی کون ہے؟ تو رسولؐ خدا نے فرمایا **انت اخی فی الدنیا والاخرۃ**۔ تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائیؑ ہے۔

۱۳۔ رسولؐ خدا نے فرمایا **عنوان صحیفتہ المومن حب علی ابن ابی طالب**۔ مومن کے نامہ اعمال کا عنوان علیؑ ابن ابی طالبؑ کی محبت ہے۔

۱۴۔ ابوبکر کہتے ہیں میں نے رسولؐ خدا سے سنا **لایجوز احدن الصراط الامن کتب لہ علی الجواز**۔ کوئی شخص اس وقت تک پل صراط سے نہیں گذرے گا جب تک علیؑ اسے پروانہ نہ لکھ دیں۔۶۰

۱۵۔ رسولؐ خدا نے فرمایا **من اذی علیا فقد اذانی**۔ جس نے علیؑ کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔

۱۶۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا **من احب علیا فقد احبنی و من احبنی فقد احب اللہ و من ابغض علیا فقد ابغضنی و من ابغض فقد ابغض اللہ**۔ جس نے علیؑ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی۔ اور جس نے علیؑ سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے مجھ سے بغض رکھا، اس نے اللہ سے بغض رکھا۔

۱۷۔ رسولؐ خدا نے فرمایا **من سب علیا فقد سبنی**۔ جس نے علیؑ کو سب کیا، اس نے مجھے سب کیا۔۶۱

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا نے مسلمانوں پر علیؑ کی محبت کو واجب اور ان سے بغض کو حرام قرار دیا ہے۔ رسول خداؐ نے علیؑ کی محبت کو اپنی محبت اور علیؑ کے بغض کو اپنا بغض قرار دیا ہے۔ اور اس عظمت و جلالت کا مالک صرف امام مفترض الطاعت ہی ہو سکتا ہے ورنہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول خداؐ نے کسی صحابی کی محبت کو امت پر فرض قرار نہیں دیا اور **من سب علیا فقد سبنی** کا حکم صرف حضرت علیؑ سے ہی مخصوص ہے۔ کتب حدیث و تاریخ میں اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں کہ آنحضورؐ کے سامنے بعض صحابی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوئے اور دل کھول کر ایک دوسرے کو سب و شتم کیا اور بعض دفعہ نوبت جوتیوں تک بھی آن پہنچی تھی۔ (کمافی مسلم) اس کے

باوجود آنحضرتؐ نے کسی صحابی کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو' اسے گالی دینا مجھے گالی دینے کے مترادف ہے۔

یہ حکم صرف حضرت علیؑ کے لئے ہے اور کسی صحابی کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ الغرض حضرت علی علیہ السلام کے حق میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں اور ان جملہ احادیث کو جمع کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔

؎ سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

یہ احادیث تمام صحابہ پر آپؑ کی فوقیت کی دلیل ہیں اور خود صحابہ کرام بھی حضرت علیؑ کی برتری کو تسلیم کرتے تھے۔

صواعق میں ابن مسعود سے منقول ہے **اقضا اهل المدينته علی**۔ اہل مدینہ کا بڑا قاضی علیؑ ہے۔ اور حضرت عمر کہا کرتے تھے **علی اقضانا**۔ علیؑ ہمارا سب سے بڑا قاضی ہے۔ حضرت عمر کا مشہور مقولہ تھا **لا ابقانی الله لمعضلته ليس لها علی الله** مجھے کسی ایسی مشکل کے لئے زندہ نہ رکھے' جس کے حل کے لئے علیؑ موجود نہ ہوں۔

اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ کے لئے مرجع و ماویٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔ تمام صحابہ اپنے دینی اور دنیاوی امور کی رہنمائی کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کیونکہ صحابہ کرام بخوبی جانتے تھے کہ ساری کائنات کی بکھری ہوئی صفات حمیدہ جمع ہو کر علیؑ میں آ گئی ہیں اور علیؑ میں کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو صرف ان کا خاصہ ہیں۔

كل خير يزينهم فهوفيه۔ وكل من رامه بالفخر مفخور۔

گیارہ ائمہ علیہم السلام کی امامت

اولاد امیرالمومنینؑ میں سے گیارہ ائمہ طاہرین کی خلافت ثابت کرنا انتہائی آسان ہے۔ عترت طاہرہ سے بہت سی ایسی روایات مروی ہیں جن میں ان کی امامت کی نص کی گئی ہے اور فرداً فرداً ان کے اسمائے گرامی بیان کئے گئے ہیں۔

ہمارے پاس کتب اہل سنت کی بھی بہت سی مستند احادیث موجود ہیں جن میں حضور کریمؐ کی جانب سے یہ تصریح کی گئی ہے کہ امام بارہ ہوں گے اور ان سب کا تعلق قریش سے ہو گا۔

امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

(بحذف اسناد) رسول خدا نے فرمایا **لایزال امر الناس فی قریش مابقی من الناس اثنان**۔ امر خلافت قریش میں ہی رہے گا جب تک لوگوں میں دو انسان بھی باقی ہوں۔

حصین بن جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضور کریمؐ کے پاس گیا تو میں نے انہیں یہ کہتے سنا **ان ھذا الامر لاینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشر خلیفتہ**۔ یہ امر اس وقت تک ختم نہ ہو گا جب تک ان میں بارہ خلفاء نہ گذر جائیں۔ اس کے بعد آپؐ نے کچھ کہا جسے میں نہ سن سکا۔ میں نے اس کے متعلق اپنے والد سے پوچھا تو میرے والد نے جواب دیا کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔۶۲۔

کتب حدیث میں یہ مضمون بہت سے طرق سے مروی ہے۔

ابن مسعود سے پوچھا گیا کہ اس امت پر کتنے افراد حکومت کریں گے۔ تو انہوں نے جواب دیا ہم نے یہ مسئلہ رسول خداؐ سے پوچھا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر بارہ افراد میرے جانشین ہوں گے۔

اس طرح کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ ان سب احادیث میں آنحضورؐ نے وضاحت

فرمائی کہ قیامت تک میرے بارہ جانشین ہوں گے اور ان سب کا تعلق قریش سے ہو گا۔

اہل سنت کے بارہ خلفاء

علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گنواتے ہیں جن کی خلافت میں تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی

۱۔ حضرت ابوبکر ۲۔ حضرت عمر ۳۔ حضرت عثمان ۴۔ حضرت علیؑ
۵۔ امیر معاویہ ۶۔ یزید ۷۔ عبدالملک بن مروان ۸۔ ولید
۹۔ سلیمان ۱۰۔ عمر بن عبدالعزیز ۱۱۔ یزید ثانی ۱۲۔ ہشام

سیرت النبی شبلی جلد ۳ ص ۷۲۳۔ ۵ **کذافی الصواعق المحرقه و شرح فقه اکبر**

قارئین کرام! ان ناموں کو اچھی طرح سے پڑھ کر فیصلہ کریں کہ کیا یزید اور عبدالملک جیسے دشمنان اسلام رسول مقبولؐ کے خلفاء کہلانے کے مستحق ہیں۔ کتنا بڑا غضب ہے کہ لوگوں نے اہل بیتؑ طاہرین کے بارہ معصوم اماموں کو چھوڑ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کرانے والے اور قرآن مجید کو تیروں سے چھلنی کرنے والے افراد کو خلفاء رسولؐ مان لیا ہے۔ (الی اللہ المشتکی) **من المترجم**

اس حدیث سے صرفؑ شیعہ امامیہ کا ہی اعتقاد و مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ شیعہ بارہ ائمہ کی امامت کے قائل ہیں اور تمام ائمہ کا تعلق بنی ہاشم سے ہے جو کہ قریش کا جوہر ہیں۔

سابقہ روایات میں خلافت کو خاندان قریش سے مخصوص کیا گیا ہے اور ان روایات کی مخصص احادیث بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خاندان قریش میں امامت کا تعلق بنی ہاشم کے گھرانے سے ہے۔ صواعق محرقہ میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث موجود ہے:

"ہر دور میں میری امت کے اندر میرے اہل بیت کے عادل افراد موجود ہوں گے جو اس دین سے گمراہوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے دعوے اور جاہل لوگوں کی تاویل کو دور کریں گے۔ یاد رکھنا تمہارے امام خدائی قاصد ہیں۔ اچھی طرح

سے دیکھ لینا کہ تم کسے اپنا قاصد بنا رہے ہو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت رسولؐ اور اہل بیتؑ کے افراد ہی امت میں ہدایت خلق کا فریضہ سرانجام دیں گے اور اس امت میں وحدت قائم رکھیں گے۔ اہل بیتؑ طاہرین ہی وہ بزرگوار شخصیات ہیں جن کی مودت کو اللہ نے فرض کیا اور ان کی مودت کو اجر رسالتؐ قرار دیا گیا ہے۔

یہ وہی خاندان ہے جن کے حق میں اللہ نے آیت تطہیر نازل فرمائی اور جن کے متعلق حضورؐ نے اپنی اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ یاد رکھنا تمہارے امام خدائی قاصد ہیں۔ لہٰذا اچھی طرح سے دیکھ لینا کہ تم کسے اپنا قاصد بنا رہے ہو۔

یہ حدیث تو بعینہٖ وہی ہے جس کا شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امر خلافت آل محمد کے ساتھ مخصوص ہے' ان کی اطاعت فرض اور ان سے تمسک رکھنا ضروری ہے۔ ان کی مضبوط رسی کو تھامنا واجب ہے۔

قرآن مجید میں اہل بیتؑ کا بار بار تذکرہ کیا گیا اور جناب رسالت مابؐ نے ان کا بازو پکڑ کر اپنی امت کو دکھایا اور انؑ کی عظمت بیان کرتے ہوئے خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا **انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلو بعدی احد هما اعظم من الاخر کتاب الله عزوجل حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی وان اللطیف الخبیر اخبرنی انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا بما تخلفونی فیهما۔** "میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم اسے تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اللہ کی کتاب آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی رسی ہے اور میری عترت اہل بیتؑ مجھے باریک بین باخبر خدا نے خبر دی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آ جائیں۔ دیکھو میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔"

اسی حدیث کو ابن حجر نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے **وفی روایته صحیته انی تارک فیکم امرین لن تضلوا ان تتبعوهما وهما کتاب الله واهل بیتی عترتی۔** "روایت صحیحہ میں وارد ہے آپؐ نے فرمایا میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے ان دونوں کی اتباع کی تو تم گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل

بیت۔

طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں **انی سالت نلک لھما فلا تقدموھما فتھلکوا ولا تقصروا عنھما فتھلکوا ولا تعلموھم فانہم اعلم منکم** "میں نے ان دونوں کے لئے اللہ سے سوال کیا ہے۔ لہٰذا ان سے آگے نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان سے پیچھے نہ رہنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور میرے اہل بیتؑ کو سکھانے کی کوشش نہ کرنا بلاشبہ وہؑ تم سے زیادہ عالم ہیں۔

ابن حجر حدیث ثقلین سے یہ مراد لیتے ہیں کہ کتاب و عترت قیامت تک باقی رہیں گے۔ پھر فضائل اہل بیتؑ کی چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے اہل بیتؑ کی پیروی کی بار بار اس لئے تاکید کی ہے کہ اہل بیتؑ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے عالم ہیں۔ اور یہ ذوات قدسیہ حوض کوثر تک قرآن سے جدا نہیں ہوں گی۔

حضور کریمؐ نے اہل بیتؑ کی شان علم بیان کرتے ہوئے فرمایا: "انہیں تعلیم نہ دینا وہ تم سے بڑے عالم ہیں۔ اہل بیتؑ اپنے خداداد علم کی وجہ سے باقی علماء سے ممتاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے رجس کو دور رکھا ہے اور انہیں طہارت کاملہ سے نوازا ہے۔" ابن حجر مزید لکھتے ہیں تمسک اہل بیتؑ کی ترغیب دینے والی احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قیامت تک ہر دور میں اہل بیتؑ کے گھرانے میں کوئی نہ کوئی قابل اتباع فرد موجود رہے گا۔

جس طرح دنیا میں قرآن باقی رہے گا اسی طرح سے اہل بیتؑ باقی رہیں گے۔ اور یہی سبب ہے کہ اہل بیتؑ اہل زمین کے لئے باعث امان قرار پائے اور سابقہ حدیث اس مفہوم کی تائید کرتی ہے کہ ہر دور میں میری امت کے اندر اہل بیتؑ کے عادل افراد ہوں گے۔ حق یہ ہے کہ رسول مقبولؐ کا عترت طاہرہ کو عدیل قرآن کہنا اور ان کے متعلق یہ اعلان کہ ان سے تخلف کرنے والا ہلاک ہو گا' یہ ان کی امامت کی قوی دلیل ہے۔ اور اس کی مزید تائید آنحضورؐ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے انہیں تعلیم دینے کی کوشش نہ کرنا وہ تم سے بڑے عالم ہیں۔

آنحضورؐ کا یہ اعلان اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اہل بیتؑ کا علم افراد بشر سے حاصل کردہ نہیں ہے اور انہوں نے کبھی کسی شخص کے آگے زانوئے تلمذتہ نہیں کیا۔ وہ علم لدنی کے مالک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں علم بطور الہام عطا فرمایا ہے اور یہ ان کی خلافت کی بین

دلیل ہے۔

اہل سنت کا اہل بیتؑ سے اعراض

اہل بیتؑ طاہرین کے مقام علم کے لئے آپ نے جناب رسول خداؐ کی احادیث پڑھی ہیں اب آیئے دیکھیں اہل سنت علماء کی نظر میں علم اہل بیتؑ کا کیا مقام ہے۔

ابن حزم اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"حسنؑ و حسینؑ سے فقہ کے متعلق جو روایات مروی ہیں وہ پورے دس اوراق پر بھی مشتمل نہیں ہیں۔ آخر ایسے لوگوں کے لئے امامت کے دعویٰ کی ضرورت ہی کیا ہے جن سے کسی اپنے پرائے کو آج تک علم و عمل کا کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوا۔ اور حسینؑ کے بعد باقی کسی فرد سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے کھل کر کبھی امربالمعروف کیا ہے۔

بعدازاں یہی گستاخ کہتا ہے جعفر بن محمد کو کوئی علمی مقام حاصل نہیں تھا۔ ہم ابن حزم کے اس قول کو درست مانتے ہیں کہ کتب اہل سنت میں حسنین کریمین علیہما السلام کی بیان کردہ روایات سے دس اوراق بھی نہیں بھرتے۔

لیکن اس میں آل محمدؐ کا کیا قصور ہے؟

مرجئہ یہ جرم ہے تو ان محدثین کا جنہوں نے ان سے روایات نقل نہیں کیں اور انہیں اہمیت نہ دی اور اس کے برعکس ضعفاء' اور خوارج سے روایت لینے میں انہوں نے کبھی قباحت محسوس نہیں کی۔

ابن حزم کا اعتراض کتب اہل سنت کی حد تک تو درست ہے۔ لیکن کتب شیعہ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

علماء شیعہ نے اپنے دین کے جملہ اصول و فروع کے لئے اہل بیتؑ طاہرین پر انحصار کیا ہے اور مذہب شیعہ کی کتابوں میں روایات اہل بیتؑ سینکڑوں کی بجائے ہزاروں میں گنی جا سکتی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے چار ہزار افاضل شیعہ نے روایت کی ہے اور امام صادقؑ سے مروی احادیث کو چار سو کتابوں میں نقل کیا گیا جنہیں اصول اربعہ مائتہ کہا جاتا تھا۔ پھر ان چار سو رسائل کی جملہ روایات کو کتب اربعہ میں جمع کیا گیا۔ کتب اربعہ میں مجموعی طور پر

۴۰۲۴۴ احادیث موجود ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ابن حزم کے اس قول کی کوئی وقعت نہیں رہتی کہ اللہ نے ان کی امامت کے ذریعے سے کسی کو علم و عمل کا فائدہ نہیں پہنچایا۔

جی ہاں! اللہ نے ائمہ طاہرین کے علم سے ابن حزم جیسے لوگوں کو محروم رکھا ہے اور اہل ایمان نے بحمد اللہ ان سے علم و عمل کا ایمان فیض حاصل کیا ہے۔

؎ گرنبیند روز را شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

کیا پھر بھی یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ شیعوں کو امام صادقؑ کے علم میں کوئی برتری نظر نہیں آئی ابن حزم کی اس ہرزہ سرائی سے مقام امام میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ کیونکہ خود ابن حزم کوئی لائق اعتناء شخص نہیں ہے اور نہ ہی اس کے قول کی کوئی اہمیت ہے۔

ابن خلدون اس کے متعلق اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

ابن حزم نے اکثر ائمہ مسلمین پر زبان درازی کی ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ اس پر خفا ہو گئے اور امت مسلمہ میں اس کے عقائد و نظریات کو بڑی حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اس کی کتابوں کو پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس کی کتابیں ردی میں فروخت ہوتی رہی ہیں۔ بعض اوقات لوگوں نے اس کی کتابوں کو پھاڑ ڈالا۔ ۶۳؎

ابن حزم کے متعلق آپ نے ابن خلدون کا تبصرہ پڑھا اور اس تبصرے سے آپ کو ابن حزم کی بے وقعت شخصیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ شخص اس لائق ہی نہیں ہے کہ اس کی طرف کان دھرا جائے۔ اس کا کلام دیوار پر مارنے کے قابل ہے۔

ہم دل پر جبر کر کے اس کے قول کو صرف اس لئے نقل کیا ہے تاکہ قارئین کرام کو اس کے مذہبی تعصب کا اندازہ کرنے میں آسانی ہو۔ اور کسی بھی مقام پر اس کے الزامات کو لائق اعتناء تصور نہ کریں۔

باب ۶

اجمالی عقائد شیعہ

بلاشبہ مذہب شیعہ بہت سے ایسے خصائص و امتیازات کا حامل ہے جو اس مذہب کی سربلندی کا باعث ہیں۔ اور اپنی خصوصیات کی وجہ سے متلاشیان حق کے لئے منارۂ نور کا کام دے رہا ہے ہم اس فصل میں مذہب شیعہ کے امتیازات پر بحث نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ اس بحث کے لئے وسیع وقت اور طویل صفحات کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم صرف خالص شیعہ عقائد ہی زیر بحث لانا چاہتے ہیں اور یہی چیز ہماری اس فصل کا موضوع ہے۔ شیعہ عقائد خالص اسلامی عقائد ہیں جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے شیعہ عقائد دین حنیف کی تعلیمات عالیہ سے ماخوذ ہیں۔ مذہب شیعہ کا سرچشمہ قرآنی تعلیمات' سنت نبویؐ اور احادیث آل محمدؐ ہیں۔

مذہب شیعہ نے اپنے عقائد کو بااعتماد مقام اور باوثوق اسناد سے حاصل کیا ہے۔

احمد امین کی غلط روش

ہمیں اس وقت انتہائی تعجب ہوتا ہے جب عصر حاضر کے بعض مصنفین کو دیکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے عقائد بیان کرتے وقت ادھر ادھر کے تکے چلانے شروع کر دیتے ہیں۔ شاید ان کا خیال یہ ہے کہ شیعہ بھی ان امتوں میں شامل ہیں جن کا وجود دنیا سے مٹ چکا ہے۔ اور اب صرف ان کا نام باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا وہ جس طرح کی بھی یاوہ گوئی کرتے رہیں انہیں اس کی اجازت ہے۔ آپ احمد امین کو دیکھیں وہ شیعیت کو یہودیت' نصرانیت اور زرشتی مذہب کا ملغوبہ قرار دیتا ہے اور اپنی رسوائے زمانہ کتاب فجرالاسلام میں لکھتا ہے

پروفیسر ولسن کا خیال ہے کہ شیعیت جتنی یہودیت سے متاثر ہوئی ہے' اتنی مجوسیت سے متاثر نہیں ہوئی۔ کیونکہ شیعیت کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی النسل

تھا۔

جب کہ پروفیسر دوزی کا خیال یہ ہے کہ شیعیت کا سرچشمہ مجوسیت ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر پروفیسر ولسن اور دوزی شیعیت کا منبع یہودیت و مجوسیت کو قرار دیں تو بھی وہ چنداں لائق مذمت نہیں ہیں۔ کیونکہ انہیں اسلامی تاریخ اور مذاہب اسلامیہ کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں تھیں اور شیعیت کے متعلق ان کے یہ نظریات ہی ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ہمیں احمد امین پر اس وقت تعجب ہوتا ہے جب وہ دوزی کے اس نظریہ کی تردید کرتا ہے کہ شیعیت کا سرچشمہ مجوسیت ہے۔ لیکن احمد امین نے ولسن کے قول کے متعلق ایسی خاموشی اختیار کر لی ہے گویا ولسن کا نظریہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہو۔ اور گویا یہ بالکل سچ ہو کہ شیعیت کا بانی عبداللہ بن سبا تھا۔

ایسی گفتگو یقیناً تاریخ پر ظلم ہے اور یہ نظریہ تاریخ کا منہ چڑانے کے مترادف ہے حالانکہ احمد امین خود بھی ایک مقام پر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کچھ محققین کے نزدیک عبداللہ بن سبا کا حقیقی وجود ثابت نہیں ہے اور اہل تحقیق عبداللہ بن سبا کو ایک خیالی اور فرضی وجود تصور کرتے ہیں۔

جب ایک شخص کا وجود و عدم ہی متنازعہ فیہ ہو تو اسے ایک مسلمہ مذہب کا بانی کس طرح سے قرار دیا جا سکتا ہے۔۶۴۔ اور اگر بالفرض عبداللہ بن سبا کے وجود کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اسے کسی طرح سے مذہب شیعہ کا بانی قرار دینا ظلم ہو گا۔ کیونکہ کتب تاریخ ہمیں گواہی دیتی ہیں کہ حضرت علیؑ اس کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے اس پر غضب ناک ہوئے تھے اور اسے ساتھیوں سمیت آگ میں جلا دیا تھا۔

احمد امین کی کتاب کے سابقہ اقتباسات آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ نام نہاد "محقق" شیعی تعلیمات کا سرچشمہ یہودیت و نصرانیت اور زرشتی مذہب کو قرار دیتا ہے اورا س کے ساتھ ساتھ اس بات کا دعویدار ہے کہ انہی تعلیمات کے نتیجے میں مذہب شیعہ کے عقائد میں تجسیم باری اور حلول کے عقائد داخل ہوئے۔ ہم ان عقائد سے بے زار ہیں۔ یہ الزامات اگرچہ انتہائی ناقابل برداشت ہیں۔ ہم اس کے باوجود بھی احمد امین کا مواخذہ صرف اس وجہ سے نہیں کرنا چاہتے کہ ہر شخص کو تحریر کی آزادی حاصل ہے۔

آزادی تحریر کے حق کے تحت احمد امین جو لکھنا چاہے لکھ سکتا ہے۔ اسے اپنے نظریات و آراء کے اظہار کی کھلے بندوں اجازت ہے۔ اور ہمیں بھی اس کے نظریات ٹھکرانے کی اجازت ہے اور ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم اس کے نظریات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھیں اور اس پر مکمل بحث کریں۔ مذہب شیعہ ازل سے ہی فراخ دل واقع ہوا ہے۔ ہم نے آزادی تحریر کو ہمیشہ خوش آمدید کہا ہے۔ ہم کسی بھی دور میں قلم کو قید رکھنے کے حامی نہیں رہے اور ہم نے ہر دور میں حقیقت کو حقیقت ہی لکھا ہے اور مذہب شیعہ ہمیشہ سے آزاد تحقیق کا طرف دار رہا ہے۔ جیسا کہ (**الصحابة فی نظرالامامية**) کے زیر عنوان ڈاکٹر حامد حفنی داؤد نے لکھا ہے۔ صحابہ کے کردار پر گفتگو کا دروازہ سب سے پہلے شیعوں نے ہی کھولا ہے۔ انہوں نے بعض صحابہ پر جرح کی اور بعض کی تعدیل کی ہے جب کہ ہمارے اہل سنت بھائیوں نے یہ دروازہ کھولنے کی جرات نہیں کی۔ لہٰذا ہم اس ادبی جرات پر احمد امین کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ احمد امین کے نظریات کسی مضبوط اساس پر مبنی نہیں ہیں۔ اس نے اپنے نظریات کو کسی بااعتماد ماخذ سے حاصل نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس کے اسلاف نے ادیان و مذاہب کے موضوع پر جو کتابیں لکھی ہیں' ان کتابوں میں ہم پر وہ الزامات عائد نہیں کئے گئے جو اس شخص نے ہم پر لگائے ہیں۔ مثلا شہرستانی کو ہی دیکھ لیں جب اس نے کچھ عقائد فاسدہ شیعوں کی طرف منسوب کرنے چاہے تو اس نے اس کا الزام مکمل شیعیت پہ نہیں لگایا۔ بلکہ اس نے ان عقائد کو "غلاۃ" کے نام سے منسوب کیا۔

ہم پہلے بھی یہ گذارش کر چکے ہیں اور اس گذارش کو بار بار دہرانا چاہتے ہیں کہ جن مذاہب میں تشبیہ باری اور حلول کے عقائد ہیں' ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔ اگر ہم ان حقائق سے چشم پوشی بھی کر لیں اور نعوذ باللہ یہ مان لیں کہ مذکورہ فرقوں کا تعلق بھی مذہب شیعہ سے ہے تو کیا پھر بھی احمد امین اور دیگر مصنفین کو یہ بات زیب دیتی تھی کہ اس نے یہ لکھا "تشیع کے زیر اثر "تناسخ ارواح" اور "تجسیم باری" اور "حلول" کے نظریات پیدا ہوئے۔"

کوئی بھی شیعہ ان عقائد کا قائل نہیں ہے۔ اور یہ عقائد بعض گمراہ فرقوں کے ہیں تو کیا انصاف اور دیانت داری کا یہی تقاضا ہے کہ بعض کی نسبت کل کی طرف کی جائے؟

فما لکم کیف تحکمون

اور سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ احمد امین نے شیعہ کتابوں کے مطالعہ کے بغیر ہی ان پر فتویٰ لگا دیا ہے۔

بلا تحقیق فتویٰ صادر کرنے میں احمد امین نے اپنے بزرگوں کی اتباع کی ہے لیکن اسے کتب فریقین پر عدم اعتماد اور تاریخی مصادر سے روگردانی کی وجہ سے اپنے اسلاف پر فوقیت حاصل ہے۔

شاید یہ جدید فلسفہ کا اثر ہے کہ اس قبیل کے لوگ کتب فریقین سے روگردانی کو اپنی ترقی پسندی سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ ترقی پسندی مبارک ہو اور روشنی کے اس دور میں یہ آزادی انہیں ہی نصیب ہو۔

اب ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ بعض شیعہ عقائد کو اجمالی طور پر تحریر کیا جائے تاکہ احمد امین اور اس قبیل کے دوسرے مصنّفین کی تحریروں کی قلعی کھل سکے۔ اور اس مقام پر یہ واضح کرنا انتہائی ضروری ہے کہ ہم شیعی عقائد کو صرف اجمالی طور پر بیان کر رہے ہیں کیونکہ اس کی تفصیل کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے ہم اپنے محترم قارئین سے عقائد شیعہ پر لکھی جانے والی مفصل کتابوں کے مطالعہ کی اپیل کرتے ہیں۔

ذات باری کے متعلق عقیدہ

باری تعالیٰ کے متعلق مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ نہ تو جسم ہے نہ جوہر' نہ عرض ہے اور نہ متحیز ہے اور نہ کسی مکان میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ نہ ہی اللہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ کیونکہ حلول کرنے والے کو مقام حلول کی احتیاج ہوتی ہے اور جو کسی کا محتاج ہو وہ ممکن الوجود ہوتا ہے۔ اور باری تعالیٰ چونکہ ممکن الوجود نہیں' واجب الوجود ہے اس لئے وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اور باری تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کرنا بھی درست نہیں ہے کہ وہ کسی غیر میں متحد ہے کیونکہ دو چیزیں تبھی ایک ہو سکتی ہیں جب وہ بغیر کسی کمی بیشی کے آپس میں مخلوط ہو جائیں اور شیعہ عقیدہ کے مطابق اللہ دکھائی دینے سے منزہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر باری تعالیٰ کو "مرئی" تصور کیا جائے تو رؤیت کی اولین شرط کسی جہت میں مخصوص ہونا ہے۔ کیونکہ کوئی چیز اس وقت ہی دکھائی دیتی ہے جب وہ دیکھنے والے کے سامنے ہو اگر جہت نہ ہو تو رؤیت ناممکن ہو جاتی ہے۔ جس طرح سے آئینہ

دیکھنے والا شخص آئینہ کے بالمقابل ہوتا ہے اور اس حقیقت سے ہر صاحب علم باخبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں محدود نہیں ہے۔ لہٰذا جب اس کے لئے جہت ہی مقرر نہیں کی جا سکتی تو اس کی رؤیت بھی محال ہے۔

قرآن مجید کے متعلق عقیدہ

قرآن مجید کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں لیلتہ القدر کو قرآن مجید بیت المعمور میں ایک ہی دفعہ نازل ہوا پھر بیت المعمور سے تیئس سال کے عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ خداوند عالم نے اپنے نبی کو قرآن کا مکمل علم عطا فرمایا تھا' اس لئے فرمایا:

ولا تعجل بالقران من قبل ان یقضی الیک وحیه و قل رب زدنی علما

"حبیب جب تک میری وحی پوری نہ ہو جائے تم قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو اور یہ دعا مانگا کرو کہ میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔"

قرآن مجید کے متعلق ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اس کی وحی اس کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ یہ اللہ کا قول اور اسی کی کتاب ہے جھوٹ نہ تو اس کے آگے بھٹک سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ خوبیوں والے دانا خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا۔ وہ یہی ہے جو دوگتوں کے درمیان لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت موجود ہے۔ اس سے زیادہ نازل نہیں ہوا۔ اور جو شخص ہماری طرف یہ امر منسوب کرے کہ ہم موجودہ قرآن سے زائد قرآن کے قائل ہیں تو وہ جھوٹا ہے۔

قرآن مجید' قدیم ہے یا حادث؟

یہ امر قدیم اور جدید دور میں معرکتہ الاراء رہا ہے۔ اس کے متعلق شیعہ اور معتزلہ کا ایک نظریہ رہا ہے اور اشاعرہ کا جداگانہ نظریہ رہا ہے۔ شیعہ اور معتزلہ کلام الٰہی کو حادث سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کلام حروف واصوات کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ دونوں چیزیں بالبداہت حادث ہیں۔

اسی لئے کلام اللہ کو قدیم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب کہ اشاعرہ کی رائے یہ رہی ہے کہ

کلام اللہ قدیم ہے اور وہ امر و نہی و خبر و استخبار نہیں ہے۔ اور اس بات کا محال ہونا مخفی نہیں ہے۔ اشاعرہ کی رائے کے ابطال کے لئے علمائے شیعہ نے جو دلائل دیئے ہیں' ان میں سے چند دلائل ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امر و نہی' خبر و استخبار وغیرہ کلام کے مختلف اسلوب ہیں اور ہر ایک کی جداگانہ ماہیت ہے اور ایک دوسرے کے مخالف اسالیب پر ایک ہی حکم لگانا ناممکن ہے۔

۲۔ کلام الٰہی قدیم ماننے سے **انا ارسلنا نوحا الی قومه** (بے شک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف روانہ کیا) **انا نحن نزلنا الذکر** (بے شک ہم نے قرآن نازل کیا) جیسی تمام آیات کی تکذیب لازم آئے گی۔ کیونکہ ان آیات میں زمانہ ماضی کے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ اور قرآن مجید کو قدیم ماننے کی صورت میں کذب لازم آئے گا۔ کیونکہ ابھی تک نوحؑ کو روانہ نہیں کیا گیا تھا' اسی طرح قرآن کو نازل نہیں کیا تھا۔ اور کذب اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

۳۔ قرآن مجید کو قدیم ماننے سے باری تعالیٰ کی طرف نعوذ باللہ سفاہت کی نسبت لازم آتی ہے اور باری تعالیٰ اس صفت سے منزہ ہے۔ کیونکہ غیر موجود سے خطاب سفاہت و جہالت ہے۔ مثلاً ایک شخص مکان میں اکیلا بیٹھا ہوا ہو اور اس کمرے میں کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو' اور وہ شخص مختلف افراد کے نام لے کر صدا دے' تو ایسا شخص سفیہ اور احمق قرار پائے گا۔

یہ حقیقت مسلم ہے کہ ازل میں عالم کا کوئی وجود نہیں تھا۔ عالم کی تخلیق بہت بعد میں ہوئی۔ اب اگر کلام الٰہی ازلی ہے تو ان آیات مثلاً **یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ** (رسولؐ اس چیز کو پہنچاؤ جسے تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس بھیجا گیا) **یا ایها الناس القوا ربکم** (لوگو اپنے رب سے ڈرو) جیسی آیات کا کیا بنے گا۔ پہلی آیت میں رسولؐ کو خطاب ہے اور دوسری آیت میں تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ اور رسول بھی حادث ہیں اور انسان بھی حادث ہیں۔

اب اگر کلام الٰہی کو قدیم مانا جائے تو رسولؐ اور جملہ انسانوں کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ یا پھر یہ کہا جائے گا اللہ نے انہیں اس وقت خطاب کیا تھا کہ جب کہ یہ موجود ہی نہ تھے۔ اور یہ چیز غیر موجود کو صدا دینا ہے اور عقلاء کے نزدیک اسے دماغی

خلل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ **سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔**

۴۔ خود قرآن مجید کی آیات سے ہی اشعری نظریہ کی تردید ہوتی ہے فرمان خداوندی ہے **مایا تیھم من نکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون۔** (جب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس کوئی نیا حکم آتا ہے تو وہ اسے صرف کان لگا کر سن لیتے ہیں پھر اس کا ہنسی کھیل اڑاتے ہیں) **بل ھو قران مجید فی لوح محفوظ** بلکہ یہ تو قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ لوح بلاشبہ حادث ہے۔ اور جب ظرف ہی حادث ہو تو منظروف کس طرح قدیم ہو سکتا ہے؟

۵۔ اشاعرہ قرآن مجید کے قدیم ہونے کے قائل ہیں تو اب قرآن یا تو اس مفہوم کا نام ہے جو ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اب اگر قرآن اس مفہوم سے عبارت ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے تو قرآن حادث ہے اس لئے کہ وہ مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے۔ اگر دوسری رائے اختیار کی جائے تو اس سے باری تعالیٰ کو غیر معلوم کے وصف سے متصف کرنا لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

اصول دین

مذہب شیعہ کے پانچ اصول ہیں۔

۱۔ توحید ۲۔ عدل ۳۔ نبوت ۴۔ امامت ۵۔ قیامت۔

شیعہ اور اہل سنت کے درمیان دوسرے اور چوتھے اصول کا اختلاف ہے اہل سنت اصول دین سے عدل کو خارج سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اللہ ظالم ہو سکتا ہے۔

مذہب شیعہ میں کسی چیز کے حسن و قبح کا معیار عقل سلیم ہے۔ اور اس نظریہ کی تائید انسانی عقل اور تحقیق سے ہوتی ہے۔ فعل قبیح کی تعریف یہ ہے کہ جس کے بجا لانے سے انسان مذمت کا مستحق ٹھہرے اور اس کے چھوڑنے سے مدح کا مستحق کہلائے۔ اور فعل حسن کی تعریف اس کے برعکس ہے یعنی فعل حسن وہ ہے جس کے بجا لانے سے انسان مدح کا مستحق اور چھوڑنے سے مذمت کا مستحق بنے۔

خداوند عالم سے فعل قبیح کا صدور ناممکن ہے۔ کیونکہ قبیح کا ارتکاب دو وجوہات کی بنا پر

ہوتا ہے:

۱۔ فعل قبیح بجالانے والے کو اس کی قباحت کا علم نہ ہو۔

۲۔ علم ہو لیکن اسے اس کی ضرورت ہو۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں اسباب سے منزہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اسباب موجب نقص ہیں۔

۱۔ اللہ جاہل نہیں ہے کہ اپنی جہالت کی وجہ سے فعل قبیح کا ارتکاب کرے کیونکہ علم اللہ کی صفت ذاتی ہے۔

۲۔ اللہ ضرورت مند بھی نہیں ہے کیونکہ وہ غنی مطلق ہے اور وہ صفات کاملہ کا مالک ہے۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ کمال کے مقابل نقص ہوتا ہے اگر نعوذ باللہ اللہ سے فعل قبیح کا صدور ہو تو نقص لازم آئے گا۔ اور نقص باری تعالیٰ کے مقام عظمت کے خلاف ہے۔

عصمت انبیاء

مذہب شیعہ میں انبیائے کرام کو معصوم سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ عصمت احکام شرعی اور ان کی ذاتی زندگی دونوں میں موجود ہوتی ہے۔

ہم انبیائے کرام کے حق میں صغیرہ، کبیرہ اور کسی طرح کی غلطی کو ان کی شان نبوت کے منافی سمجھتے ہیں۔

یہ عقیدہ دین اسلام کے لازمی عقائد میں سے ایک ہے۔ کیونکہ اگر نبی کے لئے خطا کو جائز سمجھا جائے تو پھر وہ زندگی کے کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں قرار پائے گی۔ خطا میں کذب شامل ہے۔ اب اگر نبی کو ہر لغزش اور غلطی سے معصوم نہ مانا جائے تو وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ اور خدانخواستہ اگر دماغ میں یہ عقیدہ راسخ ہو جائے کہ نبی جھوٹ بول سکتا ہے تو نبی کے بیان کردہ امرونہی پر عمل کرنا ضروری نہیں رہے گا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ بعثت انبیاء اور تبلیغ احکام کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔ اسی لئے انبیائے کرام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے۔ شریعت طاہرہ اور عقل سلیم عصمت انبیاء کو ضروری قرار دیتے ہیں۔۶۵

عصمت ائمہ علیہم السلام

مذہب شیعہ میں امام کو معصوم تسلیم کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ عصمت ائمہ کے شیعی عقیدہ کو "غلو" سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ تھوڑا سا تدبر سے کام لیتے تو ان کی آنکھوں سے جہالت کے دبیز پردے اتر سکتے تھے اور حقائق انہیں دکھائی دے سکتے تھے۔

جس دلیل کے تحت عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے۔ اسی دلیل سے ہی عصمت ائمہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ امامت ظل رسالت ہے اور امام نائب رسول ہے۔ نبوت کے بعد امامت کا عہدہ ہے۔ عصمت انبیاء کے عقیدہ سے جو فائدہ مرتب ہوتا ہے وہی فائدہ عصمت ائمہ کے عقیدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر ہم عصمت ائمہ کے متعلق قرآن مجید کی طرف رجوع کریں تو قرآن ہمیں یہ اعلان کرتا ہوا دکھائی دے گا۔ **انما یرید اللہ لینھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** اے پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا ہی پاک و پاکیزہ رکھے۔" اور یاد رہے کہ رجس میں کذب بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے نص قرآن سے اس کی نفی فرمائی ہے۔ اور جب اہل بیتؑ کے لئے کذب محال ہے تو ان کی عصمت خود بخود ہی ثابت ہے۔ اور مذہب شیعہ اسی عصمت کا دعویدار ہے۔

جی ہاں! اس سلسلہ کے ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ کیا ائمہ کے لئے عصمت اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ انبیاء کے لئے ضروری ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء کی طرح ائمہ کے لئے بھی عصمت ضروری ہے۔ کیونکہ لوگوں کو امام کی ضرورت اسی وجہ سے ہے کہ لوگ غیر معصوم ہیں۔ اب اگر امام بھی غیر معصوم ہو تو اس امام کو کسی دوسرے معصوم امام کی ضرورت ہو گی اور دوسرے امام کو کسی تیسرے معصوم امام کی ضرورت ہو گی تو اس طرح سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل باطل ہے لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ ائمہ کو ہر قسم کی خطا و لغزش سے محفوظ رکھے جیسا کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کی ہے۔

مہدی علیہ السلام کا وجود

آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ امت کو ایسے امام معصوم کی شدید ضرورت ہے جو ان کی حلال و حرام میں رہنمائی کر سکے اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کرے اور یہ

ضرورت کسی ایک وقت اور زمانے تک محدود نہیں ہے۔ اس ضرورت کا تقاضا ہے کہ ہم امام مہدی علیہ السلام کے وجود اقدس پر ایمان رکھیں۔ کیونکہ اس دور میں اور کسی امام کی امامت کا دعویٰ موجود نہیں ہے۔ مخالفین شیعہ کا امام مہدی علیہ السلام کے طول عمر پر اعتراض بے سود ہے۔ کیونکہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کی طویل عمر کے قائل ہیں۔ اور دجال ملعون کی لمبی عمر کے قائل ہیں۔

قرآن مجید نے ہمیں نوح علیہ السلام کے متعلق بتایا ہے کہ انہوں نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ دین کی تھی۔ خود مخالفین کی مستند کتابوں میں مہدی علیہ السلام کا ذکر بڑی آن بان سے موجود ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں حضرت علیؑ رسولؐ خدا سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا:

لو لم یبق من الدنیا الا یوم لبعث الله عزوجل رجلا منا یملاها عدلا کما ملئت ظلما و جورا اگر دنیا کے ختم ہونے میں صرف ایک دن بھی باقی ہو تو اللہ اس میں ہم میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو گی۔

حضرت علیؑ جناب رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا:

المهدی منا اهل البیت یصلحه الله فی لیلته۔

مہدیؑ ہماری اہل بیتؑ میں سے ہو گا۔ اللہ ایک ہی شب میں اس کے تمام کام سنوار دے گا۔

اگر ہم امام مہدی علیہ السلام کے وجود اقدس کے متعلق کتب اہل سنت کی روایات جمع کرنا شروع کر دیں تو اس کتاب کا حجم بہت بڑھ جائے گا۔ اس وقت ہم اس مسئلہ کی وجہ سے مذہب شیعہ کی حقانیت پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس کی تفصیل کے لئے وسیع وقت درکار ہے۔

ہمارا مقصد صرف یہی تھا کہ اپنے اعتقاد کے حق میں مختصر سے دلائل پیش کئے جائیں۔ میری اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ مہدی علیہ السلام کی امامت کے استدلال کے لئے مکمل کتاب تالیف کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور میری یہ بھی دعا ہے کہ یہ توفیق جلد نصیب ہو۔

باب ۷

روایات شیعہ کے مآخذ و مصادر

اللہ تعالیٰ نے آل محمد علیہم السلام کو راہنمائے حق بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اور لوگوں کو ان سے تمسک کرنے اور ان کی تعلیمات عالیہ سے مستفید ہونے کا حکم دیا کلمتہ الحق کی سربلندی کے لئے تمام ائمہ طاہرین نے اپنے اپنے دور حیات میں عظیم خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے ہر دور میں حق و صداقت کا پرچار کیا اور محبان آل محمدؐ ان کی مشعل حق سے ہمیشہ فیض حاصل کرتے رہے۔ مگر حکام دنیا کے جبر و تشدد کی وجہ سے انہیں اپنے علوم و اسرار کے اظہار کا موقع بہت کم نصیب ہوا۔

ائمہ ہدیٰ اکثر اوقات ایسے بدترین دشمنوں میں گھرے رہے جو ان کے خلاف نت نئی منصوبہ بندی کرتے تھے اور ان کی کوشش رہی کہ اہل بیتؑ طاہرین ہمیشہ گوشہ گمنامی میں زندگی بسر کریں۔ اور ان کا نور ہمیشہ کے لئے بجھ جائے۔ حکومت جس قدر مضبوط ہوتی تھی، اس قدر ہی ائمہ ہدیٰ پر سختیاں بڑھ جاتی تھیں اگر کبھی حسن اتفاق سے حکومت کی چولیں کچھ دیر کے لئے کمزور پڑتیں تو اہل بیتؑ طاہرین کو حقائق دین کے اظہار کا موقع مل جاتا تھا۔ چنانچہ جب بنی امیہ کی حکومت کمزور ہوئی تو نور اہل بیتؑ کی کرنیں جگمگانے لگیں اور دنیا کے اطراف و اکناف ان کے فضائل سے معطر ہونے لگے۔ اسی دور میں آل محمدؐ کو اپنی تعلیمات بیان کرنے کا موقع مل گیا۔ اسی دور میں آل محمدؐ نے دنیائے اسلام کو بلیغ اور موثر مواعظ کا تحفہ دیا۔ اہل بیتؑ طاہرین میں سے یہ موقع امام جعفر صادقؑ کو ذرا زیادہ نصیب ہوا۔ اور آپؑ نے مسجد نبویؐ میں مدرسہ اہل بیتؑ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپؑ امت اسلامیہ کے مرجع اعظم قرار پائے۔ علم و حکمت کے متوالے دور دراز گوشوں سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آپؑ کے پاس پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ امام عالی مقام کے مکتب

علمی سے فیض یاب ہونے والے افراد کی تعداد چار ہزار بیان کی جاتی ہے۔

آپؑ کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ چہار دانگ عالم میں **قال جعفر الصادقؑ** کے عنوان سے احادیث رسولؐ پیش ہونے لگیں۔ آپؑ کے مدرسہ سے تعلیم یافتہ چار سو افراد مصنف ہوئے۔ انہوں نے آپؑ کی بیان کردہ احادیث کو کتابی شکل دی۔ جن سے چار سو رسائل مرتب ہوئے اور ان رسائل کو "اصول اربعہ مائتہ" کہا جاتا ہے۔ بعد میں آنے والے شیعہ علماء ان رسائل سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انہیں اپنے لئے مستند ماخذ قرار دیتے تھے۔ بعد میں تین شیعہ علماء نے ان چار سو رسائل کی تلخیص کی اور ان سے کتب اربعہ وجود میں آئیں۔ اور یہی کتب اربعہ قدیم و جدید دور میں شیعیت کا ماخذ قرار پائیں۔

اب ہم ان کتب کا مختصر تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

ا۔ الکافی

کتب اربعہ میں سے یہ کتاب سب سے پہلے تالیف ہوئی اور اس کے مولف **ثقة** الاسلام محمد بن یعقوب بن اسحاق **الکلینی** اپنے دور کے عظیم عالم دین تھے۔ لفظ **کلینی** کی نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ لفظ "**کلینی**" کلین کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ "کلین" بروزن امیر رے کے نزدیک ایک بستی کا نام ہے اور محمد بن یعقوب **کلینی** اسی بستی سے تعلق رکھتے تھے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ "رے" کے علاقے میں دو بستیاں ہیں ایک کا نام کلین بروزن امیر ہے اور دوسری کا نام کلین اسم مصغر فعیل کے وزن پر ہے۔ اور شیخ الاسلام محمد بن یعقوب اعلی اللہ مقامہ کی قبر اسی بستی میں ہے۔

صاحب قاموس کو اشتباہ ہوا ہے انہوں نے **کلینی** کی نسبت پہلے گاؤں کی طرف کی ہے اور غالبا انہیں دوسرے گاؤں کلین کا علم نہ تھا۔

ان دونوں دیہاتوں کا فرق یہ ہے کلین نامی بستی "ورامین" کے علاقے میں واقع ہے جب کہ کلین نامی گاؤں "فشابویہ" کے مضافات میں واقع ہے۔

متقدمین محمدین ثلاثہ

عجیب اتفاق یہ ہے کہ کتب اربعہ کے تینوں مصنّفین کا نام محمد ہے اور جب ان تینوں کا مجموعی تذکرہ مقصود ہو تو انہیں **"محمدین ثلاثہ"** (یعنی تین محمد) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی ان میں سے پہلے محمد ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الکافی بیس سال کی لگاتار محنت سے مکمل فرمائی۔ اور اس کے لئے انہیں تمام بلاد اسلامیہ کا سفر کرنا پڑا۔

الکافی میں مجموعی طور پر ۱۶۱۹۹ احادیث موجود ہیں۔ حضرت **کلینی** کو جس طرح آزادی سے اپنی کتاب لکھنے کا موقع ملا ایسا موقع کسی دوسرے کو نہیں ملا۔

ثقۃ السلام کلینی کو اتنی وافر مقدار میں احادیث دستیاب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا تعلق غیبت صغریٰ کے زمانے سے تھا اور اس وقت "نواب اربعہ" موجود تھے۔

الکافی کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک داستان بیان کی جاتی ہے کہ **ثقۃ الاسلام کلینی** نے اس کتاب کو امام زمانہؑ کے پاس بھجوایا تھا اور امام علیہ السلام نے اس کتاب کے متعلق فرمایا **"کاف لشیعتنا"** یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اسی وجہ سے کتاب کا نام الکافی رکھا گیا۔

تمام مسلمان بلاتخصیص شیعہ و سنی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اور آپ کی جلالت قدر کے پیش نظر آپ کو **ثقۃ الاسلام** کا لقب ملا۔ واضح ہو کہ یہ لقب آپ سے پہلے کسی عالم کو نہیں ملا تھا۔ **ثقۃ الاسلام کلینی** کی عظمت کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ لوگ آپ کو تیسری صدی ہجری کا مجدد شیعہ قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ آیت اللہ السید حسن الصدر اپنی کتاب **تکملۃ الامل** میں ابن اثیر کی کتاب جامع الاصول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "پہلی صدی ہجری کے اختتام پر مذہب شیعہ کے مجدد امام محمد باقر علیہ السلام تھے اور دوسری صدی ہجری کے اختتام پر مذہب شیعہ کے مجدد امام علی رضا علیہ السلام تھے۔ اور تیسری صدی ہجری کے اختتام پر مذہب شیعہ کے مجدد ابو جعفر محمد بن یعقوب **کلینی** تھے اور چوتھی صدی ہجری کے مذہب شیعہ کے مجدد علم الہدیٰ السید مرتضیٰ الموسوی تھے جو سید رضی مولف نہج البلاغہ کے بھائی تھے۔

ثقة الاسلام کلینی غیبت صغریٰ کے زمانے میں شیعیت کے مضبوط ستون تھے اور آپ نے شیعوں کی دینی و دنیاوی امور میں ہمیشہ رہنمائی سرانجام دی بلاشبہ الکافی کی تالیف **ثقة الاسلام کلینی** کا عظیم کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

اگر الکافی نہ ہوتی تو ہمارے پاس احادیث اہل بیتؑ کا بہت کم ذخیرہ ہوتا۔ کیونکہ حوادث روزگار کے سبب آج ہمارے پاس اصول ار .عمائتہ موجود نہیں ہیں جن کی تلخیص سے الکافی اور باقی تین کتابیں وجود میں آئی تھیں اگر آپ الکافی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کتاب میں جملہ احادیث کی تعداد اہل سنت کی صحاح ستہ کی مجموعی روایات سے زیادہ ہے۔ حدیث کی یہ خدمت آپ کا زرین کارنامہ ہے اور ملت جعفریہ پر آپ کا عظیم احسان ہے۔

هذه من علاه احدی المعالی۔ وعلی هذه فقس ماسواها

کتب اربعہ میں سے الکافی کو ممتاز مقام حاصل ہے اور اسے موثق ترین کتاب شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رواۃ کا سلسلہ معصوم تک بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ باقی کتابوں میں ایسا بہت کم ہے۔

ثقة الاسلام نے الکافی کے علاوہ اور کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ کتاب **الردعلی القرامطه**' کتاب **تعبیرالرؤیا**' رسائل الائمہ' کتاب **ماقیل فیهم من الشعر**۔

آپ کی وفات ماہ شعبان ۳۲۹ھ میں ہوئی اور اسی سال نواب اربعہ میں سے آخری نائب ابوالحسن بن محمد سمری کی بھی وفات ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی۔ آپ بغداد شہر میں باب کوفہ جسے آج باب الجسر کہا جاتا ہے' مدفون ہوئے اور آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۲۔ من لا یحضر الفقیہ

یہ عظم کتاب مذہب شیعہ کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ یہ کتاب علامہ جلیل الشیخ ابو جعفر الصدوق محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں شیخ صدوقؒ نے ۳۹۱۳ مسند اور ۱۰۵۰ مرسل احادیث جمع کی ہیں۔

آپ اپنے دور کی جلیل القدر شخصیت تھے اور آپ پہلے محدث ہیں جنہیں صدوقؒ کا

لقب حاصل ہوا۔ اور یہ لقب آپ ہی سے مخصوص ہے۔ جب بھی اس نام کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے مراد آپ کی ذات ہی ہوتی ہے۔ یہ لقب آپ کو ضبط روایت اور شدت حفظ کی وجہ سے ملا۔ آپ کی روایات کا درجہ انتہائی بلند ہے۔ آپ کی روایات کے متعلق علماء کا فیصلہ ہے کہ "الفقیہ" کی مرسل احادیث کا حجیت اور اعتبار میں وہی مقام ہے جو ابن ابی عمیر کی مرسل روایات کا ہے۔

اس عالم جلیل کی سوانح حیات پڑھنے والے افراد کو بخوبی علم ہے کہ شیخ صدوق امام زمانہ کی دعا سے پیدا ہوئے تھے۔ اور امام علیہ السلام نے الفقیہ الخیر المبارک کے نام سے انہیں یاد کیا تھا اور دعا فرمائی تھی کہ اللہ اس کے ذریعے سے اہل ایمان کو فائدہ پہنچائے گا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر آپ کی عظمت و جلالت کے لئے کسی اور گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

جس انسان کے فقیہ ہونے کی امام زمانہؑ خود توثیق فرمائیں' بلاشبہ وہ زعامت دینی کے لائق اور مقدس شخصیت سمجھے جانے کے قابل ہے۔

حضرت شیخ صدوق کے حالات زندگی اور ان کی تالیفات سے انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ فی الواقع آپ امام زمانہؑ کی دعا کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد تین سو بیان کی جاتی ہے۔ آپ عالم شباب میں عراق تشریف لائے اور آپ سے بزرگ شیعہ علماء جن میں ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلعکبری' شیخ مفید' ابن غضائری' نجاشی' ابن مسکہ قمی اور ابوزکریا محمد بن مسلم حمرانی بھی شامل ہیں' سماع حدیث کی سعادت حاصل کی۔ یہ تمام واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر خصوصی نظر عنایت تھی۔ خود شیخ صدوق اپنے متعلق فرماتے ہیں:

"جب میں مسند فتویٰ پر بیٹھا تو اسوقت میری عمر بیس برس سے کم تھی اور بعض مرتبہ محمد بن علی اسود میری مجلس میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور جب وہ مجھے حلال و حرام کے مسائل میں تیزی سے جواب دیتے ہوئے دیکھتے تو کہا کرتے تھے۔ مجھے تم پر اس لئے تعجب نہیں ہوتا کیونکہ تم امامہ زمانہؑ کی دعا سے پیدا ہوئے ہو۔"

جی ہاں! اگر امام زمانہ کی دعا نہ ہوتی تو اس کم عمری میں اتنا بڑا علمی مقام حاصل ہونا

دشوار تھا۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ بزرگ علماء اس کم سن عالم کے جوابات کو دیکھ کر متحیر ہو جاتے تھے۔ اور جب انہیں یاد آتا کہ یہ نوجوان امام علیہ السلام کی دعا کا ثمر ہے تو ان کا تعجب دور ہو جاتا تھا۔ آیت اللہ حسن الصدر **تکملة الامل** میں لکھتے ہیں کہ آپ نے ستر برس کی عمر میں ۳۸۱ھ میں "رے" کے مقام پر وفات پائی۔

۳۔ تہذیب الاحکام

یہ کتاب مذہب شیعہ کا تیسرا بڑا ماخذ ہے۔ اس میں احادیث کی تعداد الکافی کی روایات کے لگ بھگ ہے۔

اس کتاب کے متعلق ہم بحرالعلوم آیت اللہ السید مہدی کے خیالات کو ہی نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

ایک فقیہ کو احکام شریعت کے لئے جن روایات کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب "تہذیب" میں موجود ہیں۔ تہذیب کی کمی کسی اور کتاب سے پوری نہیں ہو سکتی جو شخص سید بحرالعلوم کے علمی مقام سے واقف ہے' اس کے لئے تہذیب کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا آسان ہے۔

۴۔ الاستبصار

یہ کتاب مذہب شیعہ کا چوتھا بڑا ماخذ ہے۔ تہذیب **الاحکام** اور **الاستبصار** یہ دونوں کتابیں شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی کی تصنیف ہیں۔ عظیم شیعہ عالم السید بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی احادیث اور ان کی خصوصیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مصنف فروع دین سے تعلق رکھنے والی جملہ احادیث کا عالم تھا۔ اور مصنف کا حسن استدلال اور اصول و رجال کی تنبیہ اور بظاہر مختلف نظر آنے والی احادیث کے درمیان توافق' علم حدیث میں ان کے تبحر علمی کی دلیل ہے۔

شیخ الطائفہ طوسی رحمتہ اللہ ماہ رمضان المبارک ۳۸۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴۰۸ ہجری میں عراق تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر تیئس برس تھی۔ کتاب **تکملة الامل** کے مطابق آپ نے پانچ برس شیخ مفید رحمتہ اللہ سے درس فقہ و حدیث حاصل کیا۔

۴۱۳ ہجری میں جب شیخ مفید کی رحلت ہوئی تو ان کے بعد علم الہدیٰ سید مرتضیٰ

موسوی اٹھائیس برس تک زعامت شیعہ کے عہدہ پر فائز رہے۔ اور جب ۴۳۲ ہجری میں سید مرتضٰی کی وفات ہوئی تو شیعہ زعامت پر شیخ الطائفہ فائز ہوئے۔ آپ اس عظیم منصب پر پورے چوبیس برس تک فائز رہے۔ اس دوران شیعہ اپنے دینی اور دنیاوی امور میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس دور میں عباسی خلیفہ کی طرف سے آپ کو علم کلام کی کرسی پیش کی گئی۔ اور اس کرسی پر صرف وہی شخص فائز ہو سکتا تھا جس کے پاس معاصر علماء کی بہ نسبت زیادہ علمی قابلیت ہوتی تھی۔

عباسی خلیفہ کی طرف سے آپ کو اصول و فروع کے اختلاف کو پیش کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ یہاں تک کہ آپ کو مسئلہ امامت پر بھی گفتگو کرنے کی اجازت تھی۔ اس دور میں شیعوں کو حکومت کی طرف سے مکمل آزادی حاصل ہو چکی تھی۔ تقیہ کا دور ختم ہو چکا تھا اور شیعہ اپنے عقائد و نظریات کو سرعام بیان کر سکتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ تقیہ بدترین آمریت کے دور میں رائج تھا اور جب حالات سازگار ہوئے تو تقیہ کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ آپ کے حلقہ درس میں تین سو شیعہ علماء شامل تھے۔ شیخ طوسی کے درس میں شیعوں کے علاوہ سنی اہل علم بھی بکثرت شریک ہوتے تھے۔ آپ نے بارہ سال بغداد میں قیام فرمایا اور اس دوران ہر وقت تدریس و تالیف میں مشغول رہے۔

تاآنکہ ۴۴۸ ہجری میں بغدار کے اندر فرقہ وارانہ تعصب کی آگ بھڑک اٹھی شرپسندوں نے آپ کا گھر اور کتب خانہ جلا ڈالا۔ اس سانحہ سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے بغداد سے ہجرت کی اور نجف اشرف آ گئے۔ آپ نے نجف اشرف میں بارہ برس زندگی بسر کی۔ آخر کار پچھتّر برس کی عمر میں ماہ محرم ۴۶۰ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔ وفات کے بعد اپنے گھر میں مدفون ہوئے۔ پھر اسی مقام پر مسجد بنائی گئی جسے مسجد طوسی کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کے ایک حصہ میں آپ کی قبر ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپ کی قبر امیرالمومنین علیہ السلام کے حرم سے شمالی طرف واقع ہے۔ آپ نے تہذیب الاحکام اور الاستبصار کے علاوہ اصول و رجال اور دیگر فنون اسلامی پر بہت سی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے "النہایہ" "الخلاف" اور "الجمل والعقود" مشہور ہیں۔

کتب اربعہ کے متعلق ضروری گذارش

اس مقام پر ہم اپنے قارئین کو یہ بتانا ضروری خیال کرتے ہیں کہ اگرچہ شیعہ کتب

اربعہ کو معتبر تسلیم کرتے ہیں اور ان کی روایات کو مستند سمجھتے ہیں مگر اس کے باوجود ہم کتب اربعہ کی ہر روایت کو "صحیح" قرار نہیں دیتے اور کتب اربعہ کو اہل سنت کی طرح لفظ "صحاح" سے تعبیر نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحیح کی تعریف یہ ہے جس کے تمام راوی شیعہ اور عادل ہوں۔ کتب اربعہ میں صحیح، حسن اور موثق ہر قسم کی حدیث موجود ہے۔ اسی لئے شیعہ علماء کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ کتب اربعہ کی کسی روایت کو تحقیق کے بغیر قبول نہیں کرتے اور وہ پہلے حدیث کی خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

شیعہ مجتہدین کی احتیاط پسندی کا عالم یہ ہے کہ وہ کتب اربعہ کی روایات کو آنکھیں بند کر کے فتویٰ کی بنیاد نہیں بناتے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ کتب اربعہ میں کسی روایت کا ہونا، مجتہد کو اس کے مطابق فتویٰ دینے کے لئے ایک قرینہ ضرور فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ محتاج روش ہے جس پر شیعہ مجتہدین ہر دور میں عمل پیرا رہے ہیں۔ اور اس طرز عمل کی بنیاد خود کتب اربعہ کے مصنفین نے رکھی ہے۔ اس کے لئے **ثقة الاسلام کلینی**ؒ کی مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔ اصول اربعہ مائتہ کے مولفین کے زمانہ کی قربت اور مشائخ حدیث سے بہت زیادہ ملاقات کرنے کے باوجود انہوں نے الکافی کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی جملہ روایات صحیح ہیں، یا ان سے ہر روایت کے مطابق عمل کرنا جائز ہے۔ روایت حدیث میں شیخ صدوق کی بھی یہی روش تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں شیخ الاسلام **کلینی** کی تمام روایات کو صحیح السند قرار نہیں دیا۔ اور انہوں نے الکافی کی جملہ صحیح السند احادیث کو اپنی کتاب میں بھی درج نہیں کیا۔ حالانکہ شیخ صدوق، **کلینی**ؒ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جمع احادیث کے لئے شیخ الاسلام **کلینی** نے کتنی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔

آیت اللہ السید حسن الصدر کی تحقیق کے مطابق شیخ صدوق نے الکافی کی صرف سات روایات نقل کی ہیں۔

شیعہ علماء ہمیشہ سے اسی طرز عمل کے حامل رہے ہیں انہوں نے کسی بھی کتاب کو مکمل صحیح کا درجہ کبھی بھی نہیں دیا اور ہمیشہ حدیث کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کے بعد ہی فتویٰ صادر کرتے رہے۔

متاخرین محمدین ثلاثہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے "محمدین ثلاثہ" کے بعد علم حدیث کی خدمت کے لئے دوسرے تین افراد پیدا فرمائے۔ اور ان سب کا نام بھی محمد ہے۔ جب ان سب کا مجموعی تذکرہ مقصود ہوتا ہے تو انہیں متاخرین محمدین ثلاثہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ شخصیات یہ ہیں۔ ۱۔ محمد بن حسن حرعاملی ۲۔ محمد باقر مجلسی ۳۔ محمد بن مرتضیٰ المعروف محسن فیض۔

مذکورۃ الصدر علماء نے تین عظیم الشان جامع کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ شیخ حرعاملیؒ نے "**وسائل الشیعۃ الی تحصیل مسائل الشریعۃ**" تالیف کی آپ نے اس کتاب میں کتب اربعہ کے علاوہ دیگر ستر کتب سے حدیث کا استفادہ کیا اور آپ کی یہ عادت تھی کہ کتب اربعہ کے علاوہ کسی اور کتاب کی روایت لکھتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیتے تھے۔ لیکن جب کسی حدیث کا تعلق کتب اربعہ سے ہوتا تو حوالہ نہیں دیتے تھے۔

جہاں تک آپ کے لئے ممکن ہوا آپ نے ہر مسئلہ کے لئے علیحدہ باب مقرر کئے ہیں اور ہر مسئلہ کے متعلق وارد احادیث کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور جن احادیث کا احکام شرعی سے تعلق نہیں تھا۔ آپ نے انہیں اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا اسی وجہ سے آپ نے طویل دعاؤں' زیارات و خطبات پر مشتمل احادیث کا ذکر نہیں کیا۔ کتاب کے خاتمہ پر آپ نے علم رجال کے اہم مسائل پر جامع بحث کی ہے۔ شیخ حرعاملیؒ کے بعد میرزا حسین نوری کا دور آیا۔ انہوں نے مستدرک الوسائل کے نام سے اپنی کتاب تصنیف فرمائی اور مستدرک میں انہوں نے ان تمام روایات کو جمع کیا جو کتب معتبرہ میں موجود تھیں لیکن کسی وجہ سے شیخ حرعاملی کو معلوم نہ تھیں یا شیخ نے انہیں جامع نہیں سمجھا تھا۔

بہر نوع مستدرک الوسائل اس فن میں لکھی جانے والی عمدہ کتاب ہے۔ علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہ نے بحارالانوار تصنیف فرمائی۔ اور اس کتاب میں بہت سے علوم پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب پچیس ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب درحقیقت دائرۃ المعارف ENCYCLOPEDIA ہے اس کتاب میں مواعظ' احکام' عقائد' فقہ و تاریخ' علم افلاک غرض ہر وہ چیز موجود ہے جسے قارئین کو پڑھنا چاہیں اور اسی جامعیت کی وجہ سے علامہ مجلسیؒ نے اس کا نام "بحار" رکھا ہے۔

اس کتاب میں در بھی ہیں اور صدف بھی' جوہر بھی ہیں اور خزف بھی۔ اگر کوئی محقق اس کتاب کی تہذیب و تلخیص کر دے اور اس میں سے زوائد کو حذف کر دے تو یقیناً یہ

تمام جدید و قدیم کتابوں سے بہتر کتاب ثابت ہو سکتی ہے

و ما ذلک علی اللہ بعزیز

علامہ محسن فیض نے "الوافی" تالیف فرمائی۔ اس کتاب میں انہوں نے اصول اربعہ کی تمام احادیث کو ترتیب و تبویب کے تحت جمع کیا ہے۔ اور تالیف کتاب کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ: "میں نے اس کتاب کو اصول اربعہ کی احادیث کو موضوع وار ترتیب دینے کی غرض سے لکھا ہے کیونکہ مذکورہ کتابوں میں ابواب کے مختلف عنوانات کی وجہ سے قارئین کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔"

الحاصل ہمارے اسلاف رضوان اللہ علیہم نے ضبط حدیث کے لئے بڑی جانفشانی کی ہے اور انہوں نے فن حدیث کی لاتعداد کتابیں تالیف کی ہیں۔

ہمارے قارئین کو علم ہے کہ "اصول اربعہ مائتہ" امام جعفر صادق علیہ السلام کے چار سو تلامذہ کی تصنیف ہیں۔

ان چار سو مصنفین کے علاوہ باقی ائمہ طاہرین کے اصحاب نے لاتعداد رسائل تالیف کئے اور ان تمام رسائل کی تعداد چھ ہزار چھ سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ کتب رجال میں ان رسائل کا ذکر موجود ہے۔

صدر اول کے شیعہ محدثین

اہل تحقیق جانتے ہیں کہ علم حدیث کی تدوین کا سہرا شیعہ محدثین کے سر ہے آیت اللہ السید حسن الصدر اپنی کتاب "نہایتہ الدرایہ" میں نجاشی کے متعلق لکھتے ہیں کہ انہوں نے صدر اول کے مصنفین کی ایک فہرست پیش کی ہے۔

ان شیعہ مصنفین میں ایک مصنف ابو رافع ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور امیرالمومنین علیہ السلام کے عہد خلافت میں بیت المال کے خزانچی تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی احادیث کی روشنی میں "السنن والقضایا" نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

صدر اول کے ایک اور شیعہ مصنف ربیعہ بن سمیع ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؑ سے روایات کی ہیں اور مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق انہوں نے "زکوۃ النعم" نامی کتاب لکھی تھی۔

ایک اور شیعہ مصنف سلیم بن قیس ہلالی العامری ہیں۔ آپ امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے انہوں نے "کتاب السقیفہ" نامی کتاب تحریر فرمائی۔ جس میں انہوں نے وہ روایات درج کی ہیں جو انہوں نے حضرت علیؑ کی زبانی سنی تھیں۔ ایک اور شیعہ مصنف اصبغ بن نباتہ ہیں۔ آپ امیرالمومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ نجاشی کہتے ہیں کہ بخاری نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری نے بھی چند رسائل تحریر کئے تھے۔

اس لئے ہم اپنے مخالفین کے سامنے بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں۔

اولئک ابائی فجئنی بمثلهم
انا حمعتنا یا جریر الجامع

علم حدیث میں اہل سنت کی حالت زار

شیعہ مصنّفین کے برعکس اگر آپ کتب اہل سنت کی طرف رجوع کریں تو ان کے علماء اس حقیقت کا اعتراف کرتے دکھائے دیں گے کہ صدر اول میں ان کا کوئی مصنف نہیں تھا سیوطی لکھتے ہیں کہ تدوین حدیث کی ابتداء پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے شروع ہوئی۔۶۶

صحیح بخاری کے ابواب علم میں بخاری لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو خط لکھا کہ: احادیث رسولؐ کی جستجو کرو اور جہاں سے دستیاب ہوں انہیں فورا لکھ لو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں علماء کی موت کی وجہ سے علم ہی نہ مٹ جائے۔

ابو نعیم تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے تمام اطراف میں لکھا کہ حدیث کو تلاش کر کے جمع کرو۔

ابن حجر عثقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں اس واقعہ سے حدیث نبویؐ کی تدوین کا علم ہوتا ہے۔ الغرض علمائے شیعہ علم حدیث کے اس بلند مقام پر فائز ہیں جو سنی علماء کو نصیب نہیں ہوا۔ علمائے رجال شیعہ محدث ابان بن تغلب کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس نے امام جعفر صادقؑ سے تیس ہزار احادیث روایت کی تھی۔

احمد بن سعید ہمدانی جو ابن عقدہ کے نام سے مشہور ہیں، کہا کرتے تھے:

"مجھے اہل بیتؑ طاہرین کی ایک لاکھ بیس ہزار احادیث یاد ہیں۔ لوگوں کے پاس جتنی احادیث ہیں، میں ان سب حدیثوں سے واقف ہوں۔ لیکن لوگ میری احادیث سے واقف نہیں ہیں۔"

شیعہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ عظیم شیعہ محدث علامہ اپنی کتاب خلاصہ میں لکھتے ہیں:

"ابن عقدہ وثوق و جلالت کے اس مرتبہ پر فائز ہیں کہ وہ ہماری تعدیل سے بے نیاز ہیں۔"

ہمیں اگر کتاب کے صفحات کی تنگ دامنی مانع نہ ہوتی تو صدر اول کے بہت سے شیعہ محدثین کا ذکر کرتے۔ جو حضرات زیادہ معلومات کے خواہش مند ہوں تو انہیں "الشیعتہ و فنون الاسلام" کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس کتاب میں مصنّفین شیعہ کے متعلق قیمتی معلومات موجود ہیں۔

باب ۸

اہل سنت کے ماخذ

شیعہ ماخذ کے بعد ہم برادران اہل سنت کے مصادر کے متعلق مختصر بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو فریقین کے سرچشموں سے آگاہی ہو سکے۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ مصنف سنی راوی کی حدیث کو صرف اس وجہ سے رد کر دیتے ہیں کہ اس کا راوی سنی ہے۔ اور اہل سنت بھی شیعہ راوی کی روایت کو صرف اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں۔

ایسا سمجھنا یقیناً غلطی ہے اور اکثر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے اور اس غلطی کا شکار ہونے والوں میں احمد امین بھی شامل ہے۔ وہ اپنی کتاب فجرالاسلام میں لکھتا ہے کہ رواۃ کی جرح و تعدیل میں مذہبی اختلاف نمایاں رہا ہے۔ اہل سنت شیعہ رواۃ پر جرح کرتے تھے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علیؑ کی صرف وہی روایات ہی قابل قبول ہیں جو ابن مسعود کے اصحاب نے روایت کی ہیں اس کے علاوہ وہ روایات جو آپؑ کے اصحاب اور شیعوں سے مروی ہیں قابل قبول نہیں ہیں۔ اہل سنت کے اس سلوک کے جواب میں شیعوں کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے۔ اکثر شیعہ اس روایت کو قبول نہیں کرتے جس کا راوی سنی ہو۔ احمد امین نے جس رویہ کی علمائے شیعہ کی طرف نسبت دی ہے' وہ درست نہیں ہے۔ محدثین شیعہ نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے' اس سے احمد امین کے بیان کی نفی ہوتی ہے۔ محدثین نے حدیث کی چار اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ صحیح ۲۔ حسن ۳۔ موثق ۴۔ ضعیف

علمائے شیعہ کے نزدیک موثق کی تعریف یہ ہے جس کا راوی صادق اللہجہ سنی ہو۔ شیخ بہائی اپنی کتاب "وجیزہ" میں خبر کی تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اگر راوی غیر امامی ہو اور

اس کا تعلق کسی مخالف فرقہ سے ہو' اگر ہمارے علماء اس کی توثیق کریں تو ایسی روایت کو موثق کہا جاتا ہے۔

علامہ محقق "کاشفتہ الحال" میں لکھتے ہیں:

"خبر موثق وہ ہے جسے غیر امامی عادل راوی نے نقل کیا ہو اور اس شخص کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ جھوٹ سے پرہیز کرتا تھا اور اپنے مذہب کے مطابق حدیث کی پابندی کرتا تھا۔"

اس کے بعد محقق نے چند ایسے سنی رواۃ کا ذکر کیا ہے جن کی روایات پر شیعوں نے عمل کیا ہے۔ ان میں حفص بن غیاث اور غیاث بن کلوب اور نوح بن دراج سکونی الکوفی شامل ہیں۔ شیعوں نے ہمیشہ سنی راوی کی روایت کو قبول کیا ہے بشرطیکہ راوی صادق اور الفاظ حدیث کا حافظ ہو۔

شیعہ محدثین نے سنی اور شیعہ رواۃ سے یکساں سلوک کیا ہے اور انہوں نے کسی حدیث کے لئے یہ امتیاز روا نہیں رکھا کہ اس کا راوی سنی ہے۔

صحت حدیث کے لئے صدق و حفظ کی ضرورت ہے خواہ راوی شیعہ ہو یا سنی ہو۔ روایت کے متعلق آپ نے شیعی نقطہ نگاہ کو ملاحظہ فرمایا تو اس کے ساتھ ہی آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ شیعوں کا "صحاح" کے متعلق کیا نظریہ ہو سکتا ہے۔ جب تک ہمیں کسی حدیث کے حسن و صحت کا یقین نہ ہو جائے' اس وقت تک اسے صحیح قرار نہیں دیتے۔

محدثین شیعہ کے نزدیک حدیث صحیح کی تعریف یہ ہے جس کا سلسلہ سند امام معصوم تک متصل ہو اور تمام راوی عادل اور شیعہ ہوں۔ حدیث صحیح کا بہت بڑا رتبہ ہے۔ علمائے شیعہ کی اصول پسندی کی حد یہ ہے کہ جن کتب اربعہ کو اپنے استنباط کا ماخذ سمجھتے ہیں وہ انہیں بھی مکمل طور پر صحیح تسلیم نہیں کرتے تو اتنے محتاط افراد سے یہ توقع رکھنا ہی بے سود ہے کہ وہ اہل سنت کی چھ کتابوں کی ہر قسم کی ضعیف و آلودہ روایات کو صحیح قرار دیں گے۔

ذیل میں ہم صحاح ستہ کے بنیادی رواۃ میں سے چند کے خدوخال آپ کے سامنے واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ ان رواۃ کی بیان کردہ روایات کی علمی دنیا میں کیا حیثیت ہے۔

ابو ہریرہ

بنی دوس سے تعلق رکھنے والے اس شخص کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں مختصر عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا۔

اس نے حضور کریمؐ کی زبانی بہت سی احادیث وضع کیں اور ان احادیث کا منفرد راوی بھی خود رہا ہے۔

لوگوں نے جب اس کی کثرت روایات کو دیکھا تو اس سے تنگ آ گئے اور کھلم کھلا اس کے متعلق لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابو ہریرہ رسول خداؐ پر جھوٹ باندھتا ہے اور لوگوں کے اس تبصرے کا ابو ہریرہ کو بھی علم تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی وضعی روایات کو شرعی مجبوری بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔

امام بخاری ابو ہریرہ کی زبانی نقل کرتے ہیں:

"لوگ میرے متعلق کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ زیادہ روایتیں کرتا ہے۔ اگر قرآن مجید میں دو آیات نہ ہوتیں تو میں کسی کے سامنے حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر اس نے **ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات الخ** کی تلاوت کی۔ ہمارے مہاجر بھائی سارا دن بازار کے چکروں سے ہی فارغ نہ ہوتے تھے اور ہمارے انصار بھائی کھیتی باڑی سے ہی فرصت نہ پاتے تھے اور ابو ہریرہ اپنے پیٹ کی خاطر حضورؐ کے ساتھ رہتا تھا۔ ابو ہریرہ ان مقامات پر موجود ہوتا جہاں یہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے اور وہ باتیں سنتا تھا جنہیں یہ سن نہیں پاتے تھے۔"۶۷۔

ابو ہریرہ لکھائی سے کورے تھے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

"اصحاب پیغمبرؐ میں عبداللہ بن عمر کے علاوہ کسی نے مجھ سے زیادہ روایتیں بیان نہیں کی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ لکھائی سے نابلد ہونے کی وجہ سے ابو ہریرہ پر لوگوں کے شبہات اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کے پاس احادیث لکھی ہوئی شکل میں موجود نہ تھیں اور حافظہ پر کبھی بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی بھی وقت نسیان طاری ہونے کا امکان رہتا ہے۔ ابو ہریرہ کو اپنی اس کمزوری کا علم تھا پھر ان کے جواب دینے کے لئے اسے کتنی بڑی ڈھٹائی سے کام لینا پڑا کہ اصحاب رسولؐ کو بازاروں اور کھیتوں سے فرصت نہیں ملتی تھی اور صرف میں ہی واحد شخص تھا

جو ہمہ وقت حضورؐ کے ساتھ رہتا تھا۔ ابو ہریرہ کا یہ بیان اصحاب رسولؐ کی توہین اور قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلص اصحاب رسولؐ کے متعلق فرمایا ہے: **رجال لا تلھیم تجارۃ والابیع** وہ ایسے لوگ ہیں انہیں خرید و فروخت غافل نہیں کرتی۔ ایک مرتبہ معترضین سے تنگ آ کر ابو ہریرہ نے ایک داستان تیار کر لی۔ "میں نے پیغمبرؐ خدا سے عرض کیا کہ میں آپؐ سے فراوانی کے ساتھ حدیثیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا اپنی ردا بچھاؤ اس کے بعد آپؐ نے اسے چیر دیا اور فرمایا اب اسے اپنے سے لگا لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس دن کے بعد آج تک کسی حدیث کو نہیں بھولا۔"

ابو ہریرہ کی یہ روایت اس کے کاذب ہونے کا واضح ثبوت ہے کیونکہ قوت حافظہ کا تعلق محسوسات سے نہیں ہے کہ حضور کریمؐ اسے چادر میں ڈال کر ابو ہریرہ کے حوالے کر دیتے۔ حافظہ کا تعلق ان معنوی اشیاء سے ہے۔ جن کا احساس تو کیا جا سکتا ہے لیکن حواس خمسہ سے ان کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ جیسے بھوک' پیاس' ارادہ اور ناپسندی وغیرہ۔

اس داستان سازی کی بجائے اگر ابو ہریرہ یہ کہہ دیتا کہ میری گذارش سن کر آنحضرتؐ نے میرے حافظہ کے متعلق دعا فرمائی تھی' تو یہ زیادہ مناسب ہوتا اور اس کا باور کرنا بھی ممکن ہوتا۔ لیکن ابو ہریرہ نے حسب عادت دیومالائی داستان شروع کر دی جس کی تصدیق سے عقل انسانی قاصر ہے۔ آخر حضور کریمؐ اللہ کے حبیب تھے آپؐ نے بہت سے اصحاب کی صحت و تائید اور ثابت قدم رہنے کی دعائیں فرمائی تھیں' جو یقیناً مقبول ہوئی تھیں۔

ابو ہریرہ کے کاذب ہونے کا ثبوت بہت سی روایات سے ملتا ہے۔ اور اس کی کذب بیانی کے لئے درج ذیل روایات پڑھیں۔

میں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے حضور کریمؐ کے ساتھ رہتا تھا۔ مجھے روٹی تک نہ ملتی تھی۔ میں حریر و دیبا کے جامے نہیں پہنتا تھا اور میری خدمت کے لئے غلام اور کنیزیں نہیں تھیں اور میں اپنا پیٹ زمین کے ساتھ چمٹائے رکھتا تھا۔۶۸۔

اب درج ذیل روایت پڑھیں:

"میرا ایک غلام پیچھے رہ گیا تھا اور میں اس اثناء میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپؐ کی بیعت کی اس دوران میرا غلام نمودار

ہوا' آنحضورؐ نے مجھ سے فرمایا یہ تیرا غلام ہے۔ میں نے کہا میں نے اسے اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا ہے۔۶۹؎

یقیناً یہ **دروغ گورا حافظہ نباشد** والا معاملہ ہے۔

ایک طرف کہتے ہیں بھوک کی وجہ سے میرا پیٹ زمین سے لگا رہتا تھا اور میرے پاس کوئی غلام و کنیز نہیں تھی۔ اور دوسری روایت میں غلام کو آزاد فرما رہے ہیں۔ خدا جانے یہ غلام ان کے پاس کہاں سے آگیا تھا اور انہوں نے اسے آزاد کرنے کا ثواب کیسے کما لیا تھا۔

ابو ہریرہ کے گلشن حدیث کی تھوڑی سی اور سیر کریں۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا: بیماریوں میں وبا' بدشگونی اور الو کی نحوست بے بنیاد باتیں ہیں۔ یہ سن کر ایک اعرابی نے آپؐ سے پوچھا' ہرن کی طرح سے تندرست اونٹ کو خارش زدہ اونٹ کی وجہ سے خارش کیوں ہو جاتی ہے؟

رسول خداؐ نے فرمایا پہلے اونٹ میں یہ وبا کہاں سے آئی تھی؟

ابو سلمہ کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہ سے سنا کہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:

تندرست جانوروں کو بیمار جانوروں کے قریب مت لاؤ۔

ابو ہریرہ نے پہلی حدیث سے انکار کر دیا تو ہم نے کہا کیا تم نے یہ حدیث نقل نہیں کی تھی کہ وبا وغیرہ بے بنیاد باتیں ہیں؟

یہ سن کر ابو ہریرہ نے حبشی زبان میں بڑبڑانا شروع کر دیا' جس کا مفہوم واضح نہیں تھا۷۰؎ ہمیں بخاری پر تعجب ہے جس نے ابو ہریرہ کی ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جو صراحتاً" ایک دوسرے کی متضاد ہیں۔

شاید بخاری یہ سمجھتے تھے کہ ابو ہریرہ کی یہ روایات کوئی قیمتی جوہر ہیں اور ان سے ان کی کتاب کو خالی نہیں رہنا چاہئے۔

بخاری ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔

"چور پر اللہ کی لعنت ہو۔ ایک انڈہ چوری کرتا ہے اور ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔ ایک رسی چوری کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے۔"

یہ سراسر جھوٹ ہے کیونکہ اسی صفحہ پر بخاری بی بی عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور کریمؐ نے فرمایا: ربع دینار مالیت کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔۷۱؎ اور واضح سی

بات ہے کہ انڈے اور رسی کی قیمت ربع دنیار نہیں ہوتی۔

ابو ہریرہ کی زبانی ایک اور داستان سماعت فرمائیں۔

اس داستان کو بخاری نے ابو ہریرہ سے' اس نے رسول خداؐ سے نسبت دے کر کہا۔ دو عورتیں کہیں جا رہی تھیں' ان کے ساتھ ان کے دو چھوٹے سے بچے تھے۔ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ایک عورت کے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا۔ اس عورت نے دوسری سے کہا' بھیڑیا تیرا بیٹا لے گیا ہے۔ دوسری عورت نے کہا نہیں وہ تیرے ہی بیٹے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ دونوں عورتیں فیصلے کی غرض سے حضرت داؤدؑ کے پاس گئیں۔ داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤدؑ کے پاس گئیں۔ سلیمانؑ نے کہا۔ مجھے ایک چھری لا دو' میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں آدھا آدھا بانٹ دیتا ہوں۔ یہ سن کر چھوٹی نے کہا' اللہ آپ پر رحم کرے آپ ایسا نہ کریں' یہ لڑکا اسی کا ہے اور اسی کے پاس رہنے دیں۔ یہ سن کر سلیمانؑ نے وہ لڑکا چھوٹی عورت کے حوالے کر دیا۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں: میں نے چھری کے لئے "سکین" کا لفظ زندگی میں اسی دن ہی سنا۔ ورنہ ہم چھری کو "مدیہ" کہا کرتے تھے۔

یہ داستان بھی حسب معمول جھوٹ کا پلندہ ہے۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنے والد حضرت داؤدؑ کا فیصلہ تبدیل کر سکیں۔

علاوہ ازیں ابو ہریرہ کا قسم کھا کر یہ کہنا کہ میں نے اس دن زندگی میں پہلی بار چھری کے لئے لفظ "سکین" سنا' تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ چھری کے لئے عرب قدیم و جدید دور میں لفظ "سکین" مسلسل استعمال کرتے رہے ہیں اور سورہ یوسف میں بھی اللہ تعالیٰ اس آیت کو پہلے نازل کر چکا تھا' جس میں چھری کے لئے لفظ "سکین" استعمال کیا گیا ہے۔ **واتت کل واحدة منهن سكينا**۔ عزیز مصر کی زوجہ نے ہر عورت کے ہاتھ میں چھری تھما دی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چھری کو لفظ "سکین" سے ہی تعبیر کیا ہے۔ انبیائے کرامؑ پر ابو ہریرہ کس دیدہ دلیری سے جھوٹ باندھا کرتے تھے' اس کے لئے درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری ابو ہریرہ سے اور وہ رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں' آپؐ نے فرمایا:

"سلیمانؑ بن داؤدؑ نے کہا میں آج رات اپنی ایک سو بیویوں سے مقاربت کروں گا

اور ہر عورت ایک بیٹا جنے گی' پھر میرے بیٹے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ تو ایک فرشتہ نے ان سے کہا ان شاء اللہ کہو۔

لیکن سلیمانؑ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ چنانچہ اس رات انہوں نے ان سب عورتوں سے مقاربت کی۔ اس کے نتیجے میں صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے بھی آدھا انسان پیدا ہوا۔

رسول خداؐ نے فرمایا اگر سلیمانؑ انشاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم بھی نہ ٹوٹتی اور ان کی حاجت بھی بر آتی۔۷۲۔

انسانیت کی تاریخ میں اس سے زیادہ کذب بیانی ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ پہلے تو یہ امر بھی محل نظر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی واقعی ایک سو بیویاں بھی تھیں۔ ثانیاً" اگر ایک سو بیویاں تسلیم بھی کر لی جائیں تو ایک شخص ایک ہی شب میں اتنی عورتوں سے مقاربت نہیں کر سکتا۔

ابو ہریرہ کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری نے یہ روایت ابو ہریرہ سے انہوں نے رسول خداؐ سے یہ بات سنی۔ آپؐ نے فرمایا: آج رات شیطان میرے پاس آیا اور اس نے مجھ پر بڑی سختی کی تاکہ میں نماز توڑ ڈالوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ دیا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ صبح کے وقت لوگ اسے دیکھ سکیں' تو مجھے اس وقت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی **رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی** (پروردگار مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو) پھر اللہ نے اسے ناکام لوٹا دیا۔۷۳۔

ابو ہریرہ کی اس روایت سے پہلے اللہ تعالیٰ قرآن میں یہ اعلان کر چکا تھا کہ میرے مخلص بندوں پر شیطان کا زور نہیں چل سکے گا۔ تو اس آیت کی موجودگی میں رسول خداؐ پر شیطان نے کس طرح سے آکر سختی شروع کر دی تھی اور محمدؐ کے رب نے بھی اس ملعون کو نبی کریمؐ کے پاس جانے سے نہیں روکا؟ اور زیادہ تعجب اس وقت ہوتا ہے جب حضرت عمر کی شان بیان کرتے وقت کہا جاتا ہے **ان الشیطان لیفر من عمر**۔ شیطان عمر سے بھاگ جاتا ہے۔ شیطان بھی بڑا معلون ہے' جو امتی کو دیکھ کر تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے' لیکن عمر کے نبیؐ کے ساتھ زور آزمائی شروع کر دیتا ہے۔

ابو ہریرہ کی زبانی ایک اور حیران کن روایت سنئے:

"رسول کریمؐ نے ایک دعا میں عرض کیا: پالنے والے میں بھی ایک انسان ہوں لہٰذا میں جس مسلمان کو گالی دوں یا لعنت کروں یا کسی کو کوڑوں کی سزا دوں (تو میری اس لعنت ملامت کی پرواہ نہ کرنا) میری لعنت کو اس کے لئے رحمت اور پاکیزگی بنا دے۔ ۷۴۔

لعنت دراصل دور کرنے کے عمل کا نام ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملعون شخص ہر خیر سے دور اور ہر مذموم صفت سے متصف رہے۔

ابو ہریرہ کے کیا ہی کہنے رسول کریمؐ تو لعنت کریں اور وہ لعنت رحمت میں بدل جائے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ابو ہریرہ بنی امیہ کے ان ظالم افراد کا ساتھی تھا' جن پر گاہے بگاہے رسول خداؐ نے لعنت کی تھی اور اس خاندان کو قرآن مجید میں شجرۂ ملعونہ کہا گیا ہے۔ ان لوگوں کی گلو خلاص کے لئے ابو ہریرہ نے یہ روایت وضع کر لی تھی تاکہ ان پر کی جانے والی لعنت بھی رحمت نظر آئے۔

یا دش بخیر! ابو ہریرہ وہ شخصیت ہیں جس کے تیر ستم نے ملائکہ کو بھی معاف نہیں کیا۔

امام مسلم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور کریمؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قبض روح کے لئے ملک الموت کو روانہ کیا۔ جب ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا تو انہوں نے ملک الموت کو اس زور سے طمانچہ رسید کیا کہ اس کی دونوں آنکھیں نکل گئیں۔ ملک الموت اپنے رب کے پاس گیا اور کہا کہ تو نے مجھے اس بندے کے پاس روانہ کیا' جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر سے آنکھیں عطا فرمائیں اور کہا اب اس کے پاس واپس جا اور اسے جا کر کہہ دے کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھے۔ اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بھی بال آئیں گے میں اتنے برس اس کی زندگی بڑھا دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پروردگار اس کے بعد پھر کیا ہو گا۔ اللہ نے کہا پھر موت آئے گی یہ سن کر موسیٰؑ نے کہا پھر اب آ جائے۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے درخواست کی کہ اسے ارض مقدس کے اتنا

قریب کر دے کہ جہاں سے پتھر بھی مارا جائے تو ارض مقدس میں جا گرے۔
رسولؐ خدا نے فرمایا اگر میں وہاں جاتا تو تمہیں شاہراہ کے قریب سرخ ریت کے نیچے موسیٰ کی قبر دکھاتا۔۷۵۔

یہ داستان مکمل طور پر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے اولی العزم پیغمبر تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ ملک الموت ان کے پاس ازخود نہیں آیا اور موت حق ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس غریب کو اس زور سے طمانچہ رسید کیا کہ بیچارے کی دونوں آنکھیں ہی نکل پڑیں۔ ابو ہریرہ! کیا کہنے تیرے ذہن کے' کہ انبیاء و **ملائکہ** کی بھی جنگ شروع کرا دی اور پھر معلوم نہیں کہ ملک الموت نابینا ہو کر اپنی منزل پر کیسے واپس پہنچا تھا۔ قرآن مجید میں تو ہمارے نبیؐ کے لئے اللہ نے فرمایا **والملائکتہ بعد ذلک ظھیر**۔ تمام فرشتے اس کے پشت پناہ ہوں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے صرف ہمارے ہی نبیؐ کے پشت پناہ بننے پر آمادہ ہوئے ہیں جب کہ پہلے انبیاء کے زمانے میں ان کے حالات آپس میں کشیدہ تھے۔ اس طرح کی لایعنی روایت سے ابو ہریرہ کا مقصد صرف یہی تھا کہ انبیائے کرامؑ کی شان کو کم کیا جا سکے۔ مگر اس کے باوجود بھی صحاح ستہ کے مصنّفین نے اس کی خرافات کو اپنی کتابوں میں بڑی آب و تاب سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ کے اس نادان خیرخواہ کی زبانی ایک اور روایت سنیں۔ امام مسلم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

"ایک شخص اپنی گائے ہنکائے جا رہا تھا۔ پھر خود اس پر سوار ہو کر بیٹھ گیا۔ گائے نے اس کی طرف دیکھ کر کہا مجھے اس مقصد کے لئے نہیں بنایا گیا' مجھے تو صرف ہل چلانے کے لئے بنایا گیا۔ لوگوں نے حیران و پریشان ہو کر کہا' سبحان اللہ! ایک گائے بھی گفتگو کر سکتی ہے' تو رسولؐ خدا نے فرمایا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔"

ابو ہریرہ کہتے ہیں رسولؐ خدا نے فرمایا ایک دفعہ ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک بکری اٹھا لی۔ چرواہے نے بڑی جدوجہد سے وہ بکری چھڑائی' تو بھیڑیا اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ساتویں دن اس ریوڑ کا رکھوالا کون تھا' اس دن تو میرے سوا اس کا کوئی گلہ بان نہیں تھا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور

ابوبکر و عمر بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہ دونوں واقعات ابوہریرہ کے جھوٹ کی بین دلیل ہیں کیونکہ گائے اور بھیڑیئے کا انسان سے گفتگو کرنا عادۃً اور عقلاً محال ہے۔

جی ہاں! اگر رسولؐ خدا انہیں اس کا حکم دیتے تو آپؐ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ ان سے یقیناً کلام کرواتا اور ان کی گفتگو کو حضور اکرمؐ کا ایک معجزہ قرار دیا جاتا۔ معجزات و خارق عادت واقعات سے انبیائے کرامؑ کی تصدیق مطلوب ہوتی ہے۔

اس روایت میں ستم ظریفی یہ ہے کہ ان دونوں جانوروں کی گفتگو، کسی مقام مباہلہ یا کسی معجزہ کے طلب کرنے پر بھی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے اس بات کو ہم درست سمجھنے پر مجبور ہو سکیں۔

اس ساری داستان سازی سے ابوہریرہ کا مقصد صرف یہی تھا کہ اس طرح سے ابوبکر و عمر کی عظمت کو بلند کرنے میں کچھ مدد مل سکے۔ مگر نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔

جب کہ حضرت ابوبکر و عمر کو اپنی شان کے لئے ابوہریرہ کی اس احمقانہ روایت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایات اہل عقل پر الٹا اثر ڈالتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس طرح کی بے سروپا روایات سن کر باقی احادیث صحیحہ کا بھی انکار کر بیٹھیں اور سارے ذخیرۂ حدیث کو ان پر قیاس کرنے لگیں۔

اب اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ابوہریرہ بہت بڑا حدیث ساز شخص تھا۔ لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے صحیح طور پر حدیث سازی کرنے کے لائق نہیں تھا، جو کچھ اس کے ذہن میں آتا اسے فوراً حدیث رسولؐ بنا کر پیش کر دیتا تھا۔

اس نے اکثر احادیث ایسی وضع کی ہیں جن پر کوئی بھی اہل علم اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی سلیقہ سے جعل سازی کر سکتا تو اس سے بہت سے انسان یقیناً گمراہ ہو جاتے۔ لیکن ابوہریرہ کی مرضی کچھ تھی اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کچھ اور تھی۔

ابوہریرہ چاہتا تھا کہ اسلام کی تعلیمات عالیہ میں من گھڑت احادیث کا زہر شامل کر کے پورے اسلام کی فضا کو مسموم کر دیا جائے۔ جب کہ اللہ کی مشیت یہ تھی کہ لوگوں کو ابوہریرہ کی اصلیت سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس کے جھوٹ کو معلوم کر سکیں۔

صحیح مسلم میں ہے، کسی نے ابن عمر سے کہا! ابو ہریرہ کہتا ہے کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا جنازے کی مشایعت کرنے والے شخص کو ایک قیراط اجر ملتا ہے۔ ابن عمر نے کہا، ابو ہریرہ نے بہت زیادہ اجر بتایا ہے۔

ابو ہریرہ کی وضع حدیث کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ جو کہ پیغمبرؐ اسلام کے ابن عم ہیں اور ان کی تربیت بھی حضورؐ کے ہاتھوں سرانجام پائی اور وہ دن رات گھر اور باہر حضور کریمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ ان سے بھی اتنی روایات مروی نہیں جتنی کہ ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔ بی بی عائشہؓ پیغمبر خداؐ کی زوجہ ہیں اور انہیں ایک عرصہ تک حضور کریمؐ کی خدمت کرنے کا موقع بھی ملا۔ با ایں ہمہ ان کی روایات بھی ابو ہریرہ کی روایات سے کم ہیں۔

جب کہ ابو ہریرہ آنحضورؐ کی خدمت میں عام مسلمانوںؓ کی طرح سے رہتے تھے اور ان کا کل عرصہ صحبت ایک سال آٹھ ماہ سے زیادہ نہیں بنتا۔ اس کے باوجود بھی انہوں نے تمام صحابہ سے زیادہ روایات بیان کی ہیں۔ اس حقیقت کا احساس اہل سنت کے عظیم عالم، سراج الدین البلقینی کو ہوا۔ انہوں نے ان تمام روایات کی تکذیب کی جن کا واحد راوی ابو ہریرہ ہے۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں: سیرت و حدیث کی کتابوں میں آنحضرتؐ کے شب و روز کی تقسیم کار موجود ہے۔

آپؐ کا دستور تھا کہ طلوع فجر کے وقت آپؐ مسجد میں تشریف لاتے، لوگوں کو نماز پڑھاتے اور سورج طلوع ہونے تک لوگوں کے ساتھ مصروف تعقیبات رہتے تھے۔ پھر لوگوں کی طرف اپنے رخ انور کو پھیرتے تھے اور ان کی حاجات پوری کرتے تھے۔ اس دوران لوگوں سے گفتگو جاری رہتی۔ ظہر سے پہلے اپنے گھر جاتے اور کچھ وقت اپنی ازواج کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ پھر نماز ظہر کے لئے باہر تشریف لاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد تعلیم احکام کا سلسلہ شروع ہوتا۔ اسی دوران نماز عصر پڑھی جاتی تھی اور غروب آفتاب سے پہلے آپؐ واپس اپنے گھر آ جاتے اور غروب آفتاب تک اپنے گھر میں رہتے تھے اور جیسے ہی مغرب کی اذان ہوتی، آپؐ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپؐ اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ آدھی رات تک اپنی

ازواج کے ساتھ رہتے تھے' پھر نماز شب کے لئے بیدار ہوتے تو طلوع فجر تک عبادت کا سلسلہ گھر میں جاری رہتا تھا۔

حضور کریمؐ کے شب و روز کی ہمیشہ یہی تقسیم کار رہی۔ ان اوقات میں ابو ہریرہ کو علیحدگی کا وقت ہی کب ملا' جس میں انہوں نے یہ عجیب و غریب روایات سن لیں۔ جب کہ ابو ہریرہ کا حسب و نسب میں بھی حضور کریمؐ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ابو ہریرہ کی خرافات اس قدر زیادہ ہیں' جنہیں اس مختصر سے باب میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں امید ہے کہ اس اجمالی بیان سے قارئین کرام کو تسلی ہو جائے گی۔۷۶۔

عبداللہ بن عمر

انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے بہت سی روایات بیان کی ہیں اور بہت سی احادیث وضع بھی کی ہیں۔

موصوف بھی ابو ہریرہ کی طرح سے (صحاح) کے سربند رواۃ میں سے ہیں' جن پر صحاح کی چکی گردش کرتی ہے۔ ہم ان کے کچھ حالات اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر اتنے بڑے "دین دار" تھے کہ یزید لعین کی بیعت کی تھی اور اپنی اولاد اور احباب کو بھی یزید پلید کی بیعت پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی تھی۔ مسلم نافع سے روایت کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے دور میں واقعہ حرہ کے وقت عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے۔ عبداللہ بن مطیع نے نوکروں سے کہا انہیں تکیہ لگا دو۔ اس وقت عبداللہ بن عمر نے کہا میں یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا۔ میں تجھے ایک حدیث یاد دلانے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا۔ جو کوئی امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچے گا تو قیامت کے دن خدا کے حضور اس کی کوئی حجت نہیں ہو گی اور جو شخص ایسی حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو' تو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔۷۷۔

مذکورہ بیان کی تائید کرتے ہوئے امام احمد نافع سے روایت کرتے ہیں:

"جب اہل مدینہ نے یزید پلید کی بیعت توڑی تو اس وقت ابن عمر نے اپنی اولاد

اور خاندان کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا: ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت' اللہ اور رسولؐ کی بیعت سمجھ کر کی ہے اور میں نے جناب رسولؐ خدا سے سنا بیعت سے پھر جانے والے شخص کی پشت پر ایک جھنڈا لگایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تو نے فلاں سے بدعہدی کی تھی اور اس سے بڑھ کر بدعہدی و غداری اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس کی بیعت اللہ اور رسولؐ کی بیعت سمجھ کر کی جائے' آدمی اس کی بیعت کو توڑ دے۔

لہٰذا خبردار تمہیں کسی بھی قیمت پر یزید کی بیعت نہیں توڑنی چاہئے اور تم میں سے کوئی بھی یزید کے خلاف تحریک میں حصہ نہ لے۔ ورنہ میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں ہو گا اور ایسے شخص کا حضور اکرمؐ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو گا۷۸۔

ابن عمر کی شخصیت کا عجیب پہلو یہ ہے کہ واقعہ حرہ جس میں ہزاروں بے گناہ افراد شہید ہوئے۔ جن میں بوڑھے' جوان' بچے سب شامل تھے اور جس میں صحابہ کرام کی بہو بیٹیوں کی عصمت تک محفوظ نہیں رہی تھی اور تین دن تک مسجد نبویؐ میں یزیدی فوج نے گھوڑے باندھ رکھے تھے۔ اس کے باوجود بھی ابن عمر نے یزید کے حق میں تجدید بیعت کے لئے دوسری مرتبہ بیعت کی تھی۔ واقعہ حرہ یزید کی بربریت اور اسلام دشمنی کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ ابن عمر کو بخوبی علم تھا کہ یزید کتنا بڑا فاسق و فاجر ہے۔ یزید کی نگاہ میں شراب حلال تھی' ماں بہن سے نکاح کرنا جائز تھا' یزید حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے خاندان کو کربلا میں قتل کرا چکا تھا۔

ان سب حقائق کے باوجود پھر بھی عبداللہ بن عمر نے اپنی اولاد کو بیعت یزید پر قائم رہنے کی ترغیب دی اور اپنی اولاد کو یہ سبق دیا کہ یزید کی بیعت اللہ اور رسولؐ کی بیعت ہے۔

قارئین کرام! یزید ملعون وہ بدکردار اور بدعقیدہ شخص تھا' جس نے اپنے اشعار میں کھلے عام کہا تھا کہ میں نے بدر کے مقتولین کا آل احمدؐ سے بدلہ لے لیا ہے اور اسی ملعون نے یہ کہنے کی جسارت کی تھی

لعبت هاشم بالملک فلا۔ وحی جاء ولاخبر تزل

بنی ہاشم نے حکومت حاصل کرنے کے لئے نبوت کا ڈھونگ رچایا تھا نہ تو کوئی وحی آئی تھی اور نہ ہی آسمان سے کوئی خبر اتری تھی۔

عبداللہ بن عمر کے اس مذموم کردار کا تقابل اس کی بیان کی ہوئی دوسری حدیث سے کریں۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا' مسلمان پر امیر کی سمع و طاعت فرض ہے' خواہ پسند کرے یا ناپسند کرے۔ ہاں جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر سمع و طاعت نہیں کرنی چاہئے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر کی نظر میں شاید حضرت امام حسینؑ کا قتل' واقعہ حرہ' بیت اللہ پر سنگ باری' یہ سب اطاعت خدا کے نمونے تھے۔ جب ہی تو ابن عمر یزید کی اطاعت پر زور دیتے رہے۔ اگر ابن عمر کی نگاہ میں مذکورہ امور' معصیت ہوتے تو پھر اس سمع و طاعت کا کیا جواز تھا؟؟

ابن اثیر بیان کرتے ہیں۔ جب معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن عمر کے پاس ایک لاکھ درہم روانہ کئے۔ جو ابن عمر نے قبول کئے۔ پھر جب معاویہ نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو ابن عمر نے کہا۔ اب مجھے ایک لاکھ درہم دینے کے مقصد کا پتہ چلا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے میرا دین بڑا سستا ہے۔ اس وقت یزید کی بیعت نہ کی۔

ابن عمر شروع میں تو بیعت یزید کو دین فروشی کہتے تھے پھر نجانے وہ کون سے علل و اسباب تھے جن کی وجہ سے ابن عمر نے یزید کی بیعت کر لی اور جب اہل مدینہ یزید کی بیعت توڑ کر اس کے خلاف جہاد کی تیاری میں مصروف تھے' تو ابن عمر لوگوں کو بیعت یزید پر قائم رہنے کی نصیحتیں فرما رہے تھے۔

اس حقیقت میں ہرگز کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ دنیاوی اغراض کے لئے کیا گیا اور اپنے دنیاوی مفادات کے لئے انہیں **من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة** (جو اس حالت میں مراکہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا) کی حدیث بھی یاد آ گئی۔ جب کہ یزید جیسے بے حیا اور فاسق کی بیعت سرے سے ہی جائز نہیں۔

ابن عمر وہ شخصیت ہیں جس نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی، لیکن یزید کی بیعت کر لی تھی اور لوگوں کو اس کی بیعت پر باقی رہنے کی ترغیب دیتے رہے۔

دور یزید میں تو انہیں یہ حدیث یاد تھی کہ جس کی گردن میں بیعت نہ ہو وہ کفر و جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ لیکن نجانے حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں انہیں یہ حدیث کیوں بھول گئی تھی۔ اگر ہم ابن عمر کے متعلق زیادہ حسن ظن سے بھی کام لیں تو یہی کہیں گے کہ دور معاویہ میں ابن عمر نے یزید کی بیعت شاید اس لئے نہیں کی تھی کہ ابھی نبی کریمؐ کا زمانہ قریب تھا اور اس وقت تک حضور کریمؐ کی احادیث کانوں میں گونج رہی تھیں۔

حضورؐ کے بیان کردہ معارف ابھی تک آنکھوں کے سامنے مجسم طور پر موجود تھے۔ اسی وجہ سے ابن عمر کو یزید کی بیعت کے لئے جھجک محسوس ہوئی اور جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اور امت اسلامیہ فتنوں کی لپیٹ میں آتی گئی، دینی عقائد میں ضعف و اضطراب آنا شروع ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو شخص پہلے یزید کی بیعت کو دین فروشی کہہ رہا تھا آج وہی شخص یزید کی بیعت کو اسلام کا اولین تقاضا کہنے لگا۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

و ما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم و من ينقلب على عقبيه فلن يضرالله شيئا و سيجزى الله الشاكرين

"محمدؐ تو صرف رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی بہت سے پیغمبر گذر چکے ہیں پھر کیا محمدؐ اپنی موت مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو تم الٹے پاؤں (اپنے کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا بھی تو (سمجھ لو) ہرگز خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑے گا اور عنقریب خدا شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔"

جس انسان کی نفسیاتی حالت یہ ہو اور جس کا مبلغ دین یہی ہو، ایسا شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس کے آراء و نظریات کو کتب حدیث میں درج کیا جائے اور ویسے بھی اس کی اکثر روایات صریحاً" جھوٹی اور خرافات پر مبنی ہیں۔

بخاری اپنی صحیح کی دوسری جلد میں رقم طراز ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے کہا۔ میں ایک

دفعہ اپنی بہن حفصہ کے کوٹھے کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول خداؐ کو دیکھا۔ انہوں نے قبلہ کی طرف پشت کی ہوئی تھی اور شام کی طرف ان کا منہ تھا اور اس حالت میں قضائے حاجت کر رہے تھے۔۷۹۔

ابن عمر کی یہ روایت امت اسلامیہ کے اجماع کے خلاف ہے۔ کیونکہ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ بول و براز کے وقت نہ تو قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہئے اور نہ پشت کرنی چاہئے۔

خود امام بخاری نے آنحضرتؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور قبلہ کی طرف پشت نہ کرو۔ مشرق یا مغرب کی جانب منہ کرو۔۸۰۔

عرض مترجم

واضح ہو کہ مدینہ طیبہ میں قبلہ جنوب کس سمت واقع ہے اسی لئے آنحضرتؐ جنوب و شمال کی طرف منہ اور پشت کرنے سے منع فرمایا اور مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جن ممالک میں قبلہ مغرب کی سمت واقع ہے انہیں شمال و جنوب کی طرف اپنا منہ کرنا چاہئے۔

آنحضرتؐ کے سوانح نگاروں کا متفقہ بیان ہے کہ کسی نے حضورؐ کو بول و براز کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ابن عمر کی اس روایت نے شارحین بخاری کو پریشان کر دیا اور عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق عجیب و غریب تاویلات کا بازار گرم ہو گیا اور کہا گیا کہ قبلہ کی طرف منہ اور پشت کرنا حرام ہے لیکن آنحضرتؐ کے لئے حلال تھا اور یہ حکم حضورؐ کا خاصہ ہے۔ اے کاش! اللہ تعالیٰ شارحین بخاری کو اتنی فہم و فراست دے دیتا کہ اس فعل بد کو حضور اکرمؐ کا خاصہ قرار دینے کی بجائے سرے سے ہی اس روایت کو عظمت رسولؐ کے منافی ہونے کی وجہ سے ٹھکرا دیتے کیونکہ

اولاً: حضور کریمؐ کے خصائص کا تمام امت کو علم ہے اور یہ فعل آپؐ کے خصائص میں نہیں ہے۔

ثانیاً: آپؐ کے جملہ خصائص آپؐ کی عظمت کا ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ امتیازات عطا فرمائے جو اور کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ لیکن ابن عمر کی روایت میں جس چیز کا ذکر ہے، اس میں حضور اکرمؐ کی عظمت کا کون سا پہلو مضمر ہے کہ

اسے حضرتؐ کا خاصہ قرار دیا جائے؟

ثالثاً:۔ حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کو قضائے حاجت کے وقت قبلہ رخ ہونے اور قبلہ کی طرف پشت کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اس سے قبلہ کی عزت و عظمت مقصود تھی تو اس لحاظ سے آپؐ کا سب سے زیادہ فرض بنتا تھا کہ اپنے حکم پر عمل کرتے تاکہ امت کو سمت قبلہ کے محترم ہونے کا یقین ہو جاتا۔ مگر ابن عمر کی روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کو احترام قبلہ کا درس دینے والا خود ہی اس کا احترام نہیں کرتا تھا۔(نعوذ باللہ)

اور کیا قول و عمل کے اس تضاد سے انہیں **لما تقولون مالا تفعلون** کی آیت نے منع نہیں کیا تھا؟

بطور نمونہ ابن عمر کی چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

ابن عمر کہتے ہیں رسولؐ خدا نے فرمایا میں اس شخص کو بخوبی جانتا ہوں جو سب لوگوں کے بعد آتش دوزخ سے آزاد ہو گا اور سب کے آخر میں داخل بہشت ہو گا۔ وہ شخص دوزخ سے زانو بہ زانو چلتا ہوا باہر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے کہے گا تو جنت میں داخل ہو جا۔ مگر اسے جنت بھری ہوئی نظر آئے گی وہ خدا کے پاس لوٹ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا۔

اسے پھر اللہ کہے گا کہ جنت میں چلا جا۔ وہ جنت میں جائے گا تو اس بار بھی اسے جنت بھری ہوئی نظر آئے گی۔ وہ کہے گا خدایا جنت تو بھری ہوئی ہے۔

اسے خدا پھر کہے گا' جا جنت میں چلا جا۔ اس دفعہ بھی اسے جنت بھری ہوئی نظر آئے گی وہ پھر پروردگار کے پاس آ کر کہے گا خدایا میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا۔ تو اسے خداوند عالم فرمائے گا۔ اب جنت میں چلا جا۔ میں نے تجھے اس دنیا سے دس گناہ بڑی جاگیر جنت میں عطا فرمائی۔ وہ شخص کہے گا پروردگار! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے اور خدا ہو کر میرا ٹھٹھہ اڑاتا ہے۔ میں نے رسولؐ خدا کو دیکھا کہ اس بات پر اتنا ہنسے کہ ان کی داڑھیں نظر آنے لگیں اور فرمایا کرتے تھے یہ شخص اہل جنت میں سب سے کم درجہ کا جنتی ہو گا۔

اس روایت کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کے وضعی ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ کون سی مجبوری تھی کہ اسے اس دنیا سے دس گنا زیادہ

وسیع جگہ جنت میں عطا کرنا پڑی اور جس شخص کے پاس اتنی بڑی جاگیر ہو اس کے لئے رسول کریمؐ یہ کیوں کہتے ہیں کہ مذکورہ شخص اہل جنت میں سے کم تر درجہ والا ہو گا؟؟

اور تعجب یہ ہے کہ اس آخری جنتی کو کسی طرح سے اللہ کی بات پر اعتبار ہی نہیں آتا تھا اور بالاخر اسے مجبور ہو کر خدا سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ خدا ہو کر مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔

اس روایت کے وضعی ہونے کا مزید قرینہ یہ ہے کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ بات کرتے ہوئے آنحضرتؐ زور سے مسکرائے تاآنکہ آپؐ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ جب کہ اس روایت میں ہنسانے والی کوئی بات سرے سے ہی موجود نہیں ہے۔

اب اسی روایت کو ابو ہریرہ کے "منفرد انداز" میں ملاحظہ فرمائیں۔ اسی ایک واقعہ کی دونوں روایات پڑھنے کے بعد ہمیں امید ہے کہ آپ بھی ہمارے اس خیال کی تائید کریں گے کہ وضع حدیث کے ان دونوں بے تاج بادشاہوں میں سے عبداللہ بن عمر زیادہ سلیقہ مند تھے۔ جب کہ ابو ہریرہ کی وضعی روایات میں "سلیقہ" کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا اور انہوں نے ہمیشہ وضع حدیث میں اپنے فطری "پھوہڑپن" سے کام لیا ہے۔ ابن عمر بعض اوقات اتنی خوبصورتی سے حدیث وضع کرتے تھے کہ مصنوعی موتیوں پر بھی حقیقی موتیوں کا گمان ہونے لگتا تھا۔

مسلم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں... روایت کا پہلا حصہ رویت باری کے متعلق ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا جس طرح سے آفتاب و ماہتاب کی رویت میں شک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح سے باری تعالیٰ کی رویت میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

بعدازاں کہتے ہیں:

"پھر ایک شخص باقی رہ جائے گا جس کا منہ دوزخ کی طرف ہو گا اور وہ جنت میں داخل ہونے والا آخری فرد ہو گا۔ وہ شخص فریاد کر کے کہے گا خدایا! میرے منہ کو دوزخ سے پھیر دے۔ اس کی بو سے میں سخت اذیت محسوس کر رہا ہوں اور اس کے شعلے مجھے جلائے جا رہے ہیں۔

جتنی دیر اللہ کو اس کی دعا منظور ہو گی وہ اتنی دیر تک دعا مانگتا رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے کہے گا۔ اس دعا کی قبولیت سے پہلے وعدہ کرو کہ اس کے بعد اور کسی چیز کی تمنا نہیں کرو گے۔

وہ شخص اللہ تعالیٰ سے پکا وعدہ کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے منہ کو دوزخ سے پھیر دے گا اور اس کا منہ جنت کی طرف کیا جائے گا۔ وہ کچھ دیر تو خاموش رہے گا پھر کہے گا: پالنے والے مجھے جنت کے دروازے پر پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کہے گا کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ پھر کسی چیز کی تمنا نہیں کرے گا؟ ابن آدم! تجھ پر افسوس ہے تو کتنا بڑا دغا باز ہے۔

وہ شخص کہے گا بے شک پروردگار۔ پھر وہ اللہ سے سوال کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے کہے گا۔ اگر میں تیری یہ خواہش پوری کر دوں تو اس کے بعد تو کچھ نہیں مانگے گا؟ وہ شخص کہے گا مجھے تیری عزت کی قسم میں اس کے بعد پھر تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا اور جتنا اللہ کو منظور ہو گا وہ اتنے ہی عہد و میثاق کرے گا۔ پھر اللہ اسے جنت کے دروازے پر پہنچا دے گا۔ پھر جب اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھلے گا اور وہ جنت کی اچھائی برائی کو دیکھے گا۔ جتنی دیر خدا کو منظور ہے وہ خاموش رہے گا اور پھر کہے گا۔ پروردگار! مجھے جنت میں داخل فرما' تو اللہ تعالیٰ اسے کہے گا کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھ سے اور کچھ طلب نہیں کرے گا؟

ابن آدم تجھ پر افسوس تو کتنا بڑا دغا باز ہے۔ وہ کہے گا جی ہاں پروردگار میں تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہیں بننا چاہتا۔ پھر وہ مسلسل اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر ہنسنے لگ جائے گا۔

اور جب اللہ اس کی وجہ سے ہنسے گا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جائے اور جب وہ جنت میں داخل ہو گا تو اللہ فرمائے گا اب تمنا کرتے جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے یاددہانی کراتا جائے گا کہ فلاں فلاں چیزیں مانگ لو۔ یہاں تک کہ اس کی تمام آرزوئیں پوری کر دی جائیں گی اور مزید مانگنے کے لئے اس کے پاس کوئی تمنا باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اسے کہے گا یہ بھی لے لو اور اس جتنا اور بھی لے لو۔

اس روایت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ: ابو ہریرہ نے روایت کی بسم اللہ ہی تجسیم خداوندی سے کی ہے اور امت اسلامیہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح سے سورج اور چاند کا دیکھنا ممکن ہے اسی طرح سے خداوند عالم کا دیکھنا بھی ممکن ہے۔ اور روایت کا اختتام اللہ کے ہنسنے پر کیا ہے۔ جب کہ یہاں ہنسنے کا کوئی موقع و محل بھی نہیں

تھا۔

ابن عمر نے یہ کہا تھا کہ رسول کریمؐ ہنسے تھے اور ابو ہریرہ نے کہا کہ اللہ ہنسے گا۔ اس روایت میں اللہ تعالیٰ کو بالکل ایک سادہ لوح انسان کے طور پر پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ ایک دغا باز شخص وعدہ کرتا ہے کہ اب کچھ نہیں مانگوں گا۔ اور "بھولا بھالا" خدا بھی اس کی بات پر باور کر لیتا ہے۔ اور جب پھر وہ مزید مطالبے شروع کرتا ہے تو اللہ اسے سابقہ وعدے یاد دلاتا ہے۔ لیکن آخرکار اس کی درخواست کو پورا کرتا جاتا ہے۔ اور درخواست پوری کرتے وقت پھر احتیاط یہ برتی جاتی ہے کہ اب وعدہ کرو کہ پھر کچھ نہیں مانگو گے۔ غرضیکہ وہ چالاک شخص قسمیں کھا کر اپنی مطلب براری کراتا رہتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر بار "سادہ لوح" خدا بھی اس کے جھانسے میں آتا رہتا ہے۔ (نعوذ باللہ) ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی اتنی مرتبہ کسی سے دھوکا نہیں کھاتا چہ جائیکہ احکم الحاکمین اللہ ایک شخص سے فریب کھائے۔

تقدست اسماوہ و تعالت صفاتہ و تنزہ عما یقولہ الجاھلون

اس روایت سے ہی ابو ہریرہ کے مبلغ علم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

؎ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ہمیں یہ سمجھنے میں انتہائی دقت ہوتی ہے کہ صحاح ستہ کے مصنّفین نے اس قسم کی خرافات کو احادیث رسولؐ کس طرح سے سمجھ لیا اور پھر انہیں اپنی کتابوں میں کیوں نقل کیا اور پھر ان لایعنی روایات کی موجودگی میں اپنی کتابوں کو بزعم خویش صحیح کس طرح سے سمجھ لیا؟

یقیناً وضعی روایات دین اسلام کے حسین چہرہ پر بدنما داغ ہیں اور اس دسیسہ کاری سے گلشن اسلام کو ویران کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہؓ بڑی ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ نفرت کا دہکتا ہوا آتش فشاں تھیں۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں انہوں نے آپؐ کی پرسکون زندگی کو مکدر بنانے کی مقدور بھر کوشش کی۔ اور ہمیشہ اس جستجو میں رہیں کہ کس طرح سے

آنحضرتؐ کو دوسری ازواج سے متنفر کیا جائے۔ اور اس "کارخیر" میں حضرت حفصہ ان کی شریک کار تھیں۔

ایک مرتبہ جب حضور کریمؐ حضرت زینبؓ کے گھر سے شہد کھا کر آئے تو ان دونوں بیویوں نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق کہا ہمیں آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ ان کی اس گفتگو پر آپؐ ناراض ہوئے اور پورا مہینہ ان سے قطع تعلق فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ازواج کے کردار کی عکاسی سورۂ تحریم میں فرمائی۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمر سے پوچھا کہ وہ دو عورتیں کون تھیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم میں فرمایا ہے **ان تتوبا الی اللہ فقد صفت قلوبکما الخ** (اگر تم دونوں توبہ کر لو تو بہتر تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں)

میری یہ بات سن کر حضرت عمر نے کہا وہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔

یہ واقعہ بخاری میں مفصل طور پر موجود ہے۔ اور جسے تفصیل کی خواہش ہو اس طرف رجوع کرے۔۸۱۔

حق تو یہ ہے کہ جو شخص حضرت عائشہ کی کتاب زندگی کا مطالعہ کرے گا وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ موصوفہ اپنے اقوال و افعال اور دیگر حرکات و سکنات سے رسولؐ خدا کو اذیت دیتی رہتی تھیں۔

صحیح بخاری میں ارشاد فرماتی ہیں: جب رسولؐ خدا نماز پڑھتے تو میں ان کے آگے لیٹی رہتی تھی اور میرے پاؤں حضورؐ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب سجدہ کرتے مجھے چٹکی لیتے تب میں اپنے پاؤں سمیٹ لیا کرتی تھی اور جب حضورؐ کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی تھی۔۸۲۔

اگر خدانخواستہ یہ روایت درست ہے تو اس سے حضور کریمؐ کی بے ادبی مترشح ہوتی ہے۔ ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں۔

عائشہ کہتی ہیں: جب خولہ بنت حکیم نے اپنا نفس حضور کریمؐ کو ہبہ کیا' تو میں نے کہا کسی مرد کو اپنا نفس ہبہ کرتے ہوئے اس عورت کو حیا نہیں آئی؟ اور اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے **ترجی من تشاء الخ** کی آیت نازل کی تو میں نے کہا یا رسولؐ اللہ! اللہ آپؐ کی خواہش کو بہت جلد پورا کر دیتا ہے۔ بی بی عائشہ کے یہ الفاظ بارگاہ خداوندی اور بارگاہ نبوتؐ

میں بہت بڑی جسارت ہیں اور اس طرح کے الفاظ صرف وہی کہہ سکتا ہے جس کی نظر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا کوئی مقام نہ ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تو بی بی عائشہؓ کا یہ کردار تھا اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کا گھر چھوڑ کر بصرہ تک جانے کی مرتکب ہوئیں اور حضورؐ کے گھر کو چھوڑتے وقت انہوں نے **وقرن فی بیو تکن** (تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) کی آیت مجید کو پس پشت ڈال دیا اور لوگوں کو امام زمانہ امیرالومنینؑ کے خلاف جمع کیا حالانکہ رسولؐ خدا انہیں یہ وصیت کر کے گئے تھے کہ علیؑ کی اطاعت سے سر **پیچی** نہ کرنا اور مزید یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اونٹ پر سوار ہونے والی عورت نہ بننا جسے حواب کے کتے بھونکیں گے۔

مگر آنحضرتؐ کی ان تمام وصیتوں کی انہوں نے پرواہ نہ کی اور اپنی ناحق ضد کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق کا موجب بنیں اور اس طرح سے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کی ہلاکت کا سبب بنیں۔

جناب رسولؐ خدا تعلیم الٰہی سے اس فتنہ کو بھانپ چکے تھے اور حضورؐ کو علم ہو چکا تھا کہ انجام کار کیا ہونے والا ہے۔

اسی لئے بخاری کی ایک روایت میں ہے **قام النبی خطیب فاشار نحو مسکن عائشة فقال ها هنا الفتنة ثلاثا من حیث یطلع قرن الشیطان**۔ حضور کریمؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا۔ یہاں فتنہ ہے اور یہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہو گا۔۸۳۔

مسلم کی روایت ہے **خرج رسول الله من بیت عائشة فقال راس الکفر من ها هنا حیث یطلع قرن الشیطان**۔ رسولؐ خدا عائشہؓ کے گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا کفر کی بنیاد یہاں سے شروع ہو گی اور اسی جگہ سے شیطان کا سینگ نمودار ہو گا۔۸۴۔

کسی بھی دیانت دار محقق کے لئے بی بی عائشہ کے نظریات و روایات پر اعتماد کرنا انتہائی دشوار ہے۔ اور اسی طرح سے انس بن مالک اور ابو موسیٰ اشعری کی روایات بھی اس لئے قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ دونوں حضرت علیؑ کے مخالف تھے۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے **یا علی لایحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق**۔ اے علیؑ مومن کے علاوہ تجھ سے اور کوئی محبت نہیں رکھے گا اور منافق کے علاوہ تجھ سے اور کوئی

عداوت نہیں رکھے گا۔

اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ علیؑ کا دشمن منافق ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ **ان المنافقین لکاذبون یقیناً** منافق جھوٹے ہیں۔ لہٰذا منافق کو کبھی بھی ثقہ اور عادل نہیں سمجھا جا سکتا۔

ابو موسیٰ اشعری نے تحکیم کے وقت جناب علیؑ کو دھوکا دیا تھا اور اس کی طرف سے حضرت علیؑ اور ان کی اولادؑ سے نفرت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ امام احمد اپنی مسند میں بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ، امام حسن مجتبیٰؑ کی عیادت کرنے گیا تو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا عیادت کے لئے آئے ہو یا شماتت کے لئے آئے ہو؟ انس بن مالک وہ شخصیت ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے اسے حدیث غدیر کی گواہی کے لئے کھڑا کیا تو اس نے بڑھاپے کا عذر کرتے ہوئے کہا میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور واقعات بہت پرانے ہیں لہٰذا مجھے ٹھیک طرح سے واقعہ یاد نہیں ہے۔

امیرالومنینؑ نے کہا خدایا! اگر یہ شخص جان بوجھ کر حق کی گواہی دینے سے کنارہ کشی کر رہا ہے تو اسے ایسا داغ لگا جسے چھپانا اس کے لئے ناممکن بن جائے۔ حضرت علیؑ کی بددعا سے یہ فورا مبروص ہو گیا اور ہر جگہ یہ کہا کرتا تھا کہ یہ علیؑ کی بددعا کا نتیجہ ہے۔

یہ لوگ اہل سنت کے مشہور راوی ہیں۔ جب ابو ہریرہ، ابن عمر، بی بی عائشہ، انس بن مالک اور ابو موسیٰ اشعری کی روایات کو رد کر دیا جائے تو صحاح کی اکثر روایات ناقابل اعتبار قرار پائیں گی۔ کیونکہ مذکورہ افراد کی روایات کی تعداد باقی رواۃ کی احادیث سے زیادہ ہے۔

کتب اہل سنت میں ابو ہریرہ سے ۵۳۷۴ اور بی بی عائشہؓ سے ۲۲۱۰ روایات مروی ہیں۔

عبداللہ بن عمر اور انس سے بھی بی بی عائشہؓ جتنی روایات مروی ہیں ابو موسیٰ اشعری بھی کتب اہل سنت میں مرکزی راوی ہے۔ جب صحاح ستہ کے اکابر رواۃ و محدثین کا یہ حشر ہے تو باقی رواۃ کا کیا عالم ہو گا؟ باقی رواۃ میں خارجی، ضعفاء، مجہول، مرجئہ، قدریہ اور نواصب بکثرت ہیں۔ بزرگ علمائے اہل سنت نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ چنانچہ ابن یسع اپنی کتاب "معرفتہ اصول الدین" میں لکھتے ہیں۔

امام بخاری نے ایک سو سے زیادہ مجہول رواۃ سے احادیث نقل کی ہیں اور ان سے احتجاج کیا ہے۔

مشہور محدث ابن الصلاح اصول حدیث کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:
"بخاری نے پوری ایک ایسی جماعت سے روایت کی ہے جن پر علمائے رجال نے جرح کی ہے مثلاً عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور اسماعیل بن ابو اویس، عاصم بن علی اور عمر بن مرزوق وغیرہ۔"
مسلم نے سوید بن سعید اور دیگر ایسی جماعت سے احتجاج کیا ہے جن کے متعلق علمائے رجال کی جرح بڑی مشہور تھی اور یہی کچھ ابوداؤد نے کیا ہے۔

رجال صحیحین

علامہ سیوطی اپنی کتاب "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" میں بخاری و مسلم کی ترجیح پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔
وہ راوی جن سے بخاری نے روایت کی اور مسلم نے ان سے روایت نہیں کی، ان کی تعداد چار سو اسی سے زیادہ ہے۔ جن میں اسی افراد ضعیف ہیں۔
اور ایسے راوی جن سے مسلم نے روایت کی اور بخاری نے ان سے روایت نہیں کی، ان کی تعداد چھ سو بیس ہے۔ جن میں سے ایک سو ساٹھ ضعیف ہیں۔۸۵؂
سیوطی ابن الصلاح سے نقل کرتے ہیں محدثین کی طرف سے مسلم پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنی صحیح میں ضعفاء و متوسطین کی ایک جماعت سے روایات نقل کی ہیں۔
علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "التہذیب" اور شرح بخاری کے مقدمہ میں بہت سے خوارج اور ضعفاء کی فہرست پیش کی ہے۔ جسے ہم اس مختصر فصل میں نقل کرنے سے عاجز ہیں۔
اس کے علاوہ علامہ دہلوی نے بھی شرح مشکوۃ المصابیح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جسے تفصیلی بحث کی خواہش ہو اسے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اور اس وقت آپ کو رجال صحیحین سے صحیح آگاہی حاصل ہو گی اور معلوم ہو گا کہ ان نام نہاد "صحاح" میں صحیح احادیث کتنی ہیں اور خوارج و مجسمہ سے کتنی روایات منقول ہیں۔
"صحاح" میں بہت سی من گھڑت روایات و خرافات موجود ہیں اور دوسری کتب کی بہ نسبت صحیح بخاری میں بغض اہل بیتؑ کی صفت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ صحیح بخاری کے قارئین کو بخوبی علم ہے کہ اس نے فضائل علیؑ کے باب میں چند روایات لکھنے پر ہی اکتفا کی

ہے۔ اور وہ بھی مجبورا وہی فضائل لکھے جو کہ زبان زد خاص و عام تھے اور امت اسلامیہ کا کوئی فرد ان مناقب سے ناواقف نہ تھا۔

اس وجہ سے بخاری کو اپنی کتاب کا بھرم رکھنے کی غرض سے چند احادیث لکھتے ہی بنی' لیکن اہل بیتؑ طاہرین کے علاوہ دوسرے لوگ جن کا اسلام میں کوئی خاص مقام نہیں تھا اور جنہیں نہ ہی سبقت اسلام کا شرف حاصل تھا اور نہ ہی انہیں محامد نصیب ہوئے تھے' ایسے لوگوں کے لئے بخاری نے بڑی فراخ دلی کا اظہار کیا اور ان کے لئے طویل و عریض روایات پیش کرتا رہا۔

ایسے لوگوں کے لئے ہر وہ روایت نقل کی جو کسی نہ کسی طرح سے ان کی فضیلت کا مظہر بن سکتی تھی۔ اور ان کے مناقب لکھتے وقت بخاری نے ضعیف اور من گھڑت روایات بھی نقل کرنے سے گریز نہیں کیا۔

بخاری کے تعصب کا اندازہ مشہور حدیث "مساراۃ" سے لگایا جا سکتا ہے اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ حدیث کتنی طویل ہے۔ لیکن بخاری نے خیانت مجرمانہ سے کام لیتے ہوئے یہی لکھنے پر اکتفا کی **قالت فاطمة اسر الی النبی فضحکت** (جناب فاطمہؑ نے فرمایا نبی کریمؐ نے مجھ سے راز کی ایک بات کی تو میں مسکرا دی) لیکن حدیث کی تکمیل صرف اس لئے نہیں کہ اس سے حضرت فاطمہؑ کا مقام واضح ہوتا تھا۔ رسولؐ خدا اور امیرالمومنینؑ کی اخوت تاریخ اسلام کا ایک مستند واقعہ ہے۔ بخاری نے جان بوجھ کر اس اخوت کو نہیں لکھا اور اس کے برعکس اخوت ابوبکر کی موضوع روایت لکھ ماری۔

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے دروازے کے علاوہ تمام صحابہ کے دروازے بند کرا دیئے تھے۔ یہ ایک مشہور و معتبر واقعہ ہے۔ لیکن بخاری کے تعصب کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس مستند واقعہ کو تو نہیں لکھا اور اس کے بالمقابل ایک من گھڑت روایت لکھ ڈالی کہ جناب رسولؐ خدا نے تمام لوگوں کے دروازے بند کرا دیئے تھے لیکن ابوبکر کی کھڑکی کو کھلا رکھا۔ تمام علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ "نجران" کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بخاری کی **ناصبیت** بالکل کھل کر سامنے آ گئی بخاری لکھتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے اہل نجران کی طرف ابوعبیدہ بن جراح کو والی بنا کر روانہ کیا اور فرمایا: ہر امت کا کوئی نہ کوئی امین رہا ہے اور میری امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے۔

تمام مسلمان اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ رسولؐ خدا نے نجران کے نصاریٰ کے مباہلہ کے لئے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسنین کریمین علیہم السلام کو لے کر گئے تھے۔ نجران کے نصاریٰ نے ان نورانی چہروں کو دیکھ کر جزیہ دینا قبول کیا اور مباہلہ کرنے سے معذرت لی تھی۔ بخاری کو اسلام کی اس فتح مبین سے چڑ تھی۔ اسی لئے اس نے اس واقعہ کا سرے سے تذکرہ کرنا ہی مناسب نہ سمجھا۔

صحیح بخاری میں بہت سی روایات موجود ہیں جن سے مصنف کی **ناصبیت** ثابت ہوتی ہے اور جسے اس امر کی تحقیق مطلوب ہو اسے **باب مرض النبی** کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مذکورہ باب کے مطالعہ سے ہی اس "شیخ الاسلام" کی ذہنیت ظاہر ہو جائے گی۔ بخاری نے اہل بیتؑ طاہرین کے مقام کو فروتر کرنے کے لئے بہت سی روایات لکھی ہیں۔ مثلا وہ انس سے روایت کرتا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسی کہ ثرید کی باقی کھانوں پر۔۸۶؎

یہ روایت بالکل من گھڑت ہے کیونکہ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ اور حضرت فاطمہ الزہراؑ جیسی آسمان قامت خواتین بھی موجود ہیں اور یہ دونوں مخدرات بی بی عائشہؓ سے افضل ہیں۔

ایک مقام پر خود بخاری نے حضرت فاطمہؑ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جو چیز اسے کھٹکتی ہے وہ مجھے کھٹکتی ہے اور جو چیز اسے اذیت دیتی ہے، وہی مجھے اذیت دیتی ہے۔۸۷؎

ایک اور مقام پر بخاری نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے ان سے فرمایا: فاطمہؑ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو تمام مومن عورتوں کی سردار ہے یا اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہے۔۸۸؎

حضرت فاطمہؑ کی افضلیت کے اثبات کے لئے تو رسولؐ خدا کا انہیں اپنا ٹکڑا کہنا ہی کافی تھا لیکن مزید تاکید کے لئے حضورؐ نے خود ہی تصریح فرمائی کہ فاطمہؑ تمام مومن عورتوں کی سردار ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی والدۂ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؑ کے متعلق خود بخاری نے بی بی عائشہ سے روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں:

"میں نے پیغمبر اسلام کی کسی بیوی سے اتنا حسد نہیں کیا جتنا کہ خدیجہ سے حسد

کیا۔ کیونکہ رسولؐ خدا اس کا بہت زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اور اس کی بہت تعریف کرتے تھے اور پیغمبرؐ خدا کو بی بی خدیجہؑ کے متعلق یہ وحی ہوئی تھی کہ خدیجہؑ کو جنت کے ایک گھر کی خوشخبری سنا دیں۔۸۹۔

رسالت مابؐ اپنی جان نثار زوجہ خدیجہؑ کا بار بار تذکرہ اس لئے کیا کرتے تھے کہ آپؑ صاحب فضیلت اور جلیل القدر خاتون تھیں۔ اور بی بی عائشہ بھی اسی وجہ سے حضرت خدیجہؑ سے حسد کیا کرتی تھیں۔ ورنہ اگر بی بی عائشہ خدانخواستہ حضرت خدیجہؑ سے افضل ہوتیں تو انہیں حسد کرنے کی کیا ضرورت تھی اور خود رسالت مابؐ بھی انہیں تسلی دے کر فرما دیتے: عائشہ، تو کیوں گھبرا رہی ہے تو خدیجہؑ سے افضل ہے۔

ان حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بی بی عائشہؓ کی افضلیت کی روایت محض من گھڑت ہے اور اس میں حقیقت کا ہلکا سا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ اس مقام پر ایک اور حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ

"**فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائرالطعام**" کا جملہ آنحضرتؐ کے اسلوب کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔ البتہ یہ جملہ فقہاء کے اسلوب کلام کے ضرور مشابہ ہے۔

بخاری آل ابوبکر کے کتنے پرستار تھے، اس کے لئے یہ روایت ملاحظہ فرمائیں بخاری لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور کریمؐ سے دریافت کیا تمام لوگوں میں سے آپؐ کو کس سے زیادہ محبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہ: سائل نے پوچھا مردوں میں سے کون زیادہ پیارا ہے تو فرمایا: اس کا باپ۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا پھر کون زیادہ پیارا ہے، تو فرمایا عمر۔ اس کے بعد اور بہت سے لوگوں کا ذکر کیا۔ یہ سن کر میں خاموش ہو گیا کہ مبادا مجھے سب سے آخر میں قرار دیں۔ یہ روایت یقیناً (ایجاد بندہ" ہے۔ کیونکہ حضرت فاطمہؑ کی افضلیت مشہور اور مسلم ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس کی گواہی دی ہے۔

امام احمد اپنی مسند میں تحریر کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

"کیا میں تجھے اپنے اور فاطمہؑ کے متعلق خبر نہ دوں۔ فاطمہؑ رسول کریمؐ کی دختر

تھیں اور تمام خاندان کے افراد میں سے پیغمبرؐ اسلام کو زیادہ پیاری تھیں۔۹۰۔
حضرت خدیجہؑ بی بی عائشہؓ سے افضل تھیں اور بی بی عائشہ خود بھی اس کا اقرار کیا کرتی تھیں۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ حضرت علیؑ اور حسنینؑ کریمین کی موجودگی میں حضرت ابوبکر و عمر تمام مردوں میں سے کس طرح افضل ہو سکتے ہیں۔

اس مسئلہ کے حل کے لئے ہم امام احمد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

امام احمد اپنی مسند میں تحریر کرتے ہیں **ان منزلة علی من رسول الله لم تکن لاحد من الخلائق**۔ حضورؐ کی نظر میں علیؑ کو وہ منزلت حاصل تھی جو تمام مخلوقات میں سے کسی کو بھی حاصل نہ تھی۔۹۱۔

امام احمدا ور بخاری دونوں لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے حضرت علیؑ سے فرمایا **اما انت یا علی فمنی وانا منک**۔ اے علیؑ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔۹۲۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو نفس رسولؐ کہا ہے اور واضح سی بات ہے کہ کائنات کا کوئی فرد نفس رسولؐ سے افضل نہیں ہو سکتا۔

درمیان امت آن کیو ؟ ان جناب
ہم چوں حرف قل ھواللہ در کتاب
اقبال

حسنین کریمین علیہا السلام کے متعلق خود بخاری نے لکھا ہے **ھما ریحانتای من الدنیا**۔ یہ دونوں میری دنیا کے پھول ہیں۔

امام احمد رسولؐ کریم سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

من احبنی واحب ھذین ای الحسن و الحسین و اباھما و امھما کان معی فی درجی یوم القیامة۔(۹۳)

"جو مجھ سے اور ان دونوں یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کے والدین سے محبت کرے وہ بروز قیامت میرے ساتھ میرے درجہ میں ہو گا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آنحضرتؐ نے اپنے اہل بیتؑ کی کتنی بڑی منزلت بیان فرمائی ہے۔ جس کے سامنے تمام منازل ہیچ ہیں۔

اہل بیتؑ طاہرین وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی مودت کو اللہ نے فرض قرار دیا اور ان کی مودت کو اجر رسالت قرار دیا۔ مگر اس کے باوجود بخاری نے ان کے حقوق چھپانے کی کوشش کی اور اس طرح سے خاندان عصمت سے اپنی عداوت کا عملی ثبوت فراہم کیا۔ پوری کتاب کے دوران بخاری کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ جہاں آل محمدؐ کے ذکر کا موقع آیا تو اس نے اس پر خاموشی اختیار کئے رکھی۔ اور جب اغیار کی باری آئی تو خوب دل کھول کر ان کے مناقب لکھے۔

بخاری کو آل محمدؐ سے عداوت تھی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے اپنی پوری کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ جب کہ دیگر اصحاب صحاح نے امام عالی مقامؑ سے روایات نقل کی ہیں۔

بخاری بخوبی جانتا تھا کہ امام جعفر صادقؑ کا تعلق خاندان مصطفیٰؐ کے ساتھ ہے اور طہارت اہل بیتؑ کے لئے اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے۔ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا**۔ اے پیغمبرؐ کا خاندان اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر رجس کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزگی کا حق ہے۔

تعجب ہے کہ جس خاندان عصمت کی تطہیر اللہ نے قرآن میں بیان کی ہے' بخاری کے نزدیک اس خاندان کا سربراہ قابل اعتماد نہیں تھا۔

بخاری کی ناصیت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ جہاں اس نے ایک طرف تو امام جعفر صادق علیہ السلام کو نظرانداز کیا وہاں دوسری طرف خوارج کو قابل اعتماد تصور کرتے ہوئے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خوارج کی مذمت میں بھی متعدد احادیث کو نقل کیا ہے۔ جن میں یہ ذکر کیا گیا کہ خوارج کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں عمران بن حطان خارجی سے روایت نقل کی ہے۔ اور عمران بن حطان وہ ملعون شخص ہے جس نے امیرالمومنینؑ کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کی مدح میں درج ذیل شعر کہے ہیں۔

اور ہم "نقل کفر کفر نباشد" کے تحت انہیں لکھ رہے ہیں:

یاضربۃ من تقی ما اراد بھا — الا لیبلغ من ذ ی العرش رضوانا

انی لاذ کرہ یوما فاحسبہ — اوفی البریۃ عند اللہ میزانا

اکرم یقوم بطون الارض اقبرھم لم یخلطوا د ینھم بغیا وعد وانا
للہ ذ ر المراد ی الذ ی سفکت کناہ فھجتہ شر الخلق انسانا
امسی عشیتہ غشاہ بضربة مما جناہ من الاثام عریانا

اس پرہیزگار شخص کی ضربت کا کیا کہنا جس کا مقصد عرش کے مالک کی رضا حاصل کرنا تھا میں جب اسے یاد کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک اس کے نامہ عمل کا وزن بڑا بھاری ہے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم شکم زمین میں دفن ہونے والے تمام ان لوگوں سے بہتر ہے جنہوں نے اپنے دین میں کسی بغاوت و سرکشی کو شامل نہیں ہونے دیا۔

خدا مرادی کا بھلا کرے اس کے ہاتھوں سے بدترین انسان قتل ہوا ہے۔

جس شب اس نے علیؑ پہ وار کیا تو اسی رات تمام گناہوں سے پاک ہو گیا۔

نعوذ باللہ من ذلک ولعن اللہ قتلتہ امیرالمومنین

واضح ہو کہ مذکورہ اشعار ہم نے دل پر جبر کر کے لکھے ہیں۔ شاید اس ملعون کے انہی اشعار کی وجہ سے بخاری نے اس پر اعتماد کیا اور اسے بھی اپنے رجال کی فہرست میں لے آیا۔

جو شخص امیرالمومنینؑ کے قاتل کی مدح سرائی کرے اور قاتل کو متقی اور امیرالمومنین علیہ السلام کو نعوذ باللہ بدترین شخص تصور کرے تو کیا اس کی جرح کے لئے مزید کسی گواہی کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ ممکن ہے اس مقام پر بخاری کا کوئی ہمدرد یہ عذر لنگ پیش کرے کہ بخاری نے عمران بن حطان خارجی کو ثقہ اور صادق سمجھ کر اعتماد کیا ہے۔ تو ہم اس مقام پر یہ عرض کریں گے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے قاتل کی ثنا خوانی کرنے والا لعین نہ تو ثقہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی صادق کہلانے کا حق دار بن سکتا ہے۔

سرمار کوفتہ بہ

ہمارے پاس اس حقیقت کے شواہد موجود ہیں کہ بخاری نے مشہور کذابین سے بھی روایات نقل کی ہیں۔

بخاری نے عکرمہ مولیٰ عبداللہ بن عباس سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ مذکورہ شخص خارجی تھا اور اس کے خارجی ہونے کی شہادت ابن خلکان اور شہرستانی نے بھی دی ہے۔

خارجیت سے قطع نظر یہ شخص مسیلمہ کذاب کے بھی کان کترتا تھا اور اپنے دور کا

مشہور کذاب تھا۔ علمائے رجال نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے **کان کنوبا یضرب بکنبه** یہ شخص پرلے درجے کا جھوٹا تھا اور جھوٹ میں ضرب المثل تھا۔

ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں ابن عمر نے نافع سے کہا تو مجھ پر اس طرح سے جھوٹ باندھتا ہے جس طرح سے عکرمہ ابن عباس پر جھوٹ باندھتا ہے۔

جبیر بن عبدالحمید' زیاد سے روایت کرتا ہے' اس نے کہا میں علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس گیا تو میں نے وہاں عکرمہ کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو علی ابن عبداللہ نے کہا یہ بدبخت میرے والد عبداللہ بن عباس پر جھوٹ باندھتا ہے۔

ابن سیرین سے عکرمہ کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا مجھے عکرمہ کا جنت میں جانا ناگوار نہیں ہے لیکن وہ کذاب ہے (اسی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا) عطاء اور یحییٰ بن سعید انصاری نے عکرمہ کی تکذیب کی ہے۔

امام مالک نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ عکرمہ کی احادیث کو نہ لکھا کریں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ امام مالک' عکرمہ کے متعلق بری رائے رکھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کسی کو بھی عکرمہ کی حدیث قبول نہیں کرنی چاہئے۔ قاسم کہتے ہیں عکرمہ کذاب ہے صبح کے وقت ایک حدیث بیان کرتا ہے اور شام کے وقت اس کی متضاد حدیث بیان کرتا ہے۔

ابن سعد کہتا ہے' عکرمہ سمندر ہے لوگوں نے اس پر تنقید کی ہے اور اس کی احادیث قابل قبول نہیں ہیں۔

حافظ تہذیب التہذیب میں "**مدخل اسماعیلی**" کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔ ابو ایوب کے پاس عکرمہ کا ذکر چھڑا کہ وہ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھتا۔ یہ سن کر ابو ایوب نے کہا کیا عکرمہ بھی نماز پڑھتا ہے؟ تہذیب میں ہے کہ ایک ہی دن عکرمہ کا اور ایک عورت کا جنازہ اٹھا۔ دونوں جنازے مسجد کے دروازے کے قریب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے لوگوں نے عورت کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ چند سیاہ فام حبشی غلاموں کے علاوہ کسی نے بھی عکرمہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

علمائے رجال کے ان خیالات سے عکرمہ کی صحیح صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ مگر وہ باایں ہمہ بھی رجال بخاری میں شامل ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں سمرہ بن جندب خارجی سے بھی روایات نقل کرنے کا "شرف" حاصل کیا ہے۔

سمرہ بن جندب معاویہ کے دور میں اس کی طرف سے حاکم تھا اور اس نے آٹھ ہزار بے گناہ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ ایک صبح اس نے چالیس حفاظ قرآن کو قتل کیا یہ شخص ناحق خونریزی میں بڑا مشہور تھا۔

امام احمد اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں: سمرہ بن جندب حضرت عمر کے زمانے میں شراب بیچا کرتا تھا۔ ۹۴۔

حضرت عمر نے کہا سمرہ بن جندب نے شراب فروخت کی ہے۔ اللہ سمرہ کو غارت کرے کیا اسے علم نہیں ہے کہ رسولؐ خدا کا فرمان ہے: اللہ یہود پر لعنت کرے اللہ نے ان کے لئے جب چربی کو حرام کیا تو انہوں نے پگھلا کر بیچنا شروع کر دی۔

یہ روایت ز مخشری نے الفائق میں بھی تحریر کی ہے۔ معاویہ نے اسے معزول کیا تو سمرہ نے کہا اللہ معاویہ پر لعنت کرے۔ میں نے جتنی معاویہ کی اطاعت کی ہے اگر اتنی اطاعت اپنے اللہ کی کرتا تو مجھے کبھی عذاب نہ دیتا۔ بخاری نے اپنی صحیح میں مغیرہ بن شعبہ سے بھی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ جب کہ مغیرہ مشہور فاسق اور پرلے درجے کا جھوٹا شخص تھا اور معاویہ کو یزید پلید کی ولی عہدی کا مشورہ دینے والا بھی یہی تھا۔

الغرض بخاری نے اتنے کذابین سے روایات نقل کی ہیں اگر ہم ان کی تفصیل بیان کرنا چاہیں تو اس کے لئے کتاب ہذا ناکافی ہے۔

بخاری کی "دیانت داری" کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اس نے خوارج، مرجہ، نواصب، شراب خور اور کذابین سے روایات نقل کی ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل نہیں کی۔

اہل سنت کے عظیم عالم علامہ ابوبکر بن شہاب الدین پر اللہ کی رحمت ہو۔ انہوں نے بخاری کے اس طرز عمل کی مذمت میں یہ نظم تحریر کی تھی۔

قضیه اشبه بالمرزئه هذا البخاری امام الغبه
بالصاد ق الصد یق ما احتبح فی صحیحه واحتبح بالمرحبه
رمتل عمران بن حطانا و مروان وابن المراة الخاطئه

مشکلة ذات عوار الی حیرة اربابن السنی ملجئه
ان الامام الصادق المجتبی بفضله الدی اتت منبة
اجل من فی عصره رتبة لم یقترف فی عمره سیه
قلامة من ظفر البهامه تعدل من مثل البخاری مئه

دوستو! ایک درد ناک مسئلہ درپیش ہے۔ اہل سنت کے امام بخاری نے امام صادقؑ سے روایت نقل نہیں کی جب کہ اس نے مرجہ سے روایات نقل کی ہیں۔ عمران بن حطان، مروان اور بدکار عورت کے بیٹے سے تو اس نے حدیث کو گوارا کیا ہے یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ اہل عقل کو اس پر ضرور توجہ کرنی چاہئے۔

یقیناً امام صادقؑ بلند ترین شخصیت ہیں اور قرآنی آیات میں ان کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ امام جعفرؑ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی گناہ نہیں کیا۔ امام صادق علیہ السلام کے انگوٹھے سے اترے ہوئے ناخن کا ایک ریزہ بخاری جیسے سو افراد کے برابر ہے۔

بخاری نے اتفاقی طور پر امام صادق علیہ السلام کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنے تعصب اور عداوت آل محمد کی وجہ سے انہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے روایت نقل کی جائے۔ ابن تیمیہ حرانی نے اپنی کتاب منہاج السنہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ بخاری نے امام جعفر صادقؑ سے اس لئے احادیث نقل نہیں کی تھیں کیونکہ بخاری کو یحیٰی بن سعید کی رائے کا علم تھا۔ اور باقی رجال بخاری کی طرح امام جعفرؑ حافظ الحدیث نہیں تھے۔

یحیٰی بن سعید کی امام جعفر صادقؑ کے متعلق کیا رائے تھی؟ اس سوال کا جواب تہذیب التہذیب میں موجود ہے۔

یحیٰی بن سعید قطان سے امام جعفر صادقؑ کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا میرے دل میں ان کے خلاف خدشہ موجود ہے اور ان کی نسبت مجھے مجالد زیادہ محبوب ہے۔

بخاری نے امام علیہ السلام کے متعلق یحیٰی بن سعید کے یہ الفاظ سنے تھے۔ اسی لئے اس نے امام علیہ السلام سے احادیث نقل نہیں کی تھیں۔

اب دیکھیں یہ مجالد کون ہے جسے یحیٰی ناصبی امام جعفر صادقؑ پر ترجیح دیتا تھا یہ مجالد اپنے دور کا مشہور دروغ گو تھا اکثر علمائے رجال نے اس کی **تضعیف** کی ہے۔ بخاری اتنا کند ذہن اور کوڑھ مغز تھا کہ اس نے یحیٰی بن سعید کی جرح کو آیت تطہیر کی تعدیل پر مقدم

رکھا۔ اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ یحییٰ کا قول آیت تطہیر کا ناسخ ہے۔

اذ ا کان الغراب د لیل قوم

احلم د یار الھالکینا

مزید تفصیل کے لئے تہذیب التہذیب کی طرف رجوع فرمائیں۔ بخاری اور ابن تیمیہ کی آل محمدؐ سے عداوت اس حد تک تھی کہ انہوں نے شرابیوں، خوارج اور بے گناہ مسلمانوں کے قاتلوں اور امت کے بدکردار لوگوں کو امام جعفر صادقؑ پر ترجیح دی ہے۔

بخاری کی ناصبیت کی داستان صرف یہیں تک محدود نہیں رہی۔ اس نے اپنی کتاب میں امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی ایک من گھڑت روایت تیار کر کے درج کی ہے۔ اور اپنی ناصیت اور خبث باطنی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس روایت کو اپنی کتاب میں دو مرتبہ لکھا ہے۔

ابوالیمان نے شعیب سے، اس نے زہری سے، اس نے کہا مجھ سے علیؑ بن حسینؑ نے بیان کیا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ نے کہا:

ایک رات رسولؐ خدا میرےؑ اور فاطمہؑ کے گھر آئے اور فرمایا تمؑ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں جب وہ چاہتا ہے تو ہمیں بیدار کر دیتا ہے (ورنہ ہم نماز کے وقت سوئے رہتے ہیں) میرا یہ جواب سنتے ہی حضور کریمؐ مزید کچھ کہے بغیر ہمارے گھر سے چلے گئے۔ اور نکلتے وقت اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہہ رہے تھے کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

اس روایت کے لکھنے سے بخاری کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے اہل بیتؑ عصمت کی عظمت کو کم کیا جا سکے اور مسلمانوں کی نظر میں ان کے بلند مقام کو پست کیا جائے۔ بخاری نے اس روایت سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علیؑ اور حضرت زہراؑ فجر کی نماز نہیں پڑھتے تھے اور رسولؐ خدا انہیں اس پر سرزنش کرنے کے لئے گئے تھے اور جب حضرت علیؑ نے جواب دیا تو یہ جواب پیغمبر اسلامؐ کو اتنا ناگوار گذرا کہ وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور اس جواب پر رانوں کو پیٹنا شروع کر دیا اور کہا کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

علی و بتول علیہما السلام کی سیرت پڑھنے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ یہ ذوات قدسیہ کتنے بڑے نمازی اور شب زندہ دار تھے۔ اور بخاری کی یہ جسارت چاند پر تھوکنے کے

مترادف ہے۔

وہ علیؑ جسے اللہ قرآن میں نفس رسولؐ کہے، وہ زہراؑ جسے رسولؐ رحمت سیدۃ نساء العالمین کا لقب دیں اور جس کے احترام کے لئے آپؐ کھڑے ہو جائیں، ایسی ہستیاں کس طرح سے تارک الصلوٰۃ ہو سکتی ہیں۔

چشم فلک نے ان سے بڑا نمازی نہیں دیکھا۔ انیس ماہ رمضان کو فجر کے وقت علیؑ نے سپیدۂ سحر کو گواہ کر کے کہا تھا۔ اے سپیدۂ سحر گواہ رہنا جب سے میں دنیا میں آیا ہوں میں نے تجھے ابھرتے ہوئے پایا ہے اور تو نے مجھے کبھی سویا ہوا نہیں پایا۔

نجانے وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے بخاری اور اس قبیل کے لوگوں نے آل محمدؐ کی عداوت کو اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔

بخاری اور دوسرے نصاب کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے مناقب آل محمدؐ کی روایات کو ضعیف قرار دینے کی مذموم کوششیں کی ہیں۔ اور اگر کبھی اغیار کے لئے انہیں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی ملی تو انہوں نے اسے بڑی آن بان سے اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ اور ان روایات کے متعلق کبھی بھی یہ سوچنے کی زحمت برداشت نہیں کی کہ مذکورہ روایات ازروئے سند و متن کس قدر ضعیف ہیں۔ یہ لوگ اغیار کی پیروی کرتے وقت یہ بھول گئے کہ اہل بیتؑ طاہرین عدیل قرآن ہیں اور رسولؐ خدا نے ان کے متعلق ضمانت دی ہے کہ وہ کبھی قرآن سے جدا نہیں ہوں گے۔

عداوت آل محمدؐ میں ان لوگوں کو پیغمبر اسلام کی یہ حدیث یاد نہ رہی کہ اہل بیتؑ سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور اہل بیتؑ سے پیچھے نہ رہنا ورنہ ہلاکت۔ تمہارا مقدر بن جائے گی، انہیں پڑھانے کی کوشش نہ کرنا وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔

باب ۹

تائید مذہب حقہ

من الصحاح الستہ و غیرھا من کتب السنہ

سابقہ اوراق میں ہم نے چیدہ چیدہ شیعی عقائد لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ جنہیں ہر صاحب عقل سلیم درست جاننے پر مجبور ہے کیونکہ شیعی عقائد عقل و شرع کے مطابق ہیں۔

عقائد شیعہ کی طرح فقہ و مسائل شرعیہ پر بھی آپ اگر نگاہ ڈالیں گے تو انہیں کتاب و سنتؐ کے مطابق پائیں گے۔

شیعہ فقہ کے صحیح ہونے کا راز اس حقیقت میں مضمر ہے کہ علمائے شیعہ نے مسائل دین کو اپنے قیاس سے حاصل نہیں کیا۔ کیونکہ قیاس دین میں باطل ہے اور قیاس سے صحیح نتیجہ پر پہنچنا بھی دشوار ہے۔ قیاس ہمیشہ شریعت اسلامیہ کے سرچشموں تک پہنچنے سے مانع رہا ہے۔

فقہائے شیعہ نے احکام اسلامی کی بنیاد اہل بیتؑ عصمت کے ان فرامین کو قرار دیا جن کے متعلق انہیں وثوق ہوتا ہے کہ یہ فرامین فی الواقع اہل بیتؑ طاہرین کے ہیں۔

اہل بیتؑ طاہرین کے آراء و نظریات کی اصابت کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسولؐ خدا کے نظریات کا عکس ہیں۔

اور ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے کسی ذاتی تعلق و الفت کی وجہ سے اہل بیتؑ کی پیروی اختیار نہیں کی۔ اس کے لئے جناب رسولؐ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے۔ اور آپؐ نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ اہل بیتؑ شریعت اسلامیہ کے محافظ اور امین ہیں اور ان سے تمسک رکھنے والا گمراہی سے محفوظ رہے گا۔ اہل بیتؑ طاہرین کے دروازے کی رہنمائی پیغمبر

اسلامؐ نے ہی کی ہے اور ہم نے رسولؐ خدا کے فرمان کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں دین کا رہبر مانا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ رسولؐ خدا نے ہمیں غلط دروازہ نہیں دکھایا اور اہل بیت ؑ طاہرین نے ہمیں غلط راہ پر نہیں چلایا۔

مذہب شیعہ کی حقانیت اس قدر مسلم ہے کہ ہمارے مذہب کی تائید کتب اہل سنت سے ہو سکتی ہے۔

و ملیحته شهدت لها فراتها
والفضل ما شهدت به الاعداء

اس فصل میں ہم چند فقہی مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں جس میں مذہب شیعہ کی صداقت کو کتب اہل سنت سے اجاگر کریں گے۔

لیهلک من هلک عن بینته و یحیی من حی عن بینته

پاؤں کا مسح

مذہب شیعہ و سنی کے اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ وضو میں سر کے مسح کے بعد پاؤں دھوئے جائیں یا ان پر مسح کیا جائے شیعہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وضو میں پاؤں کا مسح فرض ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سر کے مسح کے بعد پاؤں دھوئے تو اس کا وضو باطل ہو گا۔ جب کہ برادران اہل سنت کے نزدیک پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں اس مسئلہ کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

سورۂ مائدہ میں اللہ کا فرمان ہے **یا ایها الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم و ایدیکم الی المرافق و امسحوا بروسکم و ارجلکم الی الکعبین**۔ اے ایمان دارو! جب تم نماز کے لئے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کر لیا کرو۔

ار جلکم کی قرأت

بعض معروف قراء کی قرات میں "ار جلکم" کو بکسر لام پڑھا گیا ہے اور اس صورت میں پاؤں کے مسح کے متعلق کسی اشکال کا جواز ہی باقی نہیں رہتا۔

علامہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام لفظ ار جلکم کو لام کی

زیر سے پڑھا کرتے تھے۔۹۵۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ حسنینؑ کریمین قرآن کو اسی طرح سے پڑھتے تھے جس طرح سے ان کے والدینؑ اور نانا جانؐ پڑھا کرتے تھے۔

مذکورہ تفسیر میں دیگر قراء کے علاوہ انس بن مالک کے متعلق لکھا ہے کہ انس بن مالک بھی "ار جلکم" کو زیر سے پڑھا کرتے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربی بھی مذکورہ لفظ پر زیر پڑھا کرتے تھے۔

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"مشہور قراء ابن کثیر، حمزہ، ابو عمرو اور عاصم "ار جلکم" پر زیر پڑھا کرتے تھے۔"

اس کے بعد علامہ موصوف تحریر کرتے ہیں: **اما القراۃ بالجر فھی تقتضی کون الارجل معطوفتہ علی الروس فکما وجب المسح فی الراس فکنلک فی الارجل۔**

"ار جلکم" کی جر کی قرات کے تحت لفظ "ارجل" "روس" کا معطوف قرار پائے گا تو جس طرح سے سر کا مسح فرض ہے اسی طرح سے پاؤں کا بھی مسح فرض ہو گا۔

اب اگر اس مقام پر جر کی یہ تاویل کی جائے کہ یہ "جر جوار" ہے تو یہ باطل ہے جیسا کہ امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں: **ان الکسر بالجوار انما یکون بدون حرف العطف و اما مع حرف العطف فلم تتکلم بہ العرب۔** یعنی جرجوار حرف عطف نہ ہونے کی صورت میں آتی ہے اور حرف عطف کی موجودگی میں عربوں نے اس کے ساتھ تکلم نہیں کیا۔۹۶۔

علم نحو کے مشہور امام کسائی کا قول ہے کہ پورے قرآن میں "جرجوار" کہیں موجود نہیں ہے۔ کلام عرب میں بھی اسے علمائے نحو شاذ قرار دیتے ہیں اور قرآن مجید شواذ سے بہت بلند و بالا ہے۔

اب قرات مشہورہ کے مطابق "ار جلکم" کو زبر کے ساتھ بھی پڑھا جائے تو بھی حکم مسح باقی رہتا ہے کیونکہ اس صورت میں "ارجل" کا لفظ "روس" پر عطف محلی ہو گا۔

اس کے لئے ہم آپ کو پھر تفسیر کبیر کی طرف لئے چلتے ہیں:

واذ اثبت ھذا منقول ظھرانہ یجوز ان یکون عامل النصب فی قولہ (وارجلکم) ھوقولہ (وامسحوا) ویجوز ان یکون ھوقولہ (فاغسلوا) لکن

العاملان اذا اجتمعا على معمول واحد كان اعمال الاقرب اولى فوجب ان يكون عامل النصب فى قوله (ارجلكم) هوقوله (و امسحوا) منثبت ان قراة (وارجلكم) ينصب اللام توجب المسح ايضا فهذا وجه الاستدلال بهذه الايته على وجوب المسح۔

"جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہیں گے کہ (ار جلکم) کو زبر دینے والا عامل (وامسحوا) فعل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عامل (فاغسلوا) ہو۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک مفعول کے لئے دو فعلوں کا تنازعہ ہو تو اس فعل کو عامل مانا جاتا ہے جو زیادہ قریب ہو اور اس لحاظ سے (وار جلکم) کا عامل (وامسحوا) ہی بن سکتا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ لفظ (ار جلکم) پر نصب پڑھنے کی صورت میں بھی صرف مسح ہی مراد لیا جا سکتا ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ اور آپؑ کی اولاد و اہل بیتؑ وضو میں مسح کے قائل تھے اور ابن عباس اور دیگر اکابر صحابہ بھی اس مسئلہ میں امیرالمومنینؑ کے حامی تھے۔

عرض مترجم

حضرت رسول خدا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بھی پاؤں کے مسح کا حکم دیا ہے جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: **منها حديث رفاعته ابن رافع عن النبى عليه الصلوٰة والسلام انه قال لايتم صلاة لاحد حتى ليسبغ الوضوء كما امره الله فيغسل وجهه ويديه الى المرفقين ويمسح براسه ورجليه الى الكعبين۔ حسنه ابو على الطوسى الحافظ و ابو عيسىٰ الترمذى و ابوابكر البزاز و صححه الحافظ ابن حبان و ابن حزم۔**

ایک حدیث رفاعہ بن رافع نے حضور اکرمؐ سے روایت کی ہے آپؐ نے فرمایا:

"کسی شخص کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک وہ اللہ کے حکم کے مطابق وضو نہ کرے پس اپنے منہ کو دھوئے اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھوئے اور اپنے سر اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے۔

اس حدیث کو حافظ ابو علی طوسی اور ابو عیسیٰ ترمذی اور ابوبکر بزاز نے (حسن) کہا ہے حافظ ابن حبان اور ابن حزم نے اسے صحیح کہا ہے۔۹۷۔

امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں **نقل القفال فى تفسيره عن ابن عباس و انس بن مالك و عكرمته والشعبى وابى جعفر محمد بن على الباقر ان الواجب فيهما المسح** قفال اپنی تفسیر میں ابن عباس، انس بن مالک، عکرمہ، شعبی اور امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ وضو میں پاؤں کا مسح فرض ہے۔۹۸۔

انتہیٰ قول المترجم

بسم اللہ کا جزو سورت ہونا

شیعہ نماز میں بسم اللہ پڑھنا واجب سمجھتے ہیں اور وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ سورۂ توبہ کے علاوہ بسم اللہ تمام سورتوں کا جزو ہے۔ تمام ائمہ اہل بیتؑ کا یہی فرمان ہے۔ اس قول کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ انس کہتا ہے:

"ایک دن جناب رسالتؐ ماب ہمارے درمیان موجود تھے آپؐ تھوڑی دیر کے لئے سو گئے پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے پوچھا یا رسولؐ اللہ! کس چیز نے آپؐ کو ہنسایا؟ فرمایا مجھ پر ابھی یہ سورت نازل ہوئی پھر آپؐ نے پڑھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھوالابتر۔۹۹

ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں نعیم بن مجمر سے روایت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کنت وراء ابی ھریرۃ فقراء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ثم قراء بام الکتاب۔

"میں نے ابو ہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد سورت فاتحہ کی تلاوت کی۔ اور اپنی نماز ختم کرنے کے بعد کہا۔ میں رسولؐ خدا کی نماز کی ہو بہو نقل کرتا ہوں۔۱۰۰

معمر بن سلیمان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھ کر سورت فاتحہ کی تلاوت کرتے تھے اور فاتحہ کے بعد دوسری سورت کے لئے پھر علیحدہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے اور کہتے تھے میں اپنے والد کی نماز سے کمی بیشی نہیں کروں گا یعنی میں وہ نماز پڑھوں گا جو میرے والد نے پڑھی تھی۔ اور میرا والد کہتا تھا کہ میں وہی نماز پڑھتا ہوں جو انس پڑھا کرتا تھا اور انس کہتا تھا میں نے وہی نماز پڑھی جو رسولؐ خدا پڑھتے تھے۔

یہ روایت اس امر کی بین دلیل ہے کہ بسم اللہ سورت کا جزو ہے اور نماز کے لئے شرط ہے۔

اس کے علاوہ مسلم نے جو انس سے روایت کی ہے کہ میں نے رسولؐ خدا اور اصحاب ثلاثہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ الحمدللہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے' یہ روایت سابقہ روایت کے منافی نہیں ہے کیونکہ انس کا نہ

سن پانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے سرے سے بسم اللہ شریف کو پڑھا ہی نہیں تھا۔ ممکن ہے انہوں نے سبتا اسے آہستہ پڑھا ہو۔

عرض مترجم

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر در منشور میں لکھتے ہیں: **واخرج الدار قطنی والحاکم والبیهقی عن ابی هریرة قال کان رسول الله یجهر ببسم الله الرحمن الرحیم** ابو ہریرہ کہا کرتے تھے کہ رسولؐ خدا نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرتے تھے۔۱۰۱ھ

امام فخر الدین رازی نے بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کے لئے بہت سے دلائل دیئے ہیں تیسری دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: **ان الاخفاء والسر لایلیق الابما یکون فیه عیب و نقصان فیخفیه الرجل ویسره، لئلا نیکشف ذلک العیب۔ اما الذی یفید اعظم انواع الفخر والفضیلته والمنقبته فکیف یلیق بالعقل اخفاؤه ومعلوم انه لا منقبة للعبد اعلی واکمل من کونه ذاکرالله بالتعظیم ولهذا قال علیه السلام "طوبی لمن مات ولسانه رطب من ذکر الله" وکان علی بن ابی طالب علیه السلام یقول: یامن ذکره شرف للذاکرین ومثل هذا فکیف یلیق بالعاقل ان یسعی فی اخفائه؟ ولهذا السبب نقل ان علیارضی الله عنه کان مذهبه الجهر بسم الله الرحمن الرحیم فی جمیع الصلوات، واقول ان هذه الحجة قویة فی نفسی راسخة فی عقلی لاتزول البتة بسبب کلمات المخالفین۔**

الحجة الرابعة ماروا ه الشافعی باسناده ان معاویة قدم المدینة فصلی بهم ولم یقراء بسم الله الرحیم الرحیم ولم یکبر عندالخفض الی الرکوع والسجود فلما سلم ناداه المهاجرون والانصار یا معاویة سرقت منا الصلاة این بسم الله الرحمن الرحیم واین التکبیر عندالرکوع والسجود ثم انه اعادالصلاة مع التسمیة والذکر... الحجة الخاسة روی البیهقی فی السنن الکبیر عن ابی هریرة قال: کان رسول الله یجهر بسم الله الرحمن الرحیم ثم ان الشیخ البیهقی روی الجهر عن عمر بن الخطاب و ابن عباس و ابن عمر و ابن الزبیر، واما ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه کان یجهر بالتسمیة فقد ثبت بالتواتر ومن اقتدی فی دینه بعلی ابن ابی طالب فقد اهتدی، والدلیل علیه قوله علیه السلام اللهم ادر الحق مع علی حیث دار الہ ہمیشہ انسان اس چیز کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے جس کے اظہار میں کوئی عیب اور نقصان ہوتا کہ عیب چھپا رہے۔ اور جو چیز بہت بڑے فخر اور فضیلت کا موجب ہو اس کا چھپانا اہل عقل کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ اور انسان کی اس سے بڑھ کر منقبت کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کے عظیم نام کا ذکر کرے اسی وجہ سے رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے خوش خبری ہو اس شخص کے لئے کہ جب اسے موت آئے تو اس کی زبان اللہ کے ذکر میں مشغول ہو۔ اور حضرت علی علیہ السلام کہا کرتے تھے۔ اے وہ ذات جس کا ذکر، ذاکرین کے لئے باعث شرف ہے۔ جب ذکر خدا انسان کی عظمت کا موجب ہے تو عقل مند کو اس کے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟

یہی سبب ہے کہ حضرت علیؑ اپنی تمام نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ میں (رازی) کہتا ہوں یہ حجت میرے دل میں مضبوط ہے اور میری عقل میں راسخ ہے جو مخالفین کی گفتگو سے

زائل نہیں ہو سکتی۔

چوتھی دلیل : امام شافعی اپنے اسناد سے بیان کرتے ہیں: معاویہ مدینہ آیا اور اہل مدینہ کو نماز پڑھائی۔ نماز میں اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھی اور رکوع اور سجدہ میں جانے کے وقت تکبیر بھی نہ کہی۔ جب سلام پھیر کر فارغ ہوا تو مہاجرین و انصار نے اسے پکار کر کہا معاویہ تو نے ہماری نماز چوری کی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہاں ہے؟ رکوع و سجود کے وقت کی تکبیر کہاں ہے؟ آخرکار معاویہ کو دوبارہ نماز پڑھنی پڑی جس میں اس نے بسم اللہ اور تکبیر پڑھی...

پانچویں دلیل : بیہقی نے سنن کبیر میں ابوہریرہ سے روایت کی' وہ کہتے ہیں رسولؐ خدا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ شیخ بیہقی نے عمر بن خطاب' ابن عباس' ابن عمر اور ابن زبیر کے متعلق بھی لکھا ہے کہ یہ بزرگ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے متعلق تواتر سے ثابت ہے کہ وہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اور جس نے اپنے دین میں علیؑ کی پیروی کی اس نے ہدایت پائی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: خدایا حق کو ادھر پھیر جدھر علی پھرے۔۱۰۲؎

انتہی قول المترجم

نماز میں آمین کہنا

لفظ آمین کا پڑھنا کسی بھی اسلامی فرقے کے نزدیک قبولیت نماز کی شرط نہیں ہے۔ اور کوئی بھی فرقہ اس کے وجوب کا قائل نہیں ہے۔ اہل سنت حضرات اس کا پڑھنا جائز سمجھتے ہیں جب کہ فقہ شیعہ میں اس کے پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

جناب رسالت مابؐ کے فرمان سے بھی مذہب شیعہ کی تائید ہوتی ہے معاویہ بن الحکم السلمی کہتا ہے میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے سنا: ہماری نماز میں لوگوں کا کلام صحیح نہیں ہے۔ نماز تو صرف تسبیح' تہلیل اور تحمید اور قرات قرآن کا نام ہے۔۱۰۳؎

لفظ آمین کے متعلق تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث شریف کے مطابق اسے چھوڑ دینا چاہئے۔

عرض مترجم

اہل بیتؑ طاہرین آمین پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے جیسا کہ شوکانی لکھتے ہیں: **مکی المہدی فی البحر من العترة جمیعا ان التامین بدعته وقد استدل علی ان التامین بدعته بحدیث معاویته بن الحکم** مہدی اپنی کتاب (البحر) میں لکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ طاہرین کا اجماع ہے کہ آمین کہنا بدعت ہے اور آمین کے بدعت ہونے کی دلیل معاویہ بن الحکم کی حدیث ہے۔۱۰۴؎

موزوں پر مسح

شیعہ موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے وہ کھلے پاؤں پر مسح کرنے کے قائل ہیں۔
شیعہ مسلک کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جنہیں امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ پاؤں کے تلوے پر مسح کرنا زیادہ صحیح ہے یہاں تک کہ میں نے رسولؐ خدا کو پاؤں کے بیرونی حصے پر مسح کرتے دیکھا۔۱۰۵۔

دعائے قنوت

اہل سنت رکوع کے بعد قنوت پڑھتے ہیں جب کہ شیعہ رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔ شیعہ عمل کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو اس نے انس سے روایت کی ہے۔ رسولؐ خدا نے ستر افراد کی جماعت کو ایک مہم کے لئے روانہ فرمایا۔ ان افراد کو قراء کہا جاتا تھا۔ ایک کنوئیں کے نزدیک بنی سلیم، رعلؑ اور ذکوان قبیلے کے لوگ ان کے سامنے آئے اس جگہ کا نام بئر معونہ تھا۔

صحابہ کی جماعت نے ان سے کہا ہم تم سے لڑنے کی غرض سے نہیں آئے۔ ہم تو رسولؐ خدا کے کسی کام کے لئے یہاں سے گذر رہے ہیں۔ مگر کافروں نے انہیں شہید کر ڈالا اس کے بعد رسولؐ خدا نماز صبح میں پورا مہینہ انہیں بددعا دیتے رہے اور یہیں سے قنوت کی ابتداء ہوئی۔ ورنہ اس سے پہلے ہم قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

عبدالعزیز نے کہا ایک شخص نے انس سے پوچھا کہ رسولؐ خدا نے دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی تھی یا قرات کے بعد پڑھی تھی؟ انس نے کہا نہیں قرات سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی تھی۔۱۰۶۔ صحیح بخاری کی پہلی جلد میں عاصم سے روایت ہے۔ اس نے مالک سے قنوت کے متعلق پوچھا۔ مالک نے کہا جی ہاں قنوت ہوتی تھی پھر میں نے کہا رکوع سے پہلے یا بعد؟ مالک نے کہا پہلے۔

میں نے کہا مجھے فلاں آدمی نے آپ کے متعلق روایت کی کہ آپ کہتے ہیں کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنی چاہئے۔ یہ سن کر مالک نے کہا۔ اس نے جھوٹ بولا۔۱۰۷۔

تکبیرات جنازہ

شیعہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہتے ہیں۔ اس کی تائید مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے: زید چار تکبیر جنازہ میں پڑھا کرتے تھے پھر انہوں نے ایک جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھیں۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا رسولؐ خدا جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔۱۰۸

عرض مترجم

جنازہ میں پانچ تکبیروں کی علت کے متعلق فروع کافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا پانچ تکبیر نماز جنازہ کی علت غائی کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا **ورد من کل صلاۃ تکبیرۃ** ہر نماز کے بدلے جنازے میں ایک تکبیر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ نمازیں پانچ تھیں اسی وجہ سے جنازے کی تکبیریں بھی پانچ ہیں۔

رسولؐ خدا اہل ایمان پر ہمیشہ پانچ تکبیر نماز جنازہ ہی پڑھتے تھے۔ اس کے لئے فروع کافی کی درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی عبدالله قال کان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم اذا صلی علی میت کبرو تشهد ثم کبر ثم صلی علی الانبیاء و دعا ثم کبرو دعا للمومنین ثم کبر الرابعة ودعا للمیت ثم کبرو انصرف فلما نهاه الله عزوجل عن الصلاة علی المنافقین کبرو تشهد ثم کبر وصلی علی النبین صلی الله علیهم ثم کبرو د عا للمومنین ثم کبرالرابعته وانصرف ولم یدع للمیت۔

"امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جنازہ کے متعلق رسولؐ خدا کا طرز عمل یہ تھا کہ نیت کر کے تکبیر کہتے تھے اور تشہد پڑھتے تھے پھر تکبیر کہتے اور انبیاء و مرسلین پر درود بھیجتے تھے پھر تکبیر کہتے اور مومنین کے لئے دعا مانگا کرتے تھے پھر چوتھی تکبیر کہتے تھے اور میت کی مغفرت کے لئے دعا مانگتے تھے۔ پھر آخری تکبیر کہہ کر نماز جنازہ ختم کر دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رسولؐ خدا کو منافقین کی دعائے مغفرت سے روکا تو آپؐ تکبیر کہتے اور تشہد پڑھتے پھر تکبیر کہہ کر انبیاء و مرسلین پر درود بھیجتے پھر تکبیر کہہ کر مومنین کی مغفرت کی دعا کرتے تھے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر نماز ختم کر دیتے تھے اور اس مرنے والے کے لئے دعا نہیں مانگا کرتے

تھے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس عمل کے ذریعے مومن اور منافق کی پہچان ہو جاتی تھی۔ **کان رسول اللہ یکبر علی قوم خمسا وعلی قوم اخرین اربعا فانا کبر علی رجل اربعا اتم یعنی بالنفاق۔**

رسول خدا علیہ الصلواۃ والسلام کچھ لوگوں پر پانچ تکبیریں نماز جنازہ پڑھتے تھے اور کچھ لوگوں پر چار تکبیر نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ جب کبھی کسی پر چار تکبیر نماز جنازہ پڑھتے تو لوگوں کو علم ہو جاتا تھا کہ مرنے والا منافق تھا۔۱۰۹۔ تمام مسلمانوں کے لئے چار تکبیروں پر حضرت عمر نے اجماع کرایا تھا۔۱۱۰۔ ورنہ حضور کریمؐ کے زمانے میں مومن کے لئے پانچ اور منافق کے لئے چار تکبیریں تھیں۔

مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت

آج کل اہل سنت مسجد میں ہی جنازہ پڑھنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جب کہ شیعہ امامیہ مسجد میں جنازہ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ مذہب شیعہ کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ بی بی عائشہ نے سعد بن ابی وقاص کی میت کو مسجد لانے کا حکم دیا اور کہا کہ اس کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی جائے۔ لوگوں کو یہ بات ناگوار گذری تو بی بی عائشہ نے کہا لوگوں کو یہ بات کتنی جلدی بھول گئی ہے کہ رسولؐ خدا نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی تھی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ درج ہیں کہ لوگوں نے اس عمل پر اعتراض کیا اور کہا میت کو مسجد میں نہیں لے جانا چاہئے۔ بی بی عائشہؓ نے ان کے جواب میں مذکورہ واقعہ کا حوالہ دیا۔

قارئین کرام کو علم ہے کہ اعتراض کرنے والے بھی اصحاب رسول تھے اور ان کے اعتراض کا مقصد اس عمل کو مکروہ قرار دینا تھا اور بی بی عائشہؓ کی روایت سے بھی اس کی عدم حرمت ثابت ہوتی ہے۔

اگر نماز جنازہ مسجد میں افضل ہوتی تو صحابہ کرام اس عمل کو ناگوار نہ سمجھتے۔

نماز کے اختتام پر تکبیر کہنا

شیعہ اپنی نماز کو ہمیشہ تکبیر پر ختم کرتے ہیں۔ اور اس عمل کی تائید مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں۔ رسولؐ خدا کی نماز کا اختتام تکبیر پر ہوتا تھا۔ اود تکبیر سن کر ہمیں علم ہو جاتا تھا کہ نماز ختم ہو گئی ہے۔

عمر بن دینار، ابو معبد مولیٰ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے اسے بتایا رسولؐ خدا کی نماز کے اختتام کا علم ہمیں تکبیر سے ہوتا تھا۔۱۱۱

جمع بین الصلاتین

شیعہ یہ سمجھتے ہیں کہ نمازوں کو علیحدہ پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جمع کرنا بھی جائز ہے۔ اور جمع کے لئے سفر و حضر کی کوئی شرط نہیں ہے جب کہ اہل سنت صرف بارش یا سفر کے وقت ہی جمع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ امام احمد کا مذہب اس سلسلہ میں بڑا معتدل ہے۔ امام احمد جمع بین الصلاتین کو صرف بارش کے وقت ہی جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے فتویٰ کے مطابق کیچڑ، سخت ٹھنڈی ہوا یا کسی بھی ضرورت کے لئے جمع کرنا جائز ہے۔

مذہب شیعہ کی تائید رسولؐ خدا کے عمل سے ہوتی ہے۔ کیونکہ رسولؐ خدا نے سفر و حضر میں کسی مجبوری کے بغیر بھی نماز جمع کر کے پڑھی ہے۔

سفر کے متعلق بخاری کی روایت ملاحظہ فرمائیں۔

سالم، عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے رسولؐ خدا کو دیکھا جب انہیں سفر کی جلدی ہوتی تھی تو نماز مغرب کو موخر کر دیتے تھے پھر مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

سالم نے کہا، عبداللہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے تھے۔۱۱۲

ابن عباس کہتے ہیں۔ جب رسولؐ خدا نے کہیں جانا ہوتا تو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔۱۱۳

حضر میں جمع بین الصلاتین کے جواز کے متعلق امام مسلم کی روایت ہمارے مذہب کی مئوید ہے۔

سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے بغیر کسی خوف اور بارش کے ظہرو عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔

ابو زبیر نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ابو زبیر نے کہا میں نے سعید سے پوچھا کہ رسولؐ خدا نے ایسا کیوں کیا تھا؟ سعید نے کہا جس طرح سے تو نے مجھ سے پوچھا' میں نے بھی ابن عباس سے یہی پوچھا تھا۔ تو ابن عباس نے کہا تھا۔ رسولؐ خدا نے دو نمازوں کو کسی مجبوری کے بغیر اس لئے پڑھا تھا تاکہ امت کے لئے آسانی پیدا کی جا سکے۔۱۱۴۔

بخاری نے سعید بن جبیر سے' اس نے ابن عباس سے روایت کی۔ جناب رسولؐ خدا نے مدینہ میں بغیر کسی خوف اور بارش کے ظہرو عصر کو جمع کر کے پڑھا اور مغرب و عشاء کو بھی جمع کر کے پڑھا عبداللہ بن شفیق راوی ہیں: ایک دن عصر کے بعد ابن عباس نے ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا اور تارے نکل آئے لوگوں نے نماز نماز کا شور مچا دیا بنی تمیم کے ایک شخص نے نماز نماز کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ ابن عباس نے کہا تیری ماں مرے۔ کیا تو مجھے سنت نبویؐ کی تعلیم دینا چاہتا ہے میں نے رسولؐ خدا کو ظہرو عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھتے دیکھا ہے عبداللہ بن شفیق کہتا ہے یہ بات میرے دل میں کھٹکتی تھی۔ میں ابو ہریرہ کے پاس گیا تو اس نے ابن عباس کے قول کی تصدیق کی۔

جمع بین الصلاتین کی سہولت کی وجہ سے دوسرے مذاہب کی نسبت شیعہ افراد زیادہ نمازی ہیں۔

عرض مترجم

جمع بین الصلاتین کے مزید ثبوت کے لئے موطا امام مالک کی طرف رجوع کریں۔

علامہ وحید الزمان **ہدایۃ المہدی** میں تحریر کرتے ہیں **الجمع بین الصلاتین من غیر عذر ولا سفر ولا مطر جائز عند اھل الحدیث والتفریق افضل** یعنی جمع بین الصلاتین کسی عذر' سفر اور بارش کے بغیر اہل حدیث کے نزدیک جائز ہے اور الگ پڑھنا افضل ہے۔

انتہی قول **المترجم**

نماز قصر

مذہب شیعہ کے مطابق جب کوئی شخص سفر کرے اور وہ کسی معصیت کے لئے بھی نہ

ہو اور سفر میں دس دن قیام کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ تو اس پر نماز قصر پڑھنا واجب ہے۔

قصر کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کثیر السفر نہ ہو اور سفر کرنا اس کا پیشہ نہ ہو مثلاً وہ ڈرائیور، ملاح اور ڈاکیا نہ ہو۔

قصر کے لئے سفر کا آٹھ فرسخ ہونا ضروری ہے خواہ آٹھ فرسخ یکطرفہ ہو یا دو طرفہ ہو جب کہ اہل سنت کے نزدیک مسافر کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا سفر تین دن کا ہو۔ اگر اس کا سفر تین دن سے کم ہو تو اسے قصر نہیں کرنی چاہئے۔

مذہب شیعہ کی تائید مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

انس کہتا ہے رسولؐ خدا نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھی اور ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعت نماز پڑھی۔

امام مسلم، سالم بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں دو رکعتیں پڑھیں پھر انہوں نے قصر چھوڑ کر پوری نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔۱۱۵

ابن عمر سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

حفص بن عمر نے کہا رسولؐ خدا نے منیٰ میں قصر نماز پڑھی اور ابوبکر نے بھی قصر نماز پڑھی اور عثمان نے آٹھ یا چھ برس تک قصر نماز پڑھی۔

حفص نے کہا ابن عمر منیٰ میں دو رکعات پڑھ کر اپنے بستر پر آ جاتے تھے۔

میں نے کہا چچا جان اگر آپ دو رکعتیں اور پڑھ لیتے تو کیا حرج تھا؟ ابن عمر نے کہا اگر میں ایسا کرتا تو میری نماز پوری ہوتی۔ (جب کہ اس مقام پر قصر پڑھنی ہے) مسلم، عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان نے ہمیں منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی۔ جب عبداللہ بن مسعود کو یہ بتایا گیا، تو انہوں نے **انا للہ وانا الیہ راجعون** کی تلاوت کی۔ ابن مسعود نے کہا میں نے پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ میں نے ابوبکر صدیق کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ میں نے عمر بن خطاب کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ چار رکعتوں کے بدلے مجھے دو مقبول رکعتیں ہی نصیب ہو جائیں۔۱۱۶

بخاری نے ابو مرہ سے' اس نے عائشہ سے روایت کی ہے۔ نماز پہلے پہل دو رکعت ہی فرض تھی۔ مسافر کے لئے وہی دو رکعتیں ہی باقی رہیں اور مقیم کے لئے نماز کو کامل کیا گیا۔ زہری کہتے ہیں میں نے عروہ سے پوچھا پھر عائشہ پوری نماز کیوں پڑھ رہی ہیں؟ عروہ نے کہا' اس نے بھی وہی تاویل کر لی ہے جو عثمان نے کی تھی۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں حضرت عثمان نے ہی سب سے پہلے پوری نماز پڑھی تھی اور اس کی دیکھا دیکھی بی بی عائشہؓ نے بھی پوری پڑھنی شروع کر دی تھی ورنہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ قصر پڑھا کرتے تھے۔

حی علی خیرالعمل

نماز کے افضل ترین عمل ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے جناب رسولؐ خدا اور عترتؑ طاہرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مسلم' عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا سے پوچھا: کون سا عمل افضل ہے؟

آپؐ نے فرمایا' وقت پر نماز ادا کرنا سب سے افضل عمل ہے۔

پھر میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟

آپؐ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔۱۷۷۔

نماز کی اسی اہمیت کے اظہار کے لئے رسولؐ خدا نے اپنے دور حیات میں اذان میں حی علی خیرالعمل کو جاری کرایا تھا۔ اور یہ لفظ حضور کریمؐ کی پوری زندگی اور حضرت ابوبکر کے ایام خلافت میں رائج رہا۔

جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو انہوں نے اس لفظ کو اپنے سرکاری حکم کے تحت بند کرا دیا اور ان کی دلیل یہ تھی کہ جب تک مؤذن کی صدا میں روزانہ پانچ دفعہ نماز کو خیرالعمل کہا جاتا رہے گا' اس وقت تک لوگ صرف نماز کی طرف متوجہ رہیں گے اور جہاد کے لئے آمادہ نہ ہوں گے۔

علامہ قوشجی الاشعری شرح تجرید میں تحریر کرتے ہیں:

ان عمر قال ثلاث کن فی عهد رسول الله صلی الله علیه واله وسلم وانا انهی عنهن واحر مهن و اعاقب علیهن۔ متعة النسا ومتعة الحج وحی علی خیر العمل۔

"حضرت عمر نے اعلان کیا' تین چیزیں رسولؐ خدا کے عہد میں رائج تھیں۔ میں ان سے منع کرتا ہوں اور انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دوں گا۔(۱) متعۃ النساء ۲۔ متعۃ الحج ۳۔ حی علی خیرالعمل۔ حضرت عمر کا امتناعی حکم ان کے پیروکاروں کو مبارک ہو۔ ہماری نظر میں دین اتباع رسولؐ مقبول کا نام ہے۔ اسی لئے قوم شیعہ نے اس حکم امتناعی کی کبھی پرواہ نہیں کی اور آج تک اپنی اذان میں سنت پیغمبرؐ کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ اور ائمہؑ طاہرین کے علاوہ بہت سے اکابر صحابہ اپنی اذان میں حی علی خیرالعمل کہتے تھے۔

حلبی اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ ابن عمر حی علی خیرالعمل کو جزو اذان سمجھتے تھے۔۱۱۸۔

نماز میں طمانیت

مذہب شیعہ کے مطابق نماز میں طمانیت فرض ہے۔ اور بخاری و مسلم کی ان احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم دوبارہ نماز پڑھو تو نے دراصل نماز ہی نہیں پڑھی۔ آپؐ نے اپنے الفاظ کا تین بار اعادہ فرمایا۔ اس شخص نے کہا یا رسولؐ اللہ مجھے اس سے بہتر نماز پڑھنی نہیں آتی۔ آپؐ مجھے نماز تعلیم فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا: جب مصلیٰ پر کھڑے ہو جاؤ تو تکبیر کہو۔ اس کے بعد جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو' پڑھو۔ پھر پورے اطمینان و سکون سے رکوع بجا لاؤ۔ پھر رکوع سے سر اٹھا کر اچھی طرح سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر مکمل اطمینان سے سجدہ کرو۔ اور سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھو۔ اور پوری نماز اسی طرح سے پڑھو۔۱۱۹۔

مسلم نے بی بی عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے جو اس روایت کی مؤید ہے اس میں رسولؐ خدا کی نماز کے متعلق بی بی عائشہؓ نے وضاحت کی ہے: رسولؐ خدا نماز کی ابتداء تکبیر اور سورت فاتحہ کی تلاوت سے کرتے تھے اور رکوع کرتے وقت اپنی نگاہ درمیان میں رکھتے تھے اور جب رکوع سے اٹھتے تو سیدھے سجدہ

میں نہیں چلے جاتے تھے بلکہ رکوع کے بعد اچھی طرح سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہر دوسری رکعت میں تشہد پڑھتے تھے' اپنا بایاں پاؤں پھیلاتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔ رسولؐ خدا نے درندوں کی طرح پاؤں پھیلانے سے منع فرمایا ہے آپؐ سلام کے ساتھ نماز ختم کرتے تھے۔۱۲۰۔

سفر میں روزہ رکھنا

اہل سنت سفر میں روزہ اور افطار دونوں جائز سمجھتے ہیں۔ البتہ افطار کی بہ نسبت روزہ رکھنے کو بہتر جانتے ہیں۔ اور بزعم خویش قرآن مجید کی آیت (وان **تصوموا خیرلکم**) کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں۔ جبکہ مذہب جعفریہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر میں روزہ باطل ہے۔ جہاں تک آیت مجیدہ سے استدلال کا تعلق ہے تو اہل بیتؑ طاہرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے مخاطب بوڑھے افراد ہیں' مسافر نہیں ہیں۔

صحیح مسلم کی ان احادیث کو پڑھیں۔ یہ دونوں احادیث مذہب شیعہ کی مؤید ہیں۔ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں فتح مکہ کے لئے رسولؐ خدا نے ماہ رمضان میں سفر کیا اور مدینہ سے روزہ رکھ کر روانہ ہوئے۔ اور حضورؐ کے اصحاب بھی حالت روزہ میں تھے جب آپؐ کراع الغیم کے مقام پر پہنچے تو پانی کا جام طلب کیا اور اسے بلند کیا یہاں تک کہ سب لوگوں نے اسے دیکھا پھر آپؐ نے پانی پیا۔ اس دن کے بعد حضور کریمؐ کو یہ بتلایا گیا کہ اس دن چند لوگوں نے روزہ افطار نہیں کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں۔

جابر کہتے ہیں رسولؐ خدا ایک سفر میں تھے آپؐ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کے اردگرد لوگ اکٹھے تھے اور اس پر سایہ بنایا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا' اس شخص کو کیا ہوا ہے؟ تو آپؐ کو بتلایا گیا کہ یہ شخص حالت روزہ میں ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث انس سے بھی مروی ہے۔ اس نے کہا: ہم حضور اکرمؐ کے ساتھ سفر کر رہے تھے ہم میں سے کچھ افراد کا روزہ نہیں تھا اور کچھ حالت روزہ میں تھے سخت گرم دن میں ہم نے ایک جگہ قیام کیا۔ تو چادر

کے سائے کو بھی ہم بہت سمجھ رہے تھے۔ اور ہم میں بعض افراد ایسے بھی تھے جو اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو دھوپ سے بچانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اس شدید گرمی کی وجہ سے روزہ دار گر پڑے اور جنہیں روزہ نہیں تھا' انہوں نے خیمے نصب کئے' سواریوں کو پانی پلایا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا' اس دن کا ثواب وہ لے گئے جنہیں روزہ نہیں تھا۔۱۲۱

خمس

مذہب شیعہ کے مطابق ہر مکلف پر خمس کی ادائیگی فرض ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

واعلموا انما غنمتم من شی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین و ابن السبیل ان کنتم امنتم بالله وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعن والله علی کل شی قدیر

"اور جان لو جو کچھ تم مال لوٹو تو اس میں کا پانچواں حصہ مخصوص خدا اور رسولؐ اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس (غیبی امداد) پر ایمان لا چکے ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر فیصلہ کے جنگ کے دن (جنگ بدر میں) نازل کی تھی' جس دن مسلمانوں اور کافروں کی دو جماعتیں باہم گتھ گئی تھیں اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خمس میں رسولؐ خدا کے قرابت داروں کا ایک حصہ مخصوص کیا ہے۔

جبکہ اہل سنت ذی القربی کو خمس دینے کے قائل نہیں ہیں۔ انہوں نے اس حق کو ختم کر دیا ہے اور سادات و غیر سادات کا امتیاز باقی نہیں رکھا۔

جناب رسولؐ خدا اپنی حیات طیبہ میں اپنے اہل بیت کے لئے خمس میں سے ایک حصہ مخصوص رکھتے تھے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد نے ابی لیلیٰ سے نقل کی ہے وہ کہتا ہے میں امیر المومنین علیؑ کو یہ کہتے سنا: میںؑ اور فاطمہ زہراؑ اور عباس اور زید بن حارثہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور میرے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ اندریں حالات

اگر آپؐ مناسب سمجھیں تو میرے لئے فلاں فلاں چیزوں اور اتنے غلہ کا حکم صادر فرمائیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا ہم ایسا ہی کریں گے۔

زید بن حارثہ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپؐ نے مجھے کچھ زمین عنایت کی تھی جس سے میری گذر اوقات ہو جاتی تھی۔ پھر آپؐ نے مجھ سے وہ زمین واپس لے لی۔ اب اگر آپؐ مناسب سمجھیں تو وہ زمین مجھے واپس کر دیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا ہم ایسا ہی کریں گے۔

پھر میںؑ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اگر آپؐ مناسب سمجھیں تو مجھے ہمارے اس حق کا نگران مقرر کر دیں جو اللہ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔ اسے میں آپؐ کی زندگی میں تقسیم کروں گا۔ تاکہ آپؐ کے بعد کوئی شخص اس حق کے لئے مجھ سے جھگڑا نہ کرے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا' ہم ایسا ہی کریں گے۔

پھر رسولؐ خدا نے مجھےؑ اس مال کا نگران مقرر فرمایا اور میںؑ آپؐ کی حیات طیبہ میں اسے تقسیم کیا کرتا تھا۔

حضور کریمؐ کے بعد ابوبکر نے بھی مجھےؑ اس مال کا نگران بنایا۔ میں نے اسے تقسیم کیا۔

عمر نے بھی مجھےؑ نگران بنایا تو میں اسے تقسیم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا آخری سال آیا تو اس نے مجھؑ سے نگرانی واپس لے لی کیونکہ اس کے پاس بہت سا مال آیا تھا۔ ۱۲۲۔

الحاصل۔ خمس ارکان دین میں سے ایک رکن ہے اور حضور کریمؐ ہمیشہ اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری نے صحیح میں لکھا ہے:

رسول خداؐ نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کے بجا لانے کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں۔ تمہیں اللہ پر ایمان لانے یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم دیتا ہوں۔ اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور ماہ رمضان کے روزوں اور غنائم میں سے خمس ادا کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

تین طلاقیں

شیعہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہیں' تو طلاق تو یقیناً واقع ہو گی۔

لیکن صرف ایک طلاق شمار ہو گی۔

اس مسئلہ کے لئے صحیح مسلم کی درج ذیل روایات مذہب شیعہ کی موید ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا اور حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں بیک وقت دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ عمر بن خطاب نے کہا جس کام میں آہستہ روی کی ضرورت تھی لوگوں نے اس میں جلدی کرنا شروع کی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اس طلاق کو موثر قرار دیں۔ پھر انہوں نے اس طلاق کو مؤثر قرار دیا۔

طاؤس سے روایت ہے کہ ابوالصہبا نے ابن عباس سے کہا: یہ بتائیں کیا رسولؐ خدا اور ابوبکر کے زمانے میں تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار نہیں کیا جاتا تھا؟

ابن عباس نے کہا جی ہاں' ایسا ہی تھا لیکن جب عمرؓ کا دور خلافت آیا تو لوگوں نے طلاق میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا۔ تو یہ دیکھ کر عمرؓ نے اس طلاق کو مؤثر بنا دیا۔ ۱۲۳۔

مذہب شیعہ میں طلاق کے لئے عورت کا حیض سے پاک ہونا شرط ہے۔

اس مسئلہ کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دی رسولؐ خدا نے رجوع کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ عورت کو حیض آئے اور اس کے حیض سے پاک ہونے کا انتظار کرے۔ پھر اگر طلاق دینا چاہو تو اس "طہر" میں مقاربت کئے بغیر طلاق دو۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا یہ طریقہ مقرر کیا ہے۔

ہم نے تائید مذہب حقہ کے لئے صحاح میں سے چند حوالہ جات نقل کئے ہیں اگر رسالہ کو مختصر رکھنا مقصود نہ ہوتا تو بہت زیادہ حوالہ جات پیش کرتے لیکن اس اختصار کے ساتھ بھی ہمیں انصاف پسند قارئین سے توقع ہے کہ وہ ان حقائق کو کافی سمجھیں گے اور اس سے انہیں صراط مستقیم تک پہنچنے میں آسانی رہے گی۔

میں نے اس مختصر رسالہ کے ذریعے سے مذہب حقہ کی حقیر سی خدمت کی کوشش کی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان سطور کے ذریعے سے اپنے محترم قارئین کے سامنے مذہب شیعہ کے بنیادی خدوخال اجاگر کرنے میں کامیاب ہوا ہوں اس رسالہ کے ذریعے سے قارئین کرام مذہب شیعہ کے صحیح عقائد اور مذاہب اربعہ کے ساتھ اس کے تقابلی مطالعہ کے قابل ہو سکیں گے۔ اور آخر میں میری اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ میرے اس حقیر سے عمل کو اپنی شان کریمی سے منظور فرمائے۔ بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔

والحمدللہ اولا واخرا والصلاۃ والسلام علی محمد والہ الطیبین الطاہرین

باب ۱۰

حوالہ جات

۱- شیعہ عقیدہ میں اللہ کو "مصدر شر" تصور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ "بیدک الخیر" کی قرآنی دعا کے تحت اللہ کو مصدر خیر سمجھا جاتا ہے۔ (مترجم)

۲- اس اختلاف سے آج کل کی سر پھٹول مراد نہیں ہے۔ معصومین نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ امت کا بار بار ہمارے پاس آنا رحمت ہے۔ (مترجم)

۳- قابل اعتماد مذاہب فقیہ یہ ہیں: مالکیہ، حنفیہ، امامیہ، شافیعہ، حنابلہ، اباضیہ، زیدید اور ظاہریہ۔

۴- اس مقام پر علامہ موصوف نے امیرالمومنین کے خطبہ کی بالمعنی روایت کی ہے۔ ورنہ نہج البلاغہ میں یہ الفاظ اس طرح سے وارد ہیں۔

فمن وصف اللہ سبحانہ فقد قرنہ ومن قرنہ فقد ثناہ ومن ثناہ وقد جزاہ ومن جزاہ فقد جھلہ و من جھلہ فقد اشار الیہ ومن اشار الیہ وقد حدہ ومن حدہ وقد عدہٗ الخ

لہذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے تو اس نے ذات کے علاوہ ایک دوسرا ساتھی مان لیا۔ اور جس نے اس کی ذات کا کوئی دوسرا ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی۔ جس نے دوئی پیدا کی اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا، اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہوا، وہ اس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا۔ اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا، اس نے اس کی حد بندی کر دی۔ اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا۔ (من المترجم)

۵۔ یہ واقعہ کسی صحیح السند حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ (مترجم)

۶۔ یہ اور اس جیسے دوسرے فتاویٰ کی تردید کے لئے حجتہ السلام والمسلمین السید شرف الدین الموسوی کی کتاب "الفصول المہمہ" کا مطالعہ کریں۔ (مؤلف)

۷۔ استاد کبیر احمد الشرباصی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی وفات کے قریب حضرت عمر ان کا سر بہ مہر وصیت نامہ لے کر مسجد میں داخل ہوئے، تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: عمر جانتے ہو اُس وصیت نامے میں کیا لکھا ہوا ہے؟ حضرت عمر نے کہا: نہیں میں نہیں جانتا تو اس شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ ابوبکر نے اپنے وصیت نامہ میں حکومت تمہارے سپرد کی ہے کیونکہ پچھلے سال تم نے ان کو حکومت دلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب جو حضرت عمر نے وصیت نامہ کو کھولا تو اس میں ان کی خلافت کا اعلان تھا۔ (ماخوذ از مجلہ لواء الاسلام قاہرہ)۔ اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کو اس ملی بھگت کی پوری خبر تھی۔

ایں راز است کہ معلوم عوام است

کی طرح لوگوں کی زبان پر اس کے چرچے پہلے سے موجود تھے۔

۸۔ مسند احمد بن حنبل۔ مشکواۃ المصابیح باب مناقب اہلبیت۔ صواعق محرقہ ص ۱۵۲۔

۹۔ مسند احمد بن حنبل۔ ج ۱ ۔ ص ۳۸۸۔

۱۰۔ صحیح بخاری۔ جلد ۴ ص ۵۴۔

۱۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۴ ص ۸۶، صحیح مسلم جلد ایک ص ۹۵۔

۱۲۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۹۸۔

۱۳۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۸

۱۴۔ صحیح بخاری۔ جلد ۳ ص ۱۹۲، مسند احمد بن حنبل جلد ایک ص ۱۸۹، مسند احمد جلد دوم ص ۱۸۹۔

۱۵۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۲۔

۱۶۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱ ص ۵۰۰، پ ۱۴ باب قصہ الحبش و قول النبی یا نبی ارفدہ

۱۷- قارئین کرام ان دونوں روایات کو غور سے پڑھیں پھر خود ہی فیصلہ فرمائیں، جو ذات اقدس مسجد میں کسی گمشدہ چیز کے اعلان کے حق میں نہیں تھی تو پھر آپ ﷺ کس طرح سے حبشیوں کو مسجد میں کھیل تماشہ کی اجازت دے سکتے تھے۔ اور اپنی بیوی کو تماشہ دکھانے کے روادار کیسے ہو سکتے تھے۔

۱۸- صحیح مسلم جلد ایک ص ۲۵۴۔

۱۹- یہ ابوہریرہ کی روایات ہیں اور ابوہریرہ مشہور حدیث ساز شخصیت تھے۔ اور ان کی روایات سے تنگ آ کر حضرت عمر نے انہیں اپنے درے سے پیٹا تھا۔ اور کہا تھا کہ اے ابوہریرہ تم نے اتنی روایات کہاں سے جمع کر لیں اور مجھے یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو اگر تو روایت حدیث سے باز نہ آیا، تو میں تجھے تیرے وطن واپس بھجوا دوں گا۔ حضرت عمر نے ایک مرتبہ ابوہریرہ کو بحرین کا والی مقرر کیا بعد ازاں ان کے پاس موصوف کی خیانت کی اطلاعات موصول ہوئیں، تو انہیں بلا کر معذول کر دیا۔ اور کہا تجھے معلوم ہے جب میں نے تجھے والی بنایا تھا، تو تیرے پاؤں میں جوتا تک نہ تھا اور اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے دس ہزار دینار کے گھوڑے خرید کئے ہیں یہ دولت کہاں سے آ گئی اے اللہ اور اس کی کتاب کے دشمن تو نے اللہ کا مال چوری کیا ورنہ تیرے پاس دس ہزار دینار کہاں سے آ گئے۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ بقی بن خالد اندلسی نے ابوہریرہ کی روایات پانچ ہزار تین سو چوستر بیان کی ہیں جن میں سے صحیح بخاری میں چار سو چھیالیس روایات موجود ہیں۔ (ماخوذ از تقریر سیاسی منظوم مطبوعہ دارالتالیف قاہرہ)۔

۲۰- صحیح بخاری جلد ایک ص ۱۲۷۔

۲۱- قرآن مجید کی جو آیات اصحاب ابوحنیفہ کے مخالف ہوں وہ منسوخ ہیں ملاحظہ فرمائیں اصول کرخی کا یہ قاعدہ۔

كل آية تخالف قول اصحابنا تحمل على النسخ كاية الخمس.

جو بھی آیت ہمارے اصحاب (آئمہ فقہ) کے مخالف ہو اس آیت کو منسوخ سمجھا جائے

گا، جیسا کہ آیت خمس ہے۔ اس فقہ کے آئمہ کو قرآن کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ ان کا قول ناسخ قرآن ہے نعوذ باللہ خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں۔

ہوئے کس قدر فقیہان حرم بے توفیق (مترجم)

۲۲۔ حیات الحیوان جلد ۲ ص ۱۷۸۔

۲۳۔ صحیح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۱۔

۲۴۔ حیات الحیوان جلد ۲ ص ۴۴۷۔

۲۵۔ فجر الاسلام ص ۳۱۷۔ پہلا ایڈیشن۔

۲۶۔ روضات الجنات۔ نقلا عن الزینہ ص ۸۸۔ پہلا ایڈیشن

۲۷۔ صواعق محرقہ۔ ص ۴۵۴۔

۲۸۔ صواعق محرقہ۔ ص ۱۶۱۔

۲۹۔ شیعہ مؤلفین نے سائنس اور اسلامی علوم کی زبردست خدمت سرانجام دی ہے اس کی تفصیل کے لئے آیت اللہ حسن الصدر کی کتاب "الشیعہ و فنون الاسلام" یا آقائے بزرگ تہرانی کی کتاب

"الزریعۃ الیٰ تصانیف الشیعہ"

کا مطالعہ فرمائیں۔

۳۰۔ الملل والنحل ص ۱۰۷۔

۳۱۔ الملل والنحل ص ۱۳۰۔

۳۲۔ الملل والنحل ص ۱۳۸۔

۳۳۔ مقام "خم" مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب واقعہ ہے رسول خدا نے حجتہ الوداع سے واپسی پر ۱۸ ذی الحج کے دن اس مقام پر عظیم خطبہ دیا تھا۔ اور اس خطبہ کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی امامت و ولایت کا اعلان فرمایا تھا۔

۳۴۔ تفسیر کبیر۔ جلد ۲۹ ص ۲۲۷۔

۳۵۔ تفسیر کشاف جلد ۴ ص ۱۳۱۔

۳۶۔ صواعق محرقہ۔ ص ۳۴۔ طبع مصر۔

۳۷۔ تاج العروس۔ جلد ۱۰ ص ۳۹۹۔

۳۸۔ تفسیر کبیر از فخرالدین رازی۔

۳۹۔ علامہ امینی نے اسی موضوع پر "الغدیر" تصنیف کی ہے جو کہ گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۴۰۔ تفسیر کبیر فخرالرازی جلد ۳ ص ۶۳۲ نہایہ ابن اثیر جلد ۴ ص ۳۴۵۔

۴۱۔ صواعق محرقہ ص ۶۶۔

۴۲۔ تفسیر ثعلبی ۔ سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۳۰۸۔ تفسیر السراج المنیر جلد ۴ ص ۳۶۴۔ حاشیہ مفاتیح الغیب جلد ۸ ص ۲۹۲۔

۴۳۔ اس حدیث کو ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابو نعیم نے نقل کیا ہے اور اس حدیث کو ثعلبی اور طبری نے سورہ الشعراء کی تفسیر میں لکھا ہے طبری نے اس حدیث کو اپنی کتاب "تاریخ الامم والملوک" کے ص ۲۱۷ پر مختلف اسناد سے لکھا ہے اس حدیث کو ابن اثیر نے "تاریخ کامل" میں لکھا ہے اسی حدیث کو امام ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب "نقض العثمانیہ" میں نقل کیا اور اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ حلبی نے دار ارقم کے حالات کے ضمن میں اسے اپنی کتاب "سیرت حلبیہ" میں لکھا ہے۔ اس حدیث کو طحاوی نے نقل کیا ہے اور ضیاء مقدوسی نے اسے "مختارہ" میں نقل کیا ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کو اپنی کتاب مسند کی جلد اول کے ص ۱۱۱ اور ص ۱۵۹ پر نقل کیا ہے۔ (من المترجم) نقلع عن "المراجعات"۔

۴۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۴۔ یہ حدیث اہل سنت کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے ہم بطور نمونہ چند حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری باب مناقب علی، صحیح مسلم۔ سنن ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم۔ مسند بزاز۔ سنن ترمذی۔ الاستیعاب ابن عبدالبر وغیرہ۔ (من المترجم نقل عن المراجعات)

۴۵۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۱۵۔

۴۶۔ محاضرات الادباء۔ از راغب اصفہانی ج ۲۔

۴۷۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۰۵۔

۴۸۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۱۲۴۔

۴۹۔ محاضرات بروایتہ اُنس جلد ۲ ص ۲۱۳۔

۵۰۔ مذکورہ کتاب ڈاکٹر سلیمان دینہ کے مقدمہ کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

۵۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۵۱، ۱۵۲۔

۵۲۔ تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۶۵ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱۳۴۔ تاریخ طبری۔ دیوان حافظ ابراہیم جلد ۱ ص ۷۵۔

۵۳۔ طبرانی فی الاوسط۔ صواعق محرقہ۔ ص ۱۲۴

۵۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۶۔

۵۵۔ صواعق محرقہ۔ ص ۷۴ طبع مصر۔

۵۶۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۱۶۰۔

۵۷۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۱۴۶۔

۵۸۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۹۹۔

۵۹۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۹۸۔

۶۰۔ صواعق محرقہ۔ باب مناقب علی علیہ السلام، ص ۱۲۴، ۱۲۵۔

۶۱۔ معاویہ اپنے دور حکومت میں حضرت علی علیہ السلام پر "سب" کیا کرتا تھا اور اس نے تمام شہروں میں اس رسم بد کو جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ راجع صحیح مسلم۔ معاویہ کے متعلق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا

یموت المعاویه علی غیر سنتی.

(معاویہ کی موت میری شریعت پر واقعہ نہ ہو گی) اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

اذا رایتم معاویه علی منبری فالعنوه.

(جب میرے منبر پر معاویہ کو بیٹھا ہوا دیکھو تو اس پر لعنت کرنا) ماخوذ از کتاب "وقعتہ صفین۔ تصنیف عبدالسلام ہارون۔

۶۲- صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۷- اس حدیث کی مزید وضاحت کے لئے ینابیع المودۃ کی طرف رجوع کریں اس میں بارہ آئمہ علیہم السلام کے فرداً فرداً نام آنحضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اور حضور ﷺ نے وہی نام بیان کئے ہیں جنہیں شیعہ اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔

۶۳- مقدمہ ابن خلدون- ص ۴۹۹-

۶۴- عبداللہ بن سبا کے متعلق طٰہٰ حسین مصری کی کتاب الفتنۃ الکبریٰ کا مطالعہ کریں- اس میں طٰہٰ حسین نے تسلیم کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی افسانہ ہے- اور اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں- یہ کردار صرف مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کے لئے تخلیق کیا گیا- مذکورہ کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے-

۶۵- حضرت شیخ صدوق نے عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق مذہب شیعہ کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے- ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب معصوم عن الخطاء اور ہر قسم کی نجاست سے مبرا ہیں- وہ نہ تو کوئی کبیرہ گناہ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی صغیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں- یہ تمام بزرگوار امر خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے- انہیں جو کچھ حکم دیا جاتا ہے، اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں- جس شخص نے ان حضرات کی عصمت کا، جس بھی حیثیت سے انکار کیا، وہ ان کے مرتبہ اور مقام سے جاہل ہے اور جو ان سے جاہل ہے وہ کافر ہے ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام حضرات ابتداء سے آخر تک اپنی صفات میں کامل، معصوم اور عالم ہیں- یہ اپنے احوال و کوائف میں سے کسی حالت میں بھی نقص، جہالت اور معصیت وغیرہ سے متصف نہیں ہوتے- (من المترجم)- نقلا عن "اعتقادیہ الصدوق"

۶۶- تدریب الراوی ص ۲۴-

۶۷- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۲-

۶۸- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۸۵-

۶۹- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۵۱-

۷۰- فتح الباری- جلد ۱۰ ص ۱۹۸، ۱۹۹،

۷۱- صحیح بخاری جلد ۴ ص ۱۰۶-

۷۲- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۶۵-

۷۳- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۶۵

۷۴- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۲۳-

۷۵- صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۸-

۷۶- ابوہریرہ کی روایات کے متعلق تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی کتاب کے مصنف آیت اللہ شرف الدین ہیں۔ دوسری کتاب استاد محمود البوریہ نے لکھی ہے اور تیسری کتاب شیخ المضیرہ کا اردو میں ترجمہ میں شائع ہو چکا ہے۔ **سلاشیان** حق سے سے گذارش ہے کہ کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

۷۷- صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۳۱-

۷۸- مسند احمد جلد ۲ ص ۴۸-

۷۹- صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۷-

۸۰- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۶-

۸۱- صحیح بخاری جلد ۱ جلد ۳ ص ۱۲۸، ۱۶۰، ۱۶۸-

۸۲- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۳-

۸۳- صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۷-

۸۴- صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۰۳-

۸۵- تدریب الراوی ص ۳۵-

۸۶- صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۴۸، ۱۸۵-

۸۷- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۶۴-

۸۸- صحیح بخاری جلد ۴ ص ۶۰-

۸۹- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۶۳-

۹۰- مسند احمد جلد ۱ ص ۱۵۳-

۹۱- مسند امام احمد جلد ۱ ص ۸۵-

۹۲- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۲۔

۹۳- مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۶۔ جلد ۳ ص ۴۷، جلد ۴ ص ۱۴۸۔

۹۴- مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۵۔

۹۵- جامع البیان جلد ۱۰ ص ۵۵۔

۹۶- تفسیر کبیر جلد ۱۱ ص ۱۶۱۔

۹۷- عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۵۹۔

۹۸- تفسیر کبیر جلد ۱۱ ص ۱۶۱

۹۹- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۵۸۔

۱۰۰- الفتاویٰ جلد ۱ ص ۷۴۔

۱۰۱- در منثور جلد ۱ ص ۸۔

۱۰۲- تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵۔

۱۰۳- بدایہ المجتہد للقرطبی ص ۱۰۹۔

۱۰۴- نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۱۶۔

۱۰۵- مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۹۵، ۱۱۲، ۱۲۴۔

۱۰۶- صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۰، ۱۹۔

۱۰۷- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۱۳۔

۱۰۸- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۵۴۔

۱۰۹- فروع کافی جلد ۳ ص ۱۸۱۔

۱۱۰- تاریخ الخلفاء سیوطی۔ تاریخ ابوالفداء الفاروق شبلی نعمانی۔

۱۱۱- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۹۔

۱۱۲- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۲۳۔

۱۱۳- صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۲۴۔

۱۱۴- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۶۴۔

۱۱۵- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۹۔

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welf re Trust (R)
Shop No 11, M.L. H ights,
Mirza Ka e j in Road,
Soldier Bazar, Karac , akist n.

۱۱۶- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۱، ۱۲۲-
۱۱۷- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۸-
۱۱۸- سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۵۶-
۱۱۹- صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۰-
۱۲۰- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۹۰-
۱۲۱- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۱۷-
۱۲۲- مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۸۴-
۱۲۳- صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۷۴-

احسن المقال حصہ اول ۱۳۰روپے
احسن المقال حصہ دوم ۱۴۵روپے
اقتصادنا حصہ اول ۱۰۰روپے
انتخاب طبری ۹۰روپے
تذکرۃ الاطہار ۸۵روپے
توضیع المسائل (خمینی صاحب) ۸۰روپے
زندگی حصہ اول ۱۰۰روپے
زندگی حصہ دوم ۱۱۰روپے
سیرت امیرالمومنین حصہ اول ۱۳۰روپے
سیرت امیرالمومنین حصہ دوم ۹۰روپے
صحیفہ کاملہ ۱۰۰روپے
سیرت نبوی ۱۳۰روپے
مفاتیح الجنان ۱۱۰روپے
نہج البلاغہ کلاں ۱۵۰روپے
نہج البلاغہ اردو ۱۲۰روپے
ارشاد القلوب ۶۰روپے
استعمار ۲۰روپے
اسلامی اخلاق کا جدید اسلوب ۵۵روپے
اسلامی حدود و تعزیرات ۲۲روپے
اقتصادی نظاموں کا تقابلی جائزہ حصہ اول ۳۵روپے
اقتصادی نظاموں کا تقابلی جائزہ حصہ دوم ۳۵روپے
الاثناء العشریہ ۱۵روپے
السعادۃ الابدیہ ۳۰روپے
انقلاب اسلامی کی فکری بنیادیں ۲۲روپے
انقلاب مہدی ۵۵روپے
آئین زندگی ۳۵روپے
آیہ تطہیر ۶روپے
بچوں کے لئے سچی کہانیاں ۲روپے فی
پیشوائے شہیداں ۶۵روپے
توبہ ۲۲روپے
تعلیم الاحکام ۳۵روپے
تعلیم دین حصہ اول ۳۵روپے
تعلیم دین حصہ دوم ۴۰روپے
جان سخن ۲۰روپے
چند خواتین ۲۰روپے
چہل حدیث ۳۵روپے
حرا میں سوگ ۲۰روپے
حکومت مہدی ۶روپے
حقوق اور اسلام ۲۲روپے
حیات طیبہ جناب زینب سلام اللہ ۲۲روپے

D.....
Section I7/13 ..... Status ....
۲۱۶ D.D. Class..........
NAJAFI BOOK LIBRARY

توحید اسلامی ۲۵روپے

ثبوت عزائے حسین ۲۵روپے

شیعہ سنی ۱۰روپے

صحیفہ انقلاب ۲۰روپے

عظمت امیرالمومنین ۳۰روپے

علمائے امامیہ کا اسلوب تفسیر ۲۰روپے

عورت (کلام امام) ۲۰روپے

کردار کی روشنی ۶روپے

لبنان ۶۵روپے

مجالس امام حسین ۸۰روپے

معدن الجواہر ۲۲روپے

معراج مومن ۱۵روپے

مناسک حج ۴۰روپے

مرنے کے بعد یہ ہو گا ۱۵روپے

حکومت اسلامی کی اساس ۲۵روپے

نائبین امام (نواب اربعہ) ۶۰روپے

خاشعین کی نماز ۳۰روپے

درس ہائے نہج البلاغہ ۲۲روپے

دین حق عقل کی روشنی میں ۱۵روپے

رہنمائے زائرین ۱۰۰روپے

شہید ۲۲روپے

منبر عدل ۷۵روپے

نظام زندگی ۴۰روپے

ہدایت النساء ۱۰روپے

ہدایہ و تحف ۱۵روپے

یوم الحسین ۳۰روپے

علی پر کیا گذری ۲۲روپے

استعمار اور اس کی سازشیں ۲۵روپے

والدین اور اولاد کے حقوق ۲۵روپے

باغ فدک روپے

امامیہ پبلیکیشنز پاکستان

منبع عدل

صفحات ۴۱۲

مولف: آیت اللہ ابراہیم امینی　　　مترجم: مولانا سید افسر عباس زیدی

یہ کتاب بہت اہم موضوع سے متعلق ہے جس میں امام عصر کی طول عمر اور علامات ظہور کے بارے میں نہایت دل چسپ مقالے کی صورت میں بحث کی گئی ہے۔ مومنین کرام کے لئے یہ کتاب تازگی ایمان کے لئے بہت ضروری ہے۔

ارشاد القلوب

صفحات ۳۳۵

مولف: علامہ شہید شیخ ابو محمد حسن ابن ابوالحسن محمد دیلمی مترجم: مولانا صفدر حسین نجفی

اس گراں قدر کتاب کا ترجمہ مولانا صفدر حسین نجفی مرحوم نے فرمایا ہے۔ اس میں مختلف موضوعات پر مستند روایات کے ذریعے روشنی ڈالی گئی ہے۔

پیشوائے شہیداں

صفحات ۳۷۲

مولف: سید رضا صدر　　　مترجم: مولانا عباس قمی

اس کتاب میں امام حسین علیہ السلام کے بارے میں بہت دقیق بحث کی گئی ہے اور ایک بالکل نئے انداز سے واقع کربلا کو پیش کیا گیا ہے۔ قارئین کے لئے یہ کتاب بہت معلومات افزاء ہے۔

ناشر:

امامیہ پبلی کیشنز

35 - حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور

فون: ۷۱۱۹۰۲۷